







سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۸۶

# ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ

مُرتبہ

ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لیٹ

لیکچرر پنجاب یونیورسٹی اور نیشنل کالج۔ لاہور

شائع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند)، دہلی

قیمت مجلد للہ غیر مجلد سے

۱۹۴۲ء





سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۸۷

# ادبِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ

مرتبہ

ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔ اے ڈی۔ لٹ

لیکچرر پنجاب یونیورسٹی اور نیٹل کالج۔ لاہور

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (ہند)، دہلی

قیمت مجلد للہ غیر مجلد ۷۰

۱۹۴۲ء

طبع اول ۱۰۰۰



میں اس ناچیز کو شش

کو

# ”مغل تہذیب اور شائستگی“

کے نام

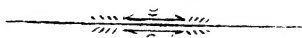
معنون کرتا ہوں

جس کے آثار و برکات کی شاندار داستان کا

ایک باب اس کتابچے

میں

بیان ہوا ہو





# تعارف

”ہندوؤں کا فارسی ادب“ میرے اس مقالے کا موضوع تھا جو میں نے انگریزی میں ڈی لیٹ کے لیے لکھا تھا۔ موجودہ کتاب اسی کا مختص ترجمہ ہے۔ ہندستان میں جو فارسی ادب پیدا ہوا اُس کی تاریخ ہنوز نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب جو اس وقت ناظرین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ اُس وسیع تاریخ کا ایک پہلو ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تمام کوشش ہندستان کی فارسی ادبیات لکھنے والے کو اس شکل اور طویل کام میں کچھ مدد دے سکے۔

یہ کتاب ہندوؤں کی ذہنی ترقیوں اور علمی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس سے مغلوں کی ترقی پریر، روادارانہ طرز حکومت پر روشنی پڑتی ہے جس کے سایہ عاطفت میں ہندوؤں کو اپنے دماغی جوہر دکھانے کا موقع ملا اور جس نے ان کے ذہن کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرتے ہوئے اُن میں نئی زندگی پیدا کی۔ اس سرگزشت سے ہمیں بعض تمدنی اور معاشرتی مسائل کے حل کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ وہ ہندو قوم جسے علامہ البیرونی بے حد ”تفرو پسند“ اور خود پسند کہتا ہے جس کے نزدیک وید مقدس کے علاوہ کوئی کتاب الہامی اور آسمانی نہیں۔ اور جو اپنے علوم، اپنے کچر اور اپنی روایات پر اس قدر نازاں ہوتی ہے کہ اپنے سوا سارے عالم کو ”ناشا بیستہ“ تصور کرتی ہے۔ اب اس کے افراد مرزا“ اور ”میاں“ کہلانے پر غور کرتے ہیں لشکر اور کپٹان، تلمیذ اور اس اور

## ب

رامانج کے اقوال کی بجائے وہ سعدی اور حافظ، خیام اور ردی کے کلمات و اشعار کے ساتھ اپنے کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ تقریباً ہر ہندو مصنف اپنی تحریر کو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کرتا ہے اور طلبِ توفیق پر ختم کرتا ہے۔ اسلامی مہینوں کی تعظیم کرتا ہے اور مسلمانوں کے طریقوں اور رسموں کی عزت کرتا ہے۔ یہ حقیقت میں ایک محیر العقول انقلاب تھا جس کی ذمہ دار بہت حد تک فارسی زبان کی تعلیم تھی جس کی بے نظیر سادگی، بے مثل رنگینی، دلاویز شیرینی اور حقائق سے لبریز بلاغت نے آہستہ آہستہ ان دماغوں کو متاثر کیا اور ہندستان میں "اسلامی ہندی طرز" کا ایک ایسا "آمیزہ" تیار کیا جس کی نظیر دنیا میں کم ملتی ہے۔

ہندوؤں نے تین سو سال تک مساجد اور مکاتب میں مسلمان طالب علموں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر علوم حاصل کیے بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ یہ ہندو شاہنشین علم، مسلمان طالب علموں سے گونے سبقت لے گئے۔ آج سے ایک صدی قبل از ولید صاحب نے جب پنجاب کی تعلیمی حالت کی رپورٹ لکھی تو انہیں معلوم ہوا کہ "مکاتب قرآنیہ" میں مسلمانوں کی بہ نسبت ہندو طلبہ زیادہ شامل ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مستحکم رشتہ تھا جو دونوں قوموں کے درمیان رابطہ اتصال کا کام دیتا تھا جس نے انھیں باہم شیر و شکر بنا دیا تھا اور جس کی بدولت صدیوں تک ہندو مسلمان بھائیوں کی طرح رہتے سہتے رہے، ہمارے پُرانے تعلقات کی یہ خوشگوار داستان شاید موجودہ دور کے ہندو مسلم اختلاف کو رفع کر سکے اور ہندستان کی مختلف اقوام اس "متحدہ کچر" ہی کو اندرونی اتحاد و یگانگت کا ذریعہ بنا سکیں جس کی داغ بیل عہدِ مغلیہ میں پڑی۔

سراجِ دونا نندہ سرکار نے لکھا ہے کہ مغلوں کا راج "کاغذی راج" تھا۔ انھوں نے اس راج کے انتظام کے لیے ایک وسیع بیت الانشا قائم کیا۔

## ج

جس کے مختلف فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں ہندو اہل قلم اور ادباء مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ ہندوؤں کے فارسی ادب کی سرگزشت حقیقت میں "مغلوں کے طرز حکومت" پر کچھ لکھنے کے لیے ایک مستند اور صحیح ماخذ کا کام دے گی۔

راقم السطور کو اس کتابچے کی ترتیب میں جامع اور بے عیب تحقیق کا دعویٰ نہیں۔ عاجزانہ طور پر صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس مضمون کو اس شکل میں استیعاب کے ساتھ پیش کرنے کی سعی اس سے پہلے نہیں کی گئی۔ جب سال ۱۹۲۸ء میں میرے مخدوم پرنسپل محمد شفیع صاحب اور استاد محترم پروفیسر محمد اقبال صاحب نے "الفرڈ ٹیالہ اسکالر" کی حیثیت سے مجھ سے اس مضمون پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو میں دیہی پرشاد سائل کی کتاب "آثار شعرائے ہند" کے سوا کسی ماخذ سے واقف نہ تھا پھر جب اس سلسلے میں میں نے جستجو سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اس موضوع پر ایک طویل سلسلہ مضامین "معارف" (سال ۱۹۱۷ء) میں سپرد قلم کر چکے ہیں جنہیں میں نے اپنے لیے ایک مستقل ماخذ کے طور پر استعمال کیا۔ اگرچہ مولانا کے ان مضامین میں مسئلے کے بعض اہم پہلو نظر انداز کر دیے گئے تھے اور تاریخوں اور سنوں کے ضبط و تحریر میں عدم پابندی کے علاوہ ان میں مغلوں سے پہلے کی حالت پر روشنی نہیں ڈالی گئی اور خود کتابوں کی فہرست بہت مختصر اور کتابوں پر تبصرہ و تنقید معمولی ہو۔ تاہم اس امر کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ میں نے ان مضامین سے بے حد مدد لی ہو۔ جس کے لیے میں جناب سید صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان دو ضروری ماخذ کے علاوہ میں نے بعض اور مضامین سے بھی فائدہ اٹھایا مثلاً سال ۱۸۷۷ء میں مسٹر بلوچمن نے کلکتہ ریویو میں "مغلوں کے ہندو ملازمین" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں مجھلا اس بحث کے متعلق بھی کچھ اشارات



ملتے ہیں۔

”ہندستان کی کہانی اپنے مؤرخوں کی زبانی“ مرتبہ ایمیٹ و ڈاؤسن میں بھی ہندو مؤرخین کے عمدہ اور مفصل حالات لکھے ہیں جن سے پوری پوری مدد ملے گی۔ ہمیں نے اس کتابچے کی ترتیب میں جن صد باقلمی اور مطبوعہ کتابوں سے مدد لی ہے ان کی مفصل فہرست کتاب کے آخر میں شامل کر دی ہے تاکہ مفصل مطالعہ کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہو سکے۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جب نئی اصل کتاب (جو انگریزی میں ہے) لکھ چکا اور اس کی بنا پر مجھے ۱۹۳۵ء میں ”ڈاکٹر آف لٹریچر“ (ڈی لٹ) کی ڈگری مل گئی تو اس کے بعد سید ابن حسن مرحوم کی مشہور تصنیف (CENTRAL STRUCTURE OF THE MUGHAL EMPIRE) بھی نظر سے گزری۔ میرا کتا بچہ چھ ابواب مشتمل ہے۔ پہلے باب سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے باب میں مغلوں سے پہلے کی حالت اور دوسرے باب میں اکبری عہد کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ ہر باب کی ابتدا میں ادب کے ذکر سے پہلے تاریخی تمہید لگا دی گئی ہے جس میں مختلف مغل بادشاہوں کی علمی سرپرستیوں اور ہندوؤں کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا ذکر ہے جو فہرست میں نے یہاں ہندو ادب کی پیش کی ہے اس کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ دور افتادہ گوشوں کو ٹوٹنے یا گناہم کتب خانوں کو کھنگالنے سے مزید کتا بیں بھی مل جائیں لیکن اب تک مجھے جو کچھ مل سکا میں نے اس کا ضروری حصہ شامل کر لیا ہے۔ ہر کتاب پر تنقید نہیں کی گئی صرف چیدہ اور اہم تصنیفات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ حوالے نہایت پابندی کے ساتھ دیے گئے ہیں تاکہ رجوع کرنے میں دقت نہ ہو۔ اس سے قبل اس کتاب کے بعض حصے اور ٹیبل کالج میگزین اور بعض اور رسائل میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اب میں ان سب کو یکجا کرتے ہوئے

ایک نئی ترتیب کے ساتھ اہل ملک کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اُمید کہ میری غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے میری سعی اور کوشش کی داد دی جائے گی۔

گر بہم برز وہ بینی خط من عیب مکن کہ مرا محنت آیام بہم برز وہ است

اس مہید کے ختم کرنے سے پہلے اپنے مخدوم پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم اے (کیٹب)، استاد محترم پروفیسر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی اور استاد مکرم حافظ محمود خاں صاحب شیرانی سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی فرمائش سے میں نے اس کتاب کو شروع کیا اور ان کی توجہ، افادہ اور رہنمائی سے تکمیل تک پہنچایا۔ نیز قبلہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کا شکریہ گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتابچے کو انجمن کی مطبوعات میں شامل کرنے کی منظوری عطا فرمائی۔

سید محمد عبداللہ





## مفصل فہرست مضامین

### تعارف

#### پہلا باب عہد مغلیہ سے قبل

ہند۔ ایران کے تعلقات - ۱، سندھ پر عربوں کی حکومت - ۱، ہندوؤں کا ہندوؤں سے - ۲، صفاریوں کا حملہ سندھ - ۲، رابعہ بنت کعب القصداری - ۲، محمود سے اکبر تک ہندوؤں میں فارسی کی حالت - ۳، غزنوی عہد - ۳، محمود اور البیرونی - ۳، غزنویوں کے ہندوؤں سے - ۳، اور منصب دار - ۴، تنک بن جوہین - ۵، ہندو مسلم اختلاط کے نتائج - ۶، ہندستان میں فارسی ادب کا پہلا دبستان - ۶، سکندر لودھی اور ہندوؤں کی فارسی تعلیم - ۷، پنڈت ڈونگرل - برہمن (۹)، کالیستہ اور فارسی - ۸، کشمیر میں فارسی - ۸، سلطان زین العابدین اور برہمنان کشمیر - ۹، کشمیری برہمن اور فارسی - ۱۰، ۱۱، سپرڈو - کشمیر کے بعض اہل علم - ۱۱، ہندی ہٹ اور سوم - ۱۰، ۱۱، سکندر لودھی کے بعد - ۱۱، ۱۲، گرو نانک کی فارسی دانی - ۱۲، اسلامی معاشرت کا اثر ہندوؤں پر - ۱۳، سلطان بادشاہوں کے ہندو ملازم - ۱۴، ۱۵، سلاطین دکن اور ہندوؤں - ۱۵، فارسی ہندو گھروں میں - ۱۶، قبل مسیح عہد میں ہندوؤں میں فارسی دانی کی کمی - ۱۶، ۱۷، اس کے اسباب - فارسی کا دنیاوی مفاد سے خالی ہونا - ۱۷، جبری تعلیم کا نہ ہونا - ۱۷، ہندوؤں کی تفریق پسندی - ۱۸، ہندی کا رواج عام - ۱۹، فارسی سے پٹھانوں کی نفرت - ۱۹، بعض شاہان دکن کی فارسی سے بے اعتنائی - ۲۰۔

#### دوسرا باب عہد اکبری

نئے دور کا آغاز - ۲۳، اکبر کی سیاسی حکمت عملی - ۲۳، اکبر کے تین اصول کار - ۲۴، ہندوؤں کی دل جوئی - ۲۴، ہندو علوم کی قدر افزائی - ۲۵، ۲۶، عام تعلیم - ۲۷، اکبری مدارس - ۲۸، ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام - ۲۸، راجا ٹوڈرل کا فرمان فارسی تعلیم

فہرست مضامین نم اویات فارسی میں ہندوؤں کا حلقہ

کے متعلق ۲۹، فرمان کی حیثیت اور اس کا اثر ۳۰، انٹ پیشہ ہندو ۳۱، ہندوؤں کے فارسی ادب کے اولین آثار ۳۱، ہندوؤں و فنون لطیفہ ۳۱، اکبری دور کے ہندو مصوٰرات ۳۲، ہندو موسیقی داں ۳۲، ہندو خوش نویں اور خطاط ۳۳، ہندو اکبری کے چند فارسی داں ہندوؤں: توڈرمل ۳۴، اس کی کتاب خازن اسرار یا ٹوڈراند ۳۵-۳۶، جنگوت پران ۳۷، رسالہ حساب ۳۸، اکبری تراجم میں ہندوؤں کا حلقہ ۳۸، مرزا منوہر توستی ۳۸-۴۱، کرشن داس اکبری ۴۱۔

## تفسیر باب ازیہاں گیر تا فرخ سیر

جہاں گیر کی حکمت عملی ۴۵، ہندو علما اور درویشوں سے اختلاط ۴۶، شاہ جہاں کی قیاسی ۴۷-۴۸، داراشکوہ اور ہندو علوم ۴۸-۴۹، اورنگ زیب عالمگیر ۴۹، بعض غلط فہمیوں کی تصحیح ۵۰-۵۱، محمد اعظم اور محمد معظم ۵۲، دفاتر دیوانی اور ہندو ۵۳، اس دور کے مورخ ۵۶ — مفصل فہرست، اہم مترجمین — بندرین داس بہادر شاہی ۵۹، ۶۰۔ سجان رائے بٹالوی ۶۲، اس کی کتاب خلاصۃ التواریخ ۶۲، بھیم سین دلد رگھونندن داس ۶۹، اس کی کتب دل کشا ۶۹، نرائن کول عاجز ۷۰، اس کی کتاب تاریخ کشمیر ۷۱، اس دور کے منشی اور ان کی کتابیں ۷۱، منشی ہرکرن ۷۲، چند بھان برہمن ۷۲، چہارچین او منشآت برہمن ۷۶، دیگر تصانیف ۷۵، منشی مادھو رام (اس کی انٹ) ۷۸، ملک نادوشی رنگار نامہ ۷۷، اودھ راج (ر۔ طالع یار) ہفت انجن ۸۰، اس دور کے شعرا ۸۱، برہمن ۸۱، ہندو متھرا داس ۸۵، سالم کشمیری ۸۵، بنوالی داس ولی داراشکوہی ۸۷، تراجم ۸۸، سنگھ سن تیشی ۸۸، راین ۸۸، قصص و دیگر فنون ۸۹،

## چوتھا باب مُغلوں کا انحطاط (۱۱۲۴ تا ۱۲۲۱ھ)

ہندوؤں کے فارسی ادب کا زمانہ شباب ۹۳، شاہانِ مغلیہ اور امر کی علمی سرپرستی ۹۴، مرزا راجا جو سنگھ کی رصد ۹۴، شاہانِ اودھ کا دربار ۹۴، عظیم آباد، مرشد آباد وغیرہ ۹۴

ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ج

فہرست مضامین

مسلکت حیدر آباد ۹۶، مرہٹے اور فارسی ۹۶، ایٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی ایام ۹۷،  
انگریزوں کی بے اعتنائی فارسی کے سلسلے میں ۹۸، اس دور کے ادب کی خصوصیات ۹۹،  
قرن لغت و قواعد کی ترقی، شعر و شاعری کا ذوق عام ۱۰۰، تذکرہ نویسی کا بلند معیار ۱۰۰،  
تاریخ نویسی کا تنزل ۱۰۰، اس دور کے مورخ اور تاریخین ۱۰۱، مفصل فہرست تا ۱۰۶،  
خوش حال چند کالیستہ نادر الزمانی ۱۰۷، رائے زادہ چترمن (چھاگشن) ۱۰۸، لمبھی نرائین  
شفیق ۱۰۹، اس کا والد رائے منارام (ماثر نظامی) ۱۰۹، شفیق کی کتابیں ۱۱۰، اس  
دور کے تذکرے، مفصل فہرست ۱۱۲، کش چند اخلاص (ہمیشہ بہار) ۱۱۲، بندرین داس  
خوش گو (سفینہ خوش گو) ۱۱۳، شفیق اور رنگ آبادی (گل رعنا) ۱۱۵، شام غریباں، چمت شہنا  
۱۱۶، اس دور کا فنِ انشا اور منشی ۱۱۷، اندرام مخلص کی نشر ۱۱۹، اس دور کے  
نقّے اور افسانے ۱۲۳، ترجمے ۱۲۴، حساب اور علم نجوم ۱۲۵، لغت نگار اور ان کی  
کتابیں ۱۲۶، اندرام مخلص ۱۲۷، مخلص کی شاعری ۱۳۱، مخلص کی نثری تصانیف ۱۳۲  
مرآۃ الاصطلاح ۱۳۴ تا ۱۴۱، سیال کوٹلی مل و آرتھ ۱۴۲ تا ۱۴۷، مصطلحات اشعرا  
۱۴۷ تا ۱۶۴، وارثہ کی اور تصانیف ۱۶۴، منشی ٹیک چند بہار ۱۶۴، تصانیف  
۱۶۴، بہارِ عجم ۱۶۵ تا ۱۷۰، اس دور کے شعرا ۱۷۰، مفصل فہرست ۱۷۰، بعض من شعرا  
حبونت سنگھ ۱۷۰، تیرہ بیراگی ۱۷۱، سکھ راج سبقت ۱۷۱، شوارام تیا ۱۷۲، امانت رائے امانت  
۱۷۳، اجاگر چند آفت ۱۷۵، راجارام نرائین موزوں عظیم آبادی ۱۷۶، بالکنڈ شہود  
۱۷۵، سرب سکھ دیوانہ ۱۸۱، لمبھی نرائین شفیق ۱۸۱

## پانچواں باب از ۱۲۲ تا عہدِ حاضر

مغل تہذیب کا دم واپس ۱۸۵، مسلمان درباروں کے ہندو اہل کار ۱۸۵،  
سکھ اور فارسی ۱۸۶، گورڈانک اور فارسی ۱۸۶، ظفر نامہ گورڈو گو بند سنگھ ۱۸۶، مہاراجا  
رنجیت سنگھ اور فارسی ۱۸۶، عہدِ سکھوں کے چند نام و مصنف اور اہل علم ۱۸۷، انگریزوں

- کا دور ۱۸۸۰ء، انگریزوں کی تعلیمی حکمت عملی ۱۸۸۰ء، فارسی کی درس گاہیں ۱۸۸۹ء، آگرہ کالج اور دہلی کالج ۱۹۰۰ء، فارسی کے دو حریف: انگریزی اور دیسی زبانیں ۱۹۰۰ء، چارلس گرنٹ کا نوٹ، میکالے کی یادداشت ۱۹۱۰ء، فارسی کا الفا ۱۹۲۰ء، فارسی کی تدریجی زوال اور خاتمہ ۱۹۲۰ء، دورِ حاضر کے فاضل ہندو ۱۹۳۰ء، منشی نول کشور کی خدمات ۱۹۴۰ء، اس دور کا ادب ۱۹۶۰ء، خصوصیات: جدید اثرات ۱۹۶۰ء، علومِ طبیعیہ کی طرف رجحان ۱۹۶۰ء، تقابلی مذاہب اور احساسِ قومیت ۱۹۶۰ء، راجا رام موہن رائے ۱۹۶۰ء، زبان، انشا اور شاعری کا معیار پست ہو گیا ۱۹۸۰ء، صحافت کا آغاز ۱۹۸۰ء، اس دور کی تاریخوں کی مفصل فہرست ۱۹۹۰ء، مہاراجا کلیان سنگھ: وارداتِ قاسمی ۲۰۰۲ء، سدا سکھ نیاز، منتخب التواریخ ۲۰۰۵ء، مولال فلسفی: تنقید الاخبار ۲۰۰۷ء، بساون لال شادان، امیرنامہ ۲۰۰۷ء، منشی بیل چند، تفریح العمارات ۲۰۰۷ء، امر ناتھ اکبری: ظفرنامہ، رنجیت سنگھ ۲۰۰۸ء، سوہن لال: عمدۃ التواریخ ۲۰۰۹ء، کھنیا لال ہندی: رنجیت سنگھ نامہ ۲۱۱ء، دیوان کرپارام: گلاب نامہ ۲۱۲ء، گل زار کشمیر ۲۱۳ء، تذکرے: انیس العاقین زخمی ۲۱۳ء، اس دور کے فقہ ۲۱۴ء، ترجمے اور مذاہب کے متعلق کتابیں ۲۱۵ء، سدا سکھ نیاز: تنبیہ الغافلین ۲۱۵ء، رام موہن رائے: تحفۃ الموحدين ۲۱۶ء، اندرمن: پادشاہ اسلام ۲۱۶ء، انتہا رام: تحقیق التنازع ۲۱۶ء، دوسرے فنون اور علومِ طبیعیہ ۲۱۷ء، کانجی: خزانۃ العلم ۲۱۷ء، منشی چھترمل، دیوان پسند ۲۱۸ء، دن سنگھ زخمی: حدائق البوم ۲۱۹ء، طب، خوش خطی اور موسیقی ۲۲۰ء، فنِ انشا اور منشی ۲۲۰ء، لغت اور صرف ۲۲۲ء، اس دور کے ممتاز شعرا ۲۲۲ء، ذوقی رام حسرت ۲۲۲ء، دن سنگھ زخمی ۲۲۳ء، صاحب رام خاموش ۲۲۴ء، راجس تحفہ ۲۲۵ء، اس عہد کے باقی شعرا کی فہرست ۲۲۶ء،

## چھٹا باب ۲۳۱ — نظر باز گشت

فارسی ادیب درباروں میں ۲۳۱ء، مسلمان بادشاہوں کے ہندو درباری ۲۳۲ء

ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ **ی** فہرست مضامین

کاشتھوں کی فارسی دانی ۲۳۲، فارسی ہندو گھروں میں ۲۳۳، کشمیری پنڈت ۲۳۴، کشمیری ہندوؤں میں فارسی دانی کا آغاز ۲۳۵، پنجاب کے کشمیری پنڈت ۲۳۵، دیوان بخت مل اور دیوان اجودھیا پرشاد ۲۳۵، کشمیریوں کی، جو حاشیہ ۲۳۵، ہندوؤں میں فارسی کے مقبولیت کے اسباب ۲۳۶، کیا فارسی تعلیم مضر ثابت ہوتی؟ ۲۳۶، ہیول کی رائے ۲۳۷، ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام ۲۳۷، ہندستان کا قدیم نظام تعلیم ۲۳۷، عہد اکبری میں ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام ۲۳۸، اکبری مکتب اور مدرسے ۲۳۹، مشترکہ تعلیم ۲۳۹، ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا نصاب ۲۳۹، برہمن، خوش گو اور سجان رائے کی آراء تعلیم کے متعلق ۲۴۰، مغلیہ نظام تعلیم کا اقتصادی پہلو ۲۴۲ اس سبب سے انشا، سیاق، تاریخ اور خوش خطی کا فروغ ۲۴۳ شاعری لازمہ شائستگی ۲۴۴، ہمہ داں بننے کا شوق ۲۴۴، لکھی نرائین دبیر کنوی کی شہادت ۲۴۴، چند نام در اساتذہ ۲۴۶، بعض ہندو اساتذہ ۲۴۶، دوز آفر کے بعض نام و رفاضل ۲۴۹، مسلمان اساتذہ کی ہندو شاگردوں پر شفقت ۲۵۰، حقیقت رائے کا افسانہ ۲۵۰، خان آذر کے شاگرد ۲۵۱، غلام علی آزاد اور شفیق اورنگ آبادی ۲۵۳، غالب اور تفتہ ۲۵۴، ہندوؤں کے فارسی ادب کے ادوار ۲۵۴، ادبیات کی کثرت اور وسعت ۲۵۴، مختلف شعبہ ہائے ادب پر مجموعی تبصرہ ۲۵۵، ہندو مودخ اور ان کی تاریخیں ۲۵۵، قدیم ہندو ادب میں تاریخ کی کمی ۲۵۵، سر جادوناٹھ سرکار کی رائے ۲۵۶، عہد عالم گیری میں ہندو تاریخ نویسی کا فروغ ۲۵۶، سجان رائے بٹالوی اور لکھی نرائین شفیق کی کتابوں کا بلند معیار ۲۵۷

تذکرے: سفینہ خوش گو، گل رعنا شفیق، انیس العاشقین زخمی ۲۵۸  
 انشا: عہد مغلیہ میں ادب کی اہم شاخ ۲۵۸، سر جادوناٹھ سرکار کی رائے ۲۵۸



فہرست مضامین ک ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ

انشا کی کتابیں، تہذیب کا اہم ماخذ ۲۵۸، دارالانشا پر ہندوؤں کا قبضہ ۲۵۹، بعض نامور ہندوؤں کی ۲۵۹، انشا کی اہم کتابیں ۲۶۰، فن سیاق اور اس کی اہمیت ۲۶۰، ریاضی ۲۶۱، ہندو شعرا اور ان کی شاعری ۲۶۱، ہندو لغت نگار ۲۶۲، خوش خطی اور اس کی اہمیت ۲۶۳، ہندوؤں کے فارسی ادب کی مجموعی قدر و قیمت ۲۶۳، بعض نقادوں کی مخالفانہ رائے ۲۶۴، غالب کی رائے ۲۶۴، اس کی وجہ: ہندی ایرانی نزاع ۲۶۵، ایرانیوں کا برخورد غلط ہوتا ۲۶۶، ملا شیدا، ہندی کے مناظرے ۲۶۶، شیخ علی حزیں کا تعصب ۲۶۷، استعمال ہند پر اعتراض ۲۶۷، خان آزداد و تصرف ہند کی مدافعت ۲۶۸، ایرانی شعرا کا غلط تلفظ ۲۶۸، ہماری رائے: ہندوستانی الفاظ کا بے موقع اور بہ کثرت استعمال محل فصاحت ۲۶۹، مثالیں ۲۶۹، منشیانہ فارسی کے عیوب ۲۷۰، نامور ہندو فاضل فارسی کے استاد مانے جاتے ہیں ۲۷۰،

ہندوؤں پر فارسی تعلیم کے کلچرل اثرات ۲۷۱، اسلامی طرز تخیل ۲۷۱، ہندوؤں کے اسلامی نام ۲۷۱، ہندوؤں کی تاریخ سے روشناسی ۲۷۱، فارسی تعلیم ہندوؤں کے لیے مفید ثابت ہوئی ۲۷۲، ان کے ذہنی کارناموں کی داستان ۲۷۲، فارسی تعلیم سے ہندو مسلمانوں کے کلچرل روابط مستحکم ہوئے ۲۷۳، ماضی سے مستقبل کے لیے سبکی ۲۷۳۔

ضمیمہ الف - گرو نانک صاحب کی فارسی تعلیم ۲۷۷ - ۲۸۹

ضمیمہ ب - مشنری بیگم بیراگی ۲۹۰ - ۳۲۱

ضمیمہ ج - اقباس از بدائع وقائع اندرام مخلص، شائع کردہ ۳۲۲  
 ۳۶۰ { خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب ایم۔ اے (کنیٹ)  
 سابق پرنسپل اور نیٹل کالج لاہور

حواشی ۳۶۱ تا ۳۶۲

فہرستِ مآخذ  
اشاریہ (اندکس)

## تصویروں اور عکسوں کی فہرست

- ۱۔ عملِ منوہر
- ۲۔ اندرام مخلص کی خودنوشت رباعیات کا ایک صفحہ
- ۳۔ چراغِ ہدایت آرزو پر دارمسنہ کی اصلاحیں اس کے اپنے قلم سے
- ۴۔ راجا رام موہن رائے
- ۵۔ ہرچن داس مصنفِ چارنگل زار شجاعی کے خودنوشت نسخے کا ایک صفحہ
- ۶۔ آئینِ سریتیج بہادر سپرد
- ۷۔ مشتق زاین داس



# پہلا باب



مُغلوں سے پہلے



## پہلا باب عہدِ مغلیہ سے قبل

ہندستان اور ایران کے تعلقات سنہ قبل مسیح سے چلے آتے ہیں۔ ایرانی بادشاہوں میں سے دارا نے سب سے پہلے سندھ کو فتح کیا تھا۔ ایرانیوں کی حکومت سندھ پر ۳۲۵ ق م تک رہی۔ مورین حکومت کے زمانے میں ایران کا ہندستان پر گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ رسوم و رواج اور دیگر اوضاع زندگی میں زبردست مماثلت نظر آتی ہے۔ اسلام سے قبل عربوں کے بھی ہندستان کے سواحلی علاقوں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے لیکن عرب اور ہندستان کا سیاسی تعلق اسلام کے بعد قائم ہوا۔

سندھ پر عربوں کی حکومت | محمد بن قاسم نے ۱۲۰ھ میں ہندستان پر حملہ کیا۔ اس کے بعد تین صدیوں تک سندھ پر عربوں کی حکومت رہی اور یہ علاقہ مسلمانوں کی عظیم الشان حکومت کا جزو بن رہا۔ جس کا مرکز پہلے دمشق اور پھر بغداد تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سندھیوں اور عربوں کے درمیان زبردست سیاسی، تمدنی اور معاشرتی اختلاط ہوا۔

عباسیوں کے زمانے کی عربی کتابوں میں سندھ کے اہل علم و ادب کا نام ملتے ہیں۔ مسلمان سندھیوں کے علاوہ ہندو علماء، فضلا، حکما اور اطباء دربار بغداد

ہیں اعلیٰ مناصب پر فائز تھے۔ جہاں وہ ترجمہ اور طب کی خدمات انجام دیتے تھے۔ یہ علمی تعلقات اس وقت منقطع ہوئے جب ہندو فلسفہ و حکمت کی جگہ یونانی علوم نے لے لی اور سندھ پر خلافت کے اقتدار کے کم ہونے کی وجہ سے باہمی معاشرتی اور سیاسی روابط میں بھی کمی پیدا ہو گئی۔

صغاریوں کا حملہ | جیسا کہ پہلے بیان کر آئے ہیں سندھ کا ملک بہت جلد خلافت سے منقطع ہو کر خود مختار ہو گیا۔ اگرچہ شمال کی طرف سے وقتاً فوقتاً حملے ہوتے رہتے تھے تاہم گیارھویں صدی عیسوی تک یہاں آزاد اسلامی حکومتیں اور ریاستیں قائم رہیں۔ تیسری صدی ہجری (۱۱ ص ۸) میں صغاریوں نے سندھ کو فتح کر لیا۔ یہ ایرانی تھے۔ گویا ان کے حملے نے عہد اسلامی میں سب سے پہلے ہندوؤں کو ایک فارسی بولنے والی قوم سے میل جول کا موقع دیا۔ ابن حوقل<sup>۱</sup> اور اصطخری<sup>۲</sup> کے قول کے مطابق صغاریوں کے زمانے میں ملتان اور منصورہ کے لوگ عربی اور سندھی زبان بولتے تھے اور مکرانی لوگ فارسی اور مکرانی زبان بولتے تھے۔

سندھ میں ۳۲۹ھ کے قریب ایک شاعر عورت پیدا ہوتی ہے۔ جس کا نام رابعہ بنت کعب القصداری ہے۔ قصدا ریاقزو ار، علاقہ توران (جسے اب بلوچستان کہتے ہیں) کا دار الخلافہ تھا۔ یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اُس زمانے میں سندھ اور بلوچستان میں فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا اور قیاس غالب

۱۔ سخاؤ۔ البیرونی "انڈیا" دیباچہ: ایلینٹ۔ تاریخ ہندستان۔ ج ۵۔ ص ۵۴۲۔

۲۔ ابن حوقل۔ ص ۲۳۲۔ اصطخری رالیٹ۔ ج ۱۔ ص ۲۹۔ ایلینٹ نے یوں ترجمہ کیا۔

"ملتان کے لوگ شلواریں پہنتے ہیں اور فارسی اور سندھی بولتے ہیں" یہ صحیح نہیں۔

۳۔ لی سٹریٹج۔ لیڈز آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ۔ ص ۳۳۱-۳۳۳۔

ہو کہ ہندو لوگ اس رواج عام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے ہوں گے۔ اگرچہ اس قیاس آرائی کے لیے ہمارے پاس کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں۔

محمود غزنوی سے لے کر اکبر کے زمانے تک | ہندستان میں بڑی اسلامی فتوحات کا سلسلہ درحقیقت

محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اس وقت سے لے کر اکبری دور تک (یعنی تقریباً چھ سو سال) بجز چند مستثنیات کے ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا عام رواج نہیں ہوا۔ ایک خاندان کے بعد دوسرا خاندان تخت حکومت پر متمکن ہوتا چلا آتا ہو لیکن تاریخ کے اوراق اس اہم بحث پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ تمام دور تاریکی اور عدم واقفیت کا دور معلوم ہوتا ہے بعض دلائل کی بنا پر جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طویل زمانے میں ہندوؤں نے فارسی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی۔ البتہ بعض حکومتوں نے اپنے اپنے عہد میں اس اہم سیاسی ضرورت کی جانب کچھ نہ کچھ التفات کیا اور ہندوؤں میں ایک قلیل سی جماعت ہر زمانے میں ایسی موجود رہی ہے جو فارسی سے واقف تھی۔

مثلاً اسلامی درباروں میں ہندو ملازمین اور منصب دار فارسی ضرور جانتے ہوں گے۔ اس عہد کے ہندی لٹریچر میں فارسی الفاظ اور محاورات کی کافی آمیزش ہو۔ خیال، ریختہ، جنگلہ (زنگولہ) وغیرہ اصطلاحات ہندی موسیقی میں اُسی زمانے میں شامل ہوئیں بعض مسلمان بادشاہوں نے اپنے زمانے میں ہندوؤں میں فارسی کو رواج دینے کی خاص کوششیں کیں جن کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

غزنوی عہد | اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محمود کے کیریئر اور اس کے طرز حکومت کے متعلق بعض امور کی



طرف اشارہ کیا جائے محمود کو عموماً "بت شکنی" کے لیے بدنام کیا جاتا ہے لیکن اس کے عہد میں مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے بعض ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں جن سے انکار کرنا مشکل ہے۔ محمود ایک فاضل شخص تھا اور اس کے دربار میں ہر فرقے اور ہر مشرب کے لوگ امن و احترام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ البیرونی کو لیجیے یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی عمر کا معتد بہ حقہ ہندوؤں کے علوم سیکھنے اور ان کے بعض عقاید کی توضیح و تشریح میں بسر کیا۔ لیکن محمود ان کی سرپرستی سے دریغ نہیں کرتا۔ ڈاکٹر سٹاکولمکھتا ہے کہ اگر سلطان متعصب ہوتا تو البیرونی کی سرپرستی اور قدر افزائی کبھی نہ کرتا۔

محمود اور اس کے جانشینوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے درباروں میں ایک زبردست ہندو عنصر نظر آتا ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ اس زمانے میں غزنی ہندستان کا ایک حقہ معلوم دیتی تھی اس لیے کہ ہندو وہاں بکثرت موجود تھے۔ بیہقی اپنی تاریخ میں کئی جگہ ہندو افواج اور ہندو افسروں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ غزنی کے وزیر نے ان ہندوؤں یا ہندوستانیوں کے ساتھ معاملات کی آسانی کے لیے ایک ترجمان مقرر کیا۔ محمود کی وفات پر مسعود اور محمد کے درمیان جو جنگ چھڑی اُس میں مسعود نے ناتر نامی ایک ہندو افسر کو ایک باغی سردار کی سرکوبی کے لیے متعین کیا۔

۱۔ بیرونی۔ انڈیا (سفاذ) ص ۲۵۰، ۲۶۹

۲۔ فرشتہ۔ ص ۲۸۔

۳۔ بیہقی ص ۵۰۳

۴۔ بیہقی ص ۵۰۴۔ فرشتہ ص ۴۰، بدایونی ج ۱ ص ۲۰ میں سندو نامی ایک جنرل کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ ایلٹ ج ۲ ص ۶۰

**تلمک بن جرسین حجام** | غزنوی عہد کے ایک ہندو افسر کا خاص طور پر ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو بلحاظ علم و فضل اور بہ اعتبار شہرت و قابلیت اپنے سب ہم مذہبوں سے گوتے سبقت لے گیا تھا۔ تلمک بن جرسین دراصل حجام تھا جو ذاتی خوبیوں کی وجہ سے خواجہ احمد حسن میندی کا پرائیوٹ سکریٹری بن گیا۔ وہ حسین و جمیل آدمی تھا۔ خدانے اُسے گفتگو کی استعداد بخشی تھی، لکھنے میں بہت مشاق تھا۔ کہتے ہیں ہندی کے علاوہ فارسی بھی اچھی طرح لکھ لیتا تھا۔ امیرستعودنے اُسے ہندی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ اُس کے دروازے پر نوبت بختی تھی اور اُسے اعزاز کے طور پر "شاہی خرگاہ" حاصل تھی۔ بیہوشی لکھتا ہے کہ تلمک نے کشمیر میں سحر کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ بہت ذکی اور ہوشیار آدمی تھا اور اپنے فرائض دبیری و ترجمانی کو نہایت عمدگی سے انجام دیتا تھا۔

قیاس کہتا ہے کہ تلمک فارسی سے بخوبی واقف ہوگا کیونکہ "دبیری" اور "ترجمانی" کے فرائض بجالانے پڑتے تھے جس کے لیے زبان پر قدرت اور تحریر میں مہارت کی بجد ضرورت تھی۔

اسی طرح غزنوی دربار کے اور ہندو منصبدار مثلاً سندر، بھو رائے، ناتھ اور دیگر ہزار ہا سپاہی اور ملازم بھی فارسی میں بول چال کی قدرت ضرور رکھتے ہوں گے۔

۱۔ طبقات اکبری میں اس کا نام تلمک بن جرسین لکھا گیا ہے۔ نیز ایلیٹ ج ۲۔ ص ۶۰

بعض کتابوں میں تو تلمک بن حسین لکھا ہے۔ نیز دیکھو لین پول، میڈیول انڈیا۔

شمالی ہند پر فارسی کے اثرات | اس عام اختلاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ غزنوی عہد میں ہی شمالی ہندستان میں فارسی زبان

کا اچھا خاصا چرچا ہو گیا اور اسی زمانے میں فارسی کے اچھے اچھے شاعر پیدا ہونے لگے۔ عوتی اپنے تذکرۃ باب الالباب میں غزنی اور لاہور کے شعر کے ذکر کے لیے ایک مستقل فصل مخصوص کرتا ہے۔ بلاشبہ شعر کی اس فہرست میں ہمیں کسی ہندو شاعر کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حکمران قوم کی اس علمی زبان کا عوام پر ضرور اثر پڑا ہوگا۔ اسی زمانے میں ایک ایسی ”زبان“ پیدا ہوتی ہے جو آگے چل کر مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ زبان بنتی ہے۔ اس نئی زبان کی سرپرستی اور ترقی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نام دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہندی کا پہلا شاعر مسعود سلیمان بھی غزنوی دور میں گزرا ہے جس نے ہندی، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں ایک ایک دیوان چھوڑا ہے۔

آج مسعود سعد سلمان کا ہندی دیوان موجود نہیں۔ اس لیے ہم اس ”ہندی“ کی صحیح کیفیت اور اس میں فارسی کی آمیزش کے متعلق بالیقین کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ غوریوں کے عہد کی ایک تصنیف بہت بگڑی ہوئی صورت میں اب تک محفوظ ہے۔ اس کا نام پرہتوی راج راسا ہے۔ بقول ٹاڈ صاحب یہ پرہتوی راج کی تاریخ ہے جس کا مصنف ”چاندکوی“ تھا۔

۱۔ باب الالباب - ج ۲ - باب ۱۰۔

۲۔ باب الالباب ص ۲۴۷۔ خزائنہ عامرہ ص ۱۱۴، ۱۵۔ پنجاب میں اردو ص ۳۷۔

۳۔ گریرین ”لٹریچر آف ہندستان“ پروفیسر شیرانی اس کتاب کے اصلی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ دیکھو پنجاب میں اردو ص ۱۲۔ نیز پروفیسر صاحب کے مضامین اور ٹیل کالج میگزین میں۔

محققین کے درمیان اس کتاب کی صحت کے متعلق زبردست اختلاف موجود ہے۔ فاضل اجل پروفیسر شیرآنی صاحب نے اس کے جعلی ہونے کے بارے میں زبردست دلائل پیش کیے ہیں جو کتاب ہمارے پاس موجود ہے اس کی زبان بیچر شکل اور ناقابل فہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کا کوئی صحیح اور مکمل ترجمہ نہیں ہو سکا۔ سر چارلس لائل کے نزدیک (جو اس کو جعلی نہیں مانتے) اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند کے آبا و اجداد لاہور کے رہنے والے تھے جو ایک سو ستر سال سے اسلامی حکومت کا مرکز چلا آتا تھا۔ چونکہ یہاں فارسی زبان کا عام رواج تھا۔ بنا بریں چاند کی ہندی میں فارسی کی اچھی خاصی آمیزش ہے چنانچہ فارسی سے ناواقف مشرین کو اس کے سمجھنے میں دقتیں پیش آتی ہیں۔

**سکندر لودھی کی کوششیں** | غزنوی عہد کے بعد ہم براہ راست سکندر لودھی کے زمانے میں آ جاتے ہیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں ہندوؤں میں فارسی تعلیم کے پھیلانے کی پہلی موثر کوشش ہوئی۔ افسوس ہے کہ ہمیں اس اہم اور نتیجہ خیز واقعے کے مفصل حالات معلوم نہیں جو ہمارے موجودہ نقطہ نگاہ سے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مؤرخ فرشتہ کا بیان ہے کہ ہندوؤں نے اس عہد میں فارسی کی جانب توجہ منعطف کی۔ اس سے قبل انھوں نے اس کی طرف اقدام نہیں کیا تھا۔  
کاش فرشتہ یا کوئی اور مؤرخ اس انقلاب انگیز سانحے یا واقعے کے اسباب و اثرات پر کچھ بحث کرتا ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہندوؤں میں ایک فارسی داں طبقہ پیدا ہو گیا تھا جن میں سے بعض صحیح معنوں میں علم و فضل کے

مالک تھے۔ مثلاً بایوٹی نے برہمن نام ایک ہندو شاعر کا ذکر کیا ہے جو اس عہد میں فارسی، عربی کتابوں کا درس دیا کرتا تھا اور فارسی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ اس کا ذیل کا شعر اس کی سخنوری کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:-

دلِ خویش نہ چمے چشم تو بخیر نشدے گر رہ گم نشدے زلف تو ابر نشدے گر

بعض اُردو گوشتابوں میں سکندر لودھی کی اس سکیم کے متعلق ایک کہانی بھی درج ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سکندر لودھی کو کچھ ہندو ملازمین کے تقرر کا خیال

پیدا ہوا۔ اُس نے ہندوؤں کو اپنے حضور میں بلایا اور پوچھا تم میں سے کوئی فارسی جانتا ہے؟ سب نے نفی میں جواب دیا اُس نے برہمنوں کو حکم دیا کہ

وہ فارسی زبان سیکھیں لیکن اُنھوں نے انکار کیا۔ پھر اُس نے راجپوتوں کو یہی حکم دیا۔ اُنھوں نے بھی اس سے پہلو تہی کی۔ علیٰ ہذا القیاس ویش بھی آمادہ نہ

ہوئے۔ ہندوؤں میں صرف کالیستھ نکلے جنھوں نے سلطان کے ارشاد کی تعمیل کی اور فارسی میں مہارت حاصل کرتے ہوئے سرکاری مناصب پر فائز ہو گئے۔

معلوم نہیں یہ قصہ کس حد تک درست ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ مغلوں کے زمانے میں شاہی ملازمتوں میں کالیستھوں کا غلبہ تھا اور ہندو مصنفین میں بھی اس

قوم کے لوگوں کی اکثریت تھی مگر یہ بات صحیح نہیں کہ سکندر لودھی سے پہلے ہندو سرکاری ملازمتوں میں موجود نہ تھے۔

سُلطان زین العابدین اور برہمنان کشمیر | کشمیر کی ہندو سلطنت رنجو شاہ کے عہد میں اختتام پزیر ہو گئی۔

جس نے ببل شاہ کی تلقین سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سلطان سکندر کے زمانے

۱۵ ج ۲- ص ۳۲۳- کہتے ہیں کہ اس ہندو شاعر کا نام پارت ڈوونگول تھا۔

۱۵ امرائے ہند- ص ۱۳۵- تاریخ ذکار اللہ- ج ۲- ص ۳۷۸- معارف ۱۹۱۸

میں ہندوؤں کو کچھ مصائب کا سامنا کرنا پڑا "سیاہ بٹ" نامی ایک ہندو وزیر کے ایسا پر سکندر نے برہمنوں کو بہت ایذا میں دیں جس کی وجہ سے اس کا نام ہی "بُت شکن" پڑ گیا جب سکندر کے بجائے شاہی خان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی (تو ہندوؤں کے حق میں ایک خوشگوار تبدیلی واقع ہوئی) یہی وہ عظیم الشان اور نامور بادشاہ تھا جو تاریخ میں سلطان زین العابدین کے نام سے مشہور ہے (تحت نشینی ۸۲۴ھ - ۸۲۶ھ) وہ نیک دل، فیاض، صاحب علم اور اہل کمال کا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں ہندو اور مسلمان علما کا ہجوم رہتا تھا جن سے اکثر علمی مضامین پر مبادلہٴ خیال کیا کرتا تھا۔ اسے موسیقی کے ساتھ خاص دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دربار میں ہندستان کے اطراف و اکناف سے اچھے اچھے موسیقی داں جمع ہو گئے تھے۔ اس نے بہت سے تعمیری کام کیے اور علم و ادب کی بہت سی خدمات انجام دیں۔ اس کے حکم سے بہت سی سنسکرت کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔ اس کی رواداری اور بے تعصبی کا یہ عالم تھا کہ اس نے "سیاہ بٹ" کے ظلم و ستم سے تکلیف اٹھائے ہوئے تمام ہندوؤں کی استمانت اور دل جوئی کی اور خارج از وطن ہندوؤں کو واپس بلایا۔ اُس نے حکم دیا کہ کسی شخص کو بر بنائے مذہب تکلیف نہ دی جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

**کشمیری برہمن اور فارسی** | سلطان زین العابدین کے احکام اور واقعات سلطنت میں یہ امر خاص اہمیت رکھتا ہے کہ

اس نے کشمیر کے ہندوؤں میں فارسی زبان کو رائج کیا۔ پنڈت کاچر کی کتاب مجمع التواریخ میں ایک عجیب قصہ درج ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان

لے طبقات اکبری - ص ۶۰۳ - فرشتہ - ج ۲ - ص ۲۴۲ تا ۲۴۴ - آئین اکبری - ص ۵۸۲

لے مجمع التواریخ (قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری) ق ۸۱

زین العابدین نے ایک ہندو فقیر کی کرامت سے متاثر ہو کر ہندوؤں کے ساتھ  
 تمدنی رشتہ مضبوط کرنا چاہا۔ جس کے لیے سلطان نے یہ تدبیر نکالی کہ ہندوؤں  
 کو فارسی زبان سے روشناس کیا جائے تاکہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک  
 مضبوط تعلق قائم ہو جائے۔ یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوئی اور غلطی سے ہی دونوں  
 میں ہندو فارسی زبان سے واقف ہو گئے یہی مصنف لکھتا ہے کہ اس عہد سے  
 وہ ہندو جو اپنی درویشی اور مذہبی دیانت کے لیے مشہور تھے علوم فارسی میں طاق  
 ہونے لگے۔ اس کے علاوہ فارسی کی ایک اور کتاب جہانمنی کشمیرہ منڈل میں بھی  
 اس قسم کا واقعہ درج ہے لیکن یہ سب قصے تاریخ کے نقطہ نگاہ سے لائق استناد نہیں۔  
 یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ سب سے پہلے کشمیری ہندوؤں کی کس  
 جماعت نے فارسی کی جانب توجہ کی۔ جہانمنی کشمیرہ منڈل کے بیان  
 کے بموجب ”سپرؤ“ پنڈتوں نے پہلے پہل اس میدان میں قدم رکھا۔ سپرؤ و الفلا  
 سے مرکب ہے ”سپ پرؤ“ جس کے معنی ہیں ”سبق پڑھا“۔ یعنی ”فارسی کا سبق پڑھا“۔  
 لائسنس (مصنف اقوام کشمیر) کے بیان کے مطابق سلطان پنڈتوں نے پہلے پہل  
 ”سلاطین“ اسلام کے ساتھ تعلقات قائم کیے جس کی وجہ سے ان کا نام سلطان  
 پڑ گیا۔ یہ دلیل وزنی نہیں کیونکہ بعض اور ذاتیں بھی ایسی ہیں جن کے نام اسلامی  
 اثرات کے حامل ہیں۔ مثلاً کارگن، رازداں، منشی، فوط دار وغیرہ۔ بہر حال  
 یہ مسلم ہے کہ سلطان زین العابدین (بڈشاہ) کے زمانے میں کشمیر کے ہندوؤں  
 میں فارسی تعلیم کا آغاز ہوا۔

کشمیر کے بعض اہل علم | قرین قیاس ہے کہ کشمیری پنڈتوں نے سب سے  
 پہلے اقدام کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی

زمانے میں ان لوگوں میں کوئی قابل ذکر نامور مصنف نہیں پیدا ہوا۔ البتہ ”بٹ“ قوم میں ہمیں ایک شخص ملتا ہے جو صاحب تصنیف مانا جاتا ہے۔ یہ شخص ”بودی بٹ“ تھا جو فرشتہ کے بیان کے مطابق شاہنامہ کا حافظ تھا اور اسے نہایت خوش الحانی سے پڑھ سکتا تھا۔ ”بودی بٹ“ نے ”زین“ نام ایک کتاب علم موسیقی میں لکھی جو سلطان زین العابدین کی طرف منسوب ہے۔ یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ رسالہ فارسی میں تھا یا کسی اور زبان میں؟ لیکن لفظ زین سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید فارسی ہی میں ہوگا۔ کیونکہ بودی بٹ فارسی میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس نے شاہنامے کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ اگرچہ اس بیان کی تصدیق کسی مستند تاریخ سے نہیں ہوتی۔

اسی زمانے میں ”سوم“ نامی ایک اور مصنف تھا جو ”ہندوی“ اور کشمیری میں اشعار کہتا تھا۔ اس نے سلطان کے زمانے کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام ”زین چتر“ تھا۔ غالباً اس کتاب کی زبان فارسی نہ تھی۔

بہر حال کشمیری ہندووں نے سلطان زین العابدین کے زمانے سے فارسی کی طرف توجہ کی اور رفتہ رفتہ ان کا درجہ کالیستھوں کے مساوی ہو گیا۔ چنانچہ مغلوں کے زمانے میں یہ قوم بھی اپنے اعلیٰ کلچر، فارسی دانی اور تہذیب کے لیے بہت مشہور ہوئی۔

اب ہم پھر کشمیر سے ہندستان کی طرف لوٹتے ہیں۔ سکندر لودھی کے بعد سلطان سکندر نے اپنے عہد سلطنت میں جس ذہنی انقلاب کی داغ بیل ڈالی اس کا نقش ہندووں کے ذہن و فکر پر بہت گہرا

۱۔ مولانا محمد رفیع کشمیری مفصل تاریخ لکھ رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ ”زین چتر“



پڑا۔ بلوچمنؑ اس واقعہ پر زائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ فارسی زبان ۱۶ صدی عیسوی تک ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات میں بھی پھیل گئی تھی۔ لیکن فارسی میں دست رس شاید بول چال اور معمولی تحریر و تقریر تک ہی محدود معلوم ہوتی ہو، کیونکہ اکبر کے زمانے سے پہلے ہمیں ہندوؤں کی کوئی فارسی تصنیف نہیں ملتی۔

**گورونانک** | گورونانکؑ لودھیوں کے آخری زمانے کے بزرگ ہیں آدی گرنہ (محلہ اول) ہیں جو گورونانک کی تصنیف ہے، فارسی کی آمیزش ہے، یہ مسئلہ کہ گورونانک فارسی میں نہیں مٹتا، غیبی، لیکن آدی گرنہ کی فارسی سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ آپ فارسی کے عالم تھے لیکن مسلمان علماء و فضلا کے ساتھ عام میل جول کی وجہ سے اور اس عہد میں عوام کی بولی میں فارسی کی بکثرت آمیزش کی بنا پر آپ کی ہندی (یا پنجابی میں) فارسی الفاظ باقراط موجود ہیں۔ گرنہ صاحب میں ہمیں کچھ اشعار بھی ملتے ہیں جو خالص فارسی میں ہیں، اُن سے بھی اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ گورونانک فارسی سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رکھتے تھے، لیکن عالمانہ واقفیت کا ان اشعار سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایک دو اشعار یہاں اس غرض کے ساتھ لکھے جاتے ہیں کہ گرنہ صاحب کے اس قدیم حصے کی زبان کی نوعیت پر کچھ روشنی پڑ سکے۔

صدق کر سجدہ من کر مقصود      جیدھر دیکھا تیدھر موجود

قدرت ہو قیمت نہ پائے      جا قیمت پائے کہی نہ جائے  
پیر پیکامبر سالک صادق شہدے اور شہید      شیخ مشائخ قاضی ملا اور درویش شہید

لے کلکتہ ریویو (۱۸۶۱) ص ۳۲۱

۱۵ اس مضمون پر ادوریل میگزین ۱۹۲۸ء میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، دیکھو اس کتاب کا ضمیمہ (ف)

گزشتہ صاحب (محلہ اول) کے یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ گرو نانک کے زمانے میں عوام کی زبان میں اسلامی الفاظ کی زبردست آمیزش ہو چکی تھی۔ کبیر اور دوسرے ہندی شعرا کا کلام بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر رودھی کے بعد ہندوؤں کے ایک گروہ میں فارسی زبان کی تعلیم کا سلسلہ اکبر کے زمانے تک مسلسل جاری رہا۔ پنا نچہ جب اکبر کے عہد میں راجہ ٹوڈرل نے ہندی کی بجائے فارسی کو دفتری زبان قرار دیا تو اس تبدیلی پر ہندوؤں میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ اس اقدام عمل سے ہندوؤں کے مفاد کو نقصان پہنچا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تعلیم یافتہ ہندوؤں کی ایک جماعت ضرور موجود ہوگی جس نے فی الفور اس تبدیلی سے فائدہ اٹھایا اور ہندی کی بجائے فارسی میں کام کرنا شروع کر دیا۔ ٹوڈرل خود بھی فارسی میں مناسب استعداد رکھتا تھا۔ وہ اکبر کا درباری بننے سے پہلے شیر شاہ کا ملازم تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سوریوں کے زمانے میں بھی ہندوؤں کے ایک طبقے میں فارسی کی تعلیم موجود تھی۔

اسلامی معاشرت کا اثر ہندوؤں کی زبان اور لکچر پر | شمالی ہندستان میں مغلوں سے پہلے

کی تاریخ میں ہمیں صرف اتنی ہی شہادتیں دستیاب ہو سکی ہیں جن سے ہم ہندوؤں میں فارسی تعلیم کی حالت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن یہ متشکیات ہیں اور یہ کہنا غلط نہیں کہ ہندوؤں نے بحیثیت مجموعی مغلوں سے پہلے فارسی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندو مسلمانوں

۱۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر تارا چند کی انگریزی کتاب INFLUENCE OF ISLAM ON INDIA CULTURE

میں معاشرتی اور مذہبی میدانوں میں بہت بڑی حد تک اختلاط پیدا ہو گیا تھا۔ ہندو مسلمان مذہبی رنگ میں مذہبی پیشواؤں کا باہمی اثر قبول کر رہے تھے اور ہندو باقاعدہ مسلمان بادشاہوں کی فوجوں اور درباروں میں ملازم ہوتے تھے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ خمدخلق کے زمانے سے پہلے ہندو مسلمانوں کی ملازمت قبول نہ کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ قول صرف برہمنوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر صادق آتا ہے۔ باقی ہندوؤں کو اس سے مستثنیٰ سمجھنا چاہیے کیونکہ اوائل عہد اسلام سے مالگزاری کا محکمہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ چونکہ اس معاملہ خاص میں مسلمانوں نے ہندو طرز انتظام کی پیروی کی تھی اس لیے تمام مالیاتی کام ہندی میں انجام پاتا تھا اور اس محکمے کے بعض عہدہ داروں کے مرنے نام اب تک قائم ہیں مثلاً پٹواری وغیرہ۔ (مورلیئر۔ اگریرین سسٹم آف دی مغلز، بحوالہ انڈکس) عہد غزنویہ کے ہندو سپہ سالاروں اور جرنیلوں کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ امیر خسرو نے قرآن السعدین میں راوت، پایک اور دہانک کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے جو ہندو ملازموں کے ہندوانہ القاب ہیں۔ جنگ رنتھنبور میں سلطان علاؤ الدین خلجی کی جان ایک جاں نثار ہندوہی نے بچائی تھی۔ ابن بطوطہ نے رتن نامی ایک حساب داں ہندو کا ذکر کیا ہے جس کی فہم و فراست کی وہ بہت تعریف کرتا ہے۔ خان بہان رباپ اور بیٹا دونوں اس لقب سے ملقب تھے۔ فیروز تغلق کے معتمدین خاص میں سے تھے۔ بابر جب ہندستان میں وارد ہوتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ ہندستان میں تمام عامل، متاجر تاجر اور کارگزار ہندو ہیں۔

لے ج ۱ ص ۲۸۷

لے برنی ص ۲۸۲ (۲۸۳)

لے بابرنامہ ص ۲۰۴ (ارکن ص ۲۳۲)

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنے ایک خط میں بابر سے درخواست کرتے ہیں کہ اس صورتِ حالات کا خاتمہ کیا جائے یعنی ان ملازمتوں میں کچھ حصہ مسلمانوں کو بھی دیا جائے سلطان اسلام شاہ سور کے زمانے میں گنگھڑوں نے فوج کو بہت تکلیفیں دیں سپاہی ان مصائب کو برداشت کرتے جاتے تھے اور ازراہ خوف اسلام شاہ کے سامنے اپنا حال نہ بیان کرتے تھے شاہ محمد فرطی جو اپنے زمانے کے زبردست ظریف تھے بادشاہ کے پاس گئے اور سارا قصہ ان الفاظ میں کہنٹیا۔ اے بادشاہ! میں نے تین کیسے ہائے زر کو آسمان سے اترنے دیکھا۔ ایک میں سونا، دوسرے میں کاغذ اور تیسرے میں خاک تھی۔ سونا ہندو دفترہوں کے قبضے میں چلا گیا۔ خاک سپاہ کے حصے میں آئی اور کاغذ حکومت کے خزانے میں محفوظ ہو گئے۔ اس گنگوہی سے بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اس نے صورتِ حالات کو بہتر بنانے کا وعدہ کیا۔ اس حکایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد میں دفاتر میں ہندو بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ لہذا مسلمانوں کی ملازمتوں میں ان کی موجودگی سے انکار کرنا تاریخی حقائق سے چشم پوشی کے مرادف ہے۔

سلاطین دکن اور ہندو | اب دکن کی طرف آئیے۔ وہاں بھی شاہی ملازمتوں میں ہندو بکثرت موجود تھے۔ گبریل، تاریخ دکن (ج ۱ ص ۲۲) میں لکھتا ہے:-

”کہتے ہیں کہ گانگو پہلا برہمن تھا جو مسلمانوں کے علقہ خدمت میں شامل ہوا۔ یہ بیان صحیح ہو یا غلط، یہ یقینی بات ہے کہ یہ آخری ہندو تھا جو مسلمان درباروں میں شامل ہوا کیونکہ آنے والی دو صدیوں کے اندر دکن میں یہ ایک دستور بن گیا تھا کہ بادشاہ اور اُمرا برہمنوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا کرتے تھے۔

یہ بحیثیت حکمت عملی بہت دانشمندانہ تجویز تھی۔ کیونکہ اس کے ذریعے حکومت اور رعایا کے باہمی روابط زیادہ مستحکم ہو جاتے تھے اور راعی اور رعیت ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے جاتے تھے۔ "عادل شاہیوں کے زمانے میں ہندی اور ہندوستانی کی طرف میلان اسی قسم کے روابط کا پتا دیتا ہے اور دکن ہی وہ ملک ہے جہاں اردو ریختہ یا دکنی کی شاعری سب سے پہلے قبول عام پاتی ہے۔ معاشرتی تعلقات کی اس طویل داستان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا یہ اعتدال اتنا عام اور گہرا تھا کہ اس کا اثر زبان اور عادات پر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ فارسی اگرچہ کاروباری زبان نہ تھی تاہم مسلمانوں کی زبان تھی پس ضرور ہے کہ ہندوؤں نے اسے نہایت توجہ کے ساتھ بولنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہوگی۔

**ابن بطوطہ کی ایک روایت** | ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں ایک عجیب و غریب حکایت نقل کی ہے جسے اگر صرفاً و لفظاً صحیح سمجھا جائے تو اس زمانے کے متعلق ہمارے خیالات میں ایک زبردست انقلاب کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ "ایک ہندو بیوہ سنی ہونے کے لیے آگ کے شعلوں کے پاس کھڑی ہے وہ ان سے بڑھ کر کہتی ہے "مارا می ترسانی از آتش۔ مارا می دانیم او آتش است۔ رہا کنی مارا۔" یہ فارسی جملے کچھ اس طریق سے عربی عبارت میں واقع ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس لڑکی کی زبان سے نکل گئے ہیں۔ اگر اس روایت کو بالکل درست سمجھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ فارسی زبان کو اس عہد میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی سمجھ اور بول سکتی تھیں۔

**خلاصہ مباحث** | گزشتہ سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں سے پہلے ہندوؤں میں فارسی تعلیم عام نہ تھی۔ یہ امر سخت موجب حیرت ہے کہ اتنے طویل عرصے کے لیے ہندوؤں نے کیوں اس زبان

کی طرف توجہ نہ کی گویا فارسی کی شیرینی اور اسلامی تمدن کی گہرائی ہندوؤں کے قلوب کو اپنی طرف مایل کرنے میں ناکام رہی۔ یہ معما اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرتی اتحاد اور میل جول کے وسائل بھی وسیع پیمانے پر موجود تھے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ قانونِ قدرت کے عمل اور ردِ عمل نے اس معاملے میں اپنا کام کیوں نہیں کیا۔ ذیل کی سطور میں ان اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے جو ان نتائج کے ذمہ دار ہیں۔

فارسی کا دنیاوی مفاد سے خالی ہونا | ایک زبردست اور مؤثر سبب یہ تھا کہ اسلامی حکومت کی ابتدا

سے مالگزاری کا محکمہ ہندوؤں کے قبضے میں تھا جس کی زبان ہندی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ فارسی تعلیم حاصل کیے بغیر ہندوؤں کو ملازمتیں مل سکتی تھیں۔ بلوچمن نے لکھا ہے کہ "ریونیو کے محکمے میں ملازمت مل جانے کی آسانی نے ہندوؤں کو فارسی تعلیم سے روک رکھا"۔ سچ یہ ہے کہ بلوچمن کے اس خیال کی صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب راجہ ٹوڈرل نے ہندی کی جگہ فارسی کو دفتری زبان بنا کر اس کو حصولِ ملازمت کے لیے ضروری ذریعہ قرار دیا تو ہندوؤں نے فی الفور فارسی پڑھنی شروع کر دی اور تھوڑی ہی مدت میں وہ اس زبان کے اچھے خاصے ماہر ہو گئے۔

تعلیم کا نہ ہونا | اس سلسلے میں اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ ہندستان جبری تعلیم کا نہ ہونا کی بیشتر آبادی شہروں کی بجائے دیہات میں بستی ہے اور بستی تھی۔ دیہاتی پنچائتیں ہندستانِ قدیم سے چلی آتی ہیں۔ یہ پنچائتیں

"دہلی حکومت" (لوکل سلف گورنمنٹ) کا درجہ رکھتی تھیں۔ اس دہلی نظام میں معلم یا استاد کو معزز حیثیت حاصل تھی۔ مرکزی حکومت بجز اطاعت و وفاداری یا بغاوت یا سرکشی کے اس نظام کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیتی تھیں۔ جب مسلمانوں کی حکومت ہوئی تو انھوں نے بھی اس پیرائے نظام کو برقرار رکھا۔ دہلی کی مرکزی حکومت سوائے مالیہ وغیرہ کے ان لوگوں کے اندرونی معاملات میں بہت کم مداخلت کرتی تھی۔ جب تک سکس باقاعدہ ادا ہوتے رہتے تھے اس وقت تک ان لوگوں کی داخلی آزادی اور خود مختاری قائم رہتی تھی۔ تعلیمی معاملات میں بھی ان کی حکمت عملی یہی تھی۔ جبری تعلیم کا مسئلہ مذہبی آزادی کے مسلک کے منافی تھا۔ مسلمانوں نے ان لوگوں پر اپنے علوم کو بہ بھرپور ہونے کی کوشش نہیں کی۔ سیاسی نقطہ نظر سے یہ پالیسی صحیح ہو یا غلط اس کا اثر یہ ہوا کہ حکومت کی جانب سے بھی ہندوؤں میں تعلیم عام کرنے کی کوئی جدوجہد عمل میں نہیں آئی۔

**ہندوؤں کی تفرد پسندی** | ان اسباب کے علاوہ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خود ہندوؤں کے اعلیٰ طبقات بھی علیحدگی پسند اور قدامت پرست تھے۔ علامہ البیرونی نے جنھوں نے ہندوستان میں رہ کر ہندوؤں کی عادات و طبیعت سے پوری واقفیت حاصل کی تھی یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ ہندو بیرونی دنیا سے اس لیے میل ملاپ نہیں رکھتے کہ ان کے دلوں میں تمام اجنبیوں کے خلاف نفرت ہو وہ انھیں ملیجھ (ناپاک) کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کے ساتھ روابط و تعلقات قائم کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ جب مسلمان اس ملک میں آئے تو وہ اجنبی ہونے کے علاوہ حکمران بھی تھے۔ اس لیے ہندوؤں کے دل میں ان کے متعلق بہت بیگانگی تھی۔ اس کے علاوہ البیرونی نے

یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوؤں کو اپنے علوم اور اپنی گزشتہ شان و شوکت کے متعلق بھی مبالغہ آمیز ”حُسنِ ظن“ ہے۔ وہ اپنے ملک کو بہترین ملک، اپنی قوم کو بلند ترین قوم اور اپنی شائستگی کو بہترین شائستگی سمجھتے ہیں۔

**ہندی کا رواج عام** | بارہویں صدی عیسوی تک کا زمانہ مذہبی دعوت و اصلاح اور تصوف کی تحریکوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں نئے نئے فرقے اور نئی نئی جماعتیں ظہور میں آئیں۔ ان سب مصلحین کا روئے سخن عموماً عوام کی جانب تھا انھوں نے اس غرض کے لیے عوام کی بولیوں کو اختیار کیا۔ کیونکہ انہی میں آسانی کے ساتھ تبلیغ کی جاسکتی تھی۔ مسلمان صوفیوں نے بھی فارسی کی بجائے ہندی کو زیادہ موثر ذریعہ تبلیغ خیال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں ہندی کے بڑے بڑے مصنف مسلمان ہی تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی جیسے بزرگ ہندی میں شعر کہا کرتے تھے۔ ان کا تخلص ”اک داس“ تھا۔ اسی طرح محمد جائسی قطبن، کبیر اور دوسرے متصوفین و مصلحین نے ہندی ہی کو ذریعہ اظہارِ خیالات قرار دیا۔ قدرتی طور پر ہندی کے اس رواج عام نے اس عہد میں فارسی کے قبول عام کو نقصان پہنچایا۔

**پٹھانوں کی فارسی سے نفرت** | افغانوں اور بیجاپور کے سُنی حکمرانوں کے عہد میں فارسی زبان کو اور بھی نقصان پہنچا۔ بیجاپور کے عادل شاہیوں میں سُنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے حکمران ہو گزرے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان میں سے بعض حکمران ہندی کی سرپرستی کرتے رہے اور بعض فارسی کے حامی تھے۔ یوسف عادل شاہ (۸۹۵-۹۱۰ھ) فارسی کا بڑا حامی تھا لیکن اس کے پوتے ابراہیم عادل (۹۴۱-۹۶۵ھ)

نے ڈاکٹر تارا چند کی انگریزی کتاب ”اسلام کا اثر ہندوستانی تمدن پر“ نیز ملاحظہ ہمارے دو کی تعمیر میں حوفائے کرم کا حصہ“ از مولانا عبدالحق



نے فلمی کو ہٹا کر ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا۔ چنانچہ خانی خاں لکھتا ہے:-  
 ”ابراہیم عادل شاہ نے اپنے باپ اور دادا کے طریقے کے خلاف فارسی کی جگہ  
 ہندی کو جاری کیا اور بڑے ذمہ داری کے عہدے اور انتظامی اسامیوں پر برہمنوں کو  
 فائز کیا“ (رج ۳ - ص ۳۰۷)

اس کے بعد عادل شاہ (۹۶۵ھ - ۹۸۸ھ) نے سریر آلے سلطنت ہو کر پھر ہندی  
 کو فروغ کر دیا۔ لیکن جب علی عادل کا زمانہ آیا تو ہندی کو پھر اقبال نصیب ہوا  
 بسا تین السلاطین کا مصنف ابراہیم زہیری لکھتا ہے:-  
 ”علی عادل شاہ کے عہد مبارک میں فارسی کے بعض اچھے شاعر پیدا ہوئے۔  
 لیکن خود بادشاہ ہندی کو پسند کرتا ہوا اس لیے اس کے دربار میں ہندی شعر کی  
 کثرت ہو۔ (ص ۳۰۷)

خانی خاں منتخب اللباب میں اس بیان کی تائید کرتا ہے۔  
 فاضل اجل پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی شمالی ہندستان میں پچھانو  
 کے عہد میں فارسی کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے تقریباً اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔  
 میں نے ہندوؤں میں فارسی تعلیم کے نہ پھیل سکنے کے جو اسباب پیش کیے ہیں  
 وہ اگرچہ یقینی اور قطعی نہیں لیکن ان بواعث و عوامل کا اثر فارسی کی رفتار ترقی  
 بد ضرور پڑا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں سے پہلے ہمیں ہندوؤں میں تو درکنار  
 خود مسلمانوں میں فارسی کے متعلق وہ ادبی کارنامے نہیں ملتے جو دورِ مغلیہ کا  
 طرہ امتیاز ہیں۔

# دوسرا باب

---

عہد اکبری



# دوسرا باب

## عہد اکبری

### ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا آغاز

نئے دور کا آغاز | جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی تخت نشینی کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اکبر نے اپنی حکومت کے آغاز کاری سے اس سیاسی ضرورت کو بھانپ لیا تھا کہ بادشاہ کو ہندوؤں کی تالیف قلوب کرنی چاہیے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہندستان کے ایک بادشاہ کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ حکمران اقلیت کے علاوہ ملک کی ایک بہت بڑی اکثریت کے معاملات میں بیش از بیش دلچسپی لے۔ اس کے خیال میں تخت و تاج کا استحکام ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ وفاداری پر منحصر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مغلوں کے لیے اپنے موطن اصلی یعنی آباد اجداد کے ملک کی طرف جانا کسی حد تک ناممکن ہے، بہایوں کے ساتھ افغان رعایا نے جو بدسلوکی کی تھی اس سے وہ ناواقف نہ تھا۔ اس نے اپنے دل میں اپنی حکومت کو نہایت زبردست بنیادوں پر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ماثر الامراء کے مصنف کا بیان ہے کہ صفوی بادشاہ ایران نے بہایوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہندستان کی حکومت تب ٹھہر سکتی ہے کہ وہاں کا حاکم افغانوں کو تجارت اور دوسرے پُر امن مشاغل میں لگا دے اور راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ بہایوں کو اتنی عمر نصیب نہ ہوئی کہ وہ اس اصول کو جامہ عمل

پہناسکتا اور نہ کوئی تاریخی شہادت ایسی موجود ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ نصیحت اکبر کے کانوں تک پہنچی۔ غالباً یہ لطیفہ غیبی اور فیض ربانی ہی تھا۔ یا اکبر کی فرست اور دانشمندی کہ اس نے بعینہ یہ حکمت عملی اختیار کی اور اس اصول کو آزمایا جس کو آزمانے کا موقع اس کے جوانا مرگ باپ کو نہ حاصل ہو سکا تھا۔ یہاں یہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ اکبر کی حکمت عملی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا اگرچہ ہمارے بحث سے بالکل خارج ہے تاہم یہاں ان جزئیات کا ذکر کیا جائے گا جن کا تعلق خاص طور پر ہندوؤں کی تعلیم سے ہے۔ ان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہی امور مجموعی حیثیت سے ہندوؤں میں فارسی کی ترویج و ترقی میں مدد و معاون ہوئے۔

**اکبر کی حکمت عملی کے اصولِ شلشہ** | اکبر کے اصولِ سلطنت نے علم کو عموماً اور فارسی تعلیم کو خصوصاً زیادہ وسعت دی۔ اس کی یہ حکمت عملی تین موٹے موٹے اصولوں پر مبنی تھی یعنی عام رواداری، تعلیم عوام، علوم و فنون خصوصاً ہندو علوم و فنون کی قدر افزائی۔

**ہندوؤں کی طرف میلان** | جہاں تک عام رواداری کا سوال ہے اکبر کے متعلق یہ مسلم ہے کہ وہ حکومت کے حاصل کرنے سے پہلے اتنا زیادہ متعسف نہ تھا۔ تصوف کی طرف وہ طبعی میلان رکھتا تھا۔ مسلمان صوفیوں سے اُسے خاص عقیدت تھی۔ ان لوگوں کے طفیل اس کو ہندو جوگیوں سے بھی اُنس اور نیاز مندی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی حکومت کے پہلے ہی دور میں جزیے کو منسوخ کر دیا تھا اور ہندو مزارات پر سے محصول اٹھا دیا تھا اسی زمانے میں اس نے ہندوؤں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر لیے اور اس طریق سے راجپوت ہندوؤں کو سلطنت کے زیادہ قریب کر دیا۔ ابتداءً حکومت ہی

سے ہندوؤں کو بعض اعلیٰ مناصب عطا کیے اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی سلطنت میں دخیل بنایا۔

مذہبی معاملات میں وہ بہت زیادہ آزاد تھا۔ اس نے پادری کو داد کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں نے اپنے لڑکوں کو حسب مرضی مذہب قبول کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس نے عبادت خانے میں مختلف مذاہب کے علما کے درمیان ایک مباحثے کی مجلس قائم کی جس میں ہندو علما بھی برابر شریک ہوتے تھے۔ ایک برہمن اکبر سے اس کے حرم میں ملاقات کرتا اور اس کے سامنے وید منتر پڑھا کرتا تھا۔ آخری زمانے میں ہندوؤں کی رسوم و عبادات کی طرف اتنا میلان پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ بے انصافیاں بھی کر بیٹھتا تھا۔ وہ مسلمان علما کی طرح بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ ہندو علما کی خاطر داری کیا کرتا تھا۔ علما اور ہرین فن کو میاں، مرزا یا خان کا لقب دیتا تھا۔

ہندو علما و فضلا انعام و اکرام سے کبھی محروم نہیں کیے  
ہندو علوم کی قدر افزائی گئے۔ اُمرائے دربار بھی اکبر کی دیکھا دیکھی ہندو ارباب فن پر نوازشیں کیا کرتے تھے۔ خان خانان نے ایک موقع پر رام داس کلاونت کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔ اس قسم کی فیاضیوں کا حال اگرچہ فیروز تغلق کے زمانے میں بھی ملتا ہے لیکن مسٹر نرنڈر انا تھ نے درست لکھا ہے کہ اکبر کا زمانہ اس لحاظ سے بہترین زمانہ تھا۔  
 ایسی فیاض اور قدر دان حکومت کے ماتحت علوم و فنون بید ترقی پاتے ہیں۔ چنانچہ اکبر کے زمانے میں ہر قسم کے علم و فن نے ترقی پائی۔ فارسی جو گزشتہ زمانے میں زوال پذیر ہو رہی تھی۔ اب پھر بڑھنے لگی۔ اکبر کا عہد فارسی ادب

کے لیے نشو و ترقی کا زمانہ تھا۔ اس لیے کہ اسی زمانے میں فارسی میں بہترین تارخیں مرتب ہوئیں اور اور زبانوں کی کتابوں کا بھی فارسی میں ترجمہ ہوا۔ غرض ہر طرح کی تصنیفات کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ہندی نے بھی اکبری دور میں وسعت حاصل کی۔ اکبر خود بھی ہندی میں شعر کہا کرتا تھا اور "اکبر رائے" تخلص کیا کرتا تھا۔ خان خاناں کی زبان دانی کی قابلیت سب کے نزدیک مسلم ہو۔ "رحیم ست سئی" نام ایک کتاب اس کی طرف منسوب کی جاتی ہو۔ ہندی کا مشہور شاعر تلمسی داس اسی زمانے میں تھا۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ اس نے کبھی اکبر سے ملاقات بھی کی یا نہیں۔ اس کی تصنیف "رام چتر ماس" یا راماں نہایت مقبول ہو۔ حقیقت میں وہ "ہندی کے باغ کا بہترین نوہال" ہے۔

ہندی کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اکبر ہندوؤں کے قدیم لٹریچر کا بھی نہایت مداح تھا۔ اس کا خیال تھا کہ قدیم سنسکرت کی کتابوں میں آج کل کی نسبت تصنیف، تکلف اور آردم کم تھی۔

اس نے ہندو علوم کے ہر شعبے میں دلچسپی لی۔ چنانچہ مختلف علوم مثلاً شاعری، فلسفہ، ریاضی، الجبرا وغیرہ کی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ پہلی اسلامی حکمتوں میں بھی اگرچہ فارسی کتابوں کے تراجم کا حال ملتا ہو مگر اکبر نے اس کی طرف حد سے زیادہ توجہ کی۔

ملا عبد القادر بدایونی نے ۹۸۲ھ میں "سنگھاسن بتیسی" کا ترجمہ کیا۔ اس کا

۱۷۱۱ء اس کے لیے پروفیسر عبدالغنی کی انگریزی کتاب "فارسی ادب مغلوں کے زمانے میں" ملاحظہ ہو۔

۱۷۱۱ء گریسن (دیباچہ) ونٹ ہمتھ اکبر ص ۲۲۱

۱۷۱۱ء ونٹ ہمتھ اکبر ص ۴۱۷ و ما بعد

۱۷۱۱ء بدایونی - ج ۲ - ص ۳۲۰

نام "خردافرا" رکھا۔ ۹۸۳ء میں بہاؤن نام ایک پنڈت دکن سے آکر مسلمان ہو گیا۔ ملا باؤنی نے اس کی معاونت سے "انقرودید" کا ترجمہ شروع کیا لیکن اس کو پورا نہ کر سکا۔ پھر شیخ فیضی اور حاجی ابراہیم تھانیسری نے یہ خدمت اپنے ذمے لی۔ لیکن یہ بھی اس کام کو ختم نہ کر سکے۔

ملا باؤنی نے ۹۹۴ء میں رامان کا اور ۹۹۹ء میں "تاریخ کشمیر" کا ترجمہ ختم کیا۔ ۱۰۰۰ء میں متعدد علما کی مشفقہ کوششوں سے "مہا بھارت" کا ترجمہ کیا گیا۔ اس پر فیضی نے دیا چہ لکھا۔ ان کے علاوہ لیداؤتی، نل دمن، تاجک اور ہرتی بنس کے تراجم ہوئے۔

**عام تعلیم کا اصول** | اکبر "عام تعلیم" کو رائج کرنے والوں کا امام تھا۔ اس کی سلطنت کا اس سلسلے میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں عام سکولوں کا رواج ہوا۔ اسی کے زمانے میں مشترکہ سکولوں کا افتتاح ہوا اور مختلف طلبہ کے لیے نصاب تعلیم مقرر ہوا۔ چنانچہ ہندوؤں کے لیے بھی خاص نصاب مقرر کیا گیا اس بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے:-

"اخلاق، حساب، سیاق، فلاحیت، مساحت، ہندسہ،

نجوم، رمل، اندیز منزل، سیاست مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی،

الہی، تاریخ، مرتبہ مرتبہ اندوزد و از ہندی علوم بایکرن، نیائے، نیت،

پانچل برخواند و ہر کس راز با لیت وقت درنگزارند"

۱۔ ہداؤتی - ج ۲ - ص ۱۸۳

۲۔ ہداؤتی - ج ۲ - ص ۲۱۲

۳۔ ہداؤتی - ج ۲ - ص ۳۶۶

۴۔ ہداؤتی - ج ۲ - ص ۱۴۴

۵۔ ہداؤتی - ج ۲ - ص ۳۱۹

۶۔ ہداؤتی - ج ۲ - ص ۱۴۴، وما بعد

۷۔ آئین اکبری - ج ۱ - ص ۲۰۲



ابوالفضل لکھتا ہے کہ اس قسم کے قوانین نے مکاتب اور مدارس کو ایک خاص رنگ دے دیا اور ان مدارس سے سلطنت کو بیدار و نفع حاصل ہوئی۔ ابوالفضل فخر کے لہجے میں لکھتا ہے:-

"ازیں طرز آگهی مکتبہار و نفع دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازه

یافت۔"

اس مقام پر ہم مسٹر نرنڈر ناتھ لال کی کتاب "مسلمانوں کے عہد میں علمی و تعلیمی ترقی" سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں:-

"غرض یہ اکبری دانشندانہ اور منظم حکمت عملی تھی کہ اس کے ذریعے ہندو علوم کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ اس نے ہندو نوجوانوں کی تعلیم کا ان کی اپنی تہذیب کے مطابق بندوبست کیا اور پھر مدرسوں میں ہندو اور مسلمان طالب علموں کی مشترکہ تعلیم کو رائج کیا۔ عبادت خانے میں ہندو علم کے ساتھ بحث و مناظرے کا سلسلہ جاری کیا۔ اُس نے ہندوؤں کی پُرانی کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا جس سے ہندو تہذیب کی قدر وانی، نیز اس کی اشاعت کے لیے جوش و خروش کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اس نے ممتاز علما و فضلا کی جو فنون لطیفہ مثلاً موسیقی اور مصوری میں خاص شہرت رکھتے تھے شاہانہ سرپرستی کی۔"

اس حکمت عملی کا اثر ہندو ذہنیت پر | اکبر نے ان طریقوں سے ہندوؤں کو یقین دلایا تھا کہ اُسے ان کے مذہب ان کی روایات، ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کے ساتھ خاص لگاؤ اور چسپی ہے۔

اپنی رعایا کے فوائد عامہ کے ساتھ اس گہری ہمدردی نے نہایت عمدہ نتائج پیدا کیے۔ اس طرز عمل نے پس ماندہ اقوام کی مدتوں کی خوابیدہ ذہنی قوتوں کو حرکت دی اور ہر شعبہ عمل میں ایک خاص بیداری، ایک خاص زندگی محسوس ہونے لگی۔ اس کے زمانے میں ہر جگہ امن و امان کا دور دورہ تھا اور جیسا کہ پراسن ایام میں ہوا کرتا ہے زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی تحریکیں پیدا ہو گئیں۔

راجہ ٹوڈرمل کا فرمان | ان حالات میں راجہ ٹوڈرمل نے اپنی شہرہ آفاق اصلاحات کو ۹۹۰ھ میں رائج کیا۔ ان اصلاحات میں سے ہیں

صرف ایک فرمان سے مطلب ہے اور وہ یہ کہ اس نے تمام مملکت کے طول و عرض میں یہ حکم دیا کہ تمام دفتری کام فارسی زبان میں انجام دیا جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس سے قبل دفاتر کا کام ہندی زبان میں انجام پاتا تھا ٹوڈرمل کی اصلاحات کے نفاذ پر ہندوؤں کی طرف سے ناراضگی کا اظہار موجب تعجب نہ ہوتا اس لیے کہ اس تجویز کے ذریعے ہندوؤں کے مفاد کو سخت نقصان پہنچا تھا لیکن تھوڑی بہت بے اطمینانی کے علاوہ کسی گوشے سے شدید ناراضگی کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اس تغیر حالات کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ ہم نے اکبر کی جس معتدلانہ حکمت علمی کا ذکر کیا ہے وہ ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لیے کافی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حکومت کی ہر تحریک کو رعایا لبیک کہنے کے لیے تیار رہتی تھی اور اس موقع پر بھی ہندوؤں نے بظاہر رضا و تسلیم کا شیوہ اختیار کیا۔ اس خاموشی اور رضامندی کی ایک اور وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں کے بعض خاندان سکندر لودھی کے زمانے سے فارسی زبان سے آشنا

۱۵ آئین (ترجمہ بلوچن۔ ص ۳۵۲)

۱۶ آئین (ترجمہ بلوچن۔ ص ۳۵۲) و جرنل سوسائٹی بنگال ۱۸۶۱ء ستمبر، ص ۱۷۸

چلے آتے تھے۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان فارسی دان طبقات نے ہندی کی بجائے فارسی کے رواج کو اپنے مفاد کے لیے چنداں نقصان دہ نہ سمجھا ہو گا۔ ان لوگوں کے علاوہ باقی ہندوؤں کے لیے یہ فرمان فارسی کی طرف ترغیب دینے والا ثابت ہوا اور فارسی تمام ہندوستان کی سیاسی اور لطیف زبان قرار پائی۔

**فرمان کی حیثیت اور اس کا اثر** | غالباً یہ اقتصادی مجبوری تھی جس نے ہندوؤں کو فارسی کی طرف زیادہ تر متوجہ کیا۔

اس فرمان کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ تا وقتیکہ وہ ملک کی شاہی زبان کو حاصل نہ کر لیں گے اس وقت تک انھیں ملازمت نہیں مل سکے گی۔ راجہ ٹوڈرل نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ فارسی سے نا آشنا ہو کر اس کے ہم مذہب ملک کے معاملات میں صحیح طور پر حصہ لینے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ اس فرمان کے رواج و نفاذ کے بعد ہندوؤں نے فارسی میں سہم تن مصروفیت کا اظہار کیا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے انجام پر ہندو فارسی میں مسلمان سہوٹوں کے برابر ہو گئے تھے۔ اگر یہ زبردست اختلاط کی صورتیں اور اسباب نہ پیدا ہوتے تو کسے معلوم ہو اردو زبان کا کیا حال ہوتا؟ جہاں راجہ ٹوڈرل ہندوؤں میں فارسی زبان کو رواج دینے والوں کا پیشوا ہو وہاں اُسے اردو زبان کے ترقی دینے والوں میں بھی شمار کرنا چاہیے۔

یہ اُن اسباب کا سرسری خاکہ ہے جس نے ہندوؤں کو ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھنے کے لیے مجبور کیا۔ یعنی اب فارسی — اجنبیوں کی زبان — عام ہندوؤں کے ہاں پڑھائی جانے لگی۔ اس امر کو یاد رکھنے کے لیے ہمارے

پاس وجوہ موجود ہیں کہ پہلے پہل کالیستھوں نے اس کا استقبال کیا اس لیے کہ ان لوگوں میں پہلے ہی سے فارسی پڑھنے کا دستور چلا آتا تھا۔ نیز اس لیے کہ ہندوؤں میں صرف یہی لوگ منشی گری کا کام کرتے تھے۔ لہذا جو یہی کہ دفاتر کی زبان تبدیل ہوئی انھوں نے معمولی کام کاج میں اپنے آپ کو طاق کر لیا ہوگا۔ فرمان کے نفاذ سے زیادہ بچپنی کے نہ پیدا ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی خواندہ اور انشا پیشہ جماعتوں میں فارسی کی معمولی نوشت و خواند ضرور موجود تھی۔

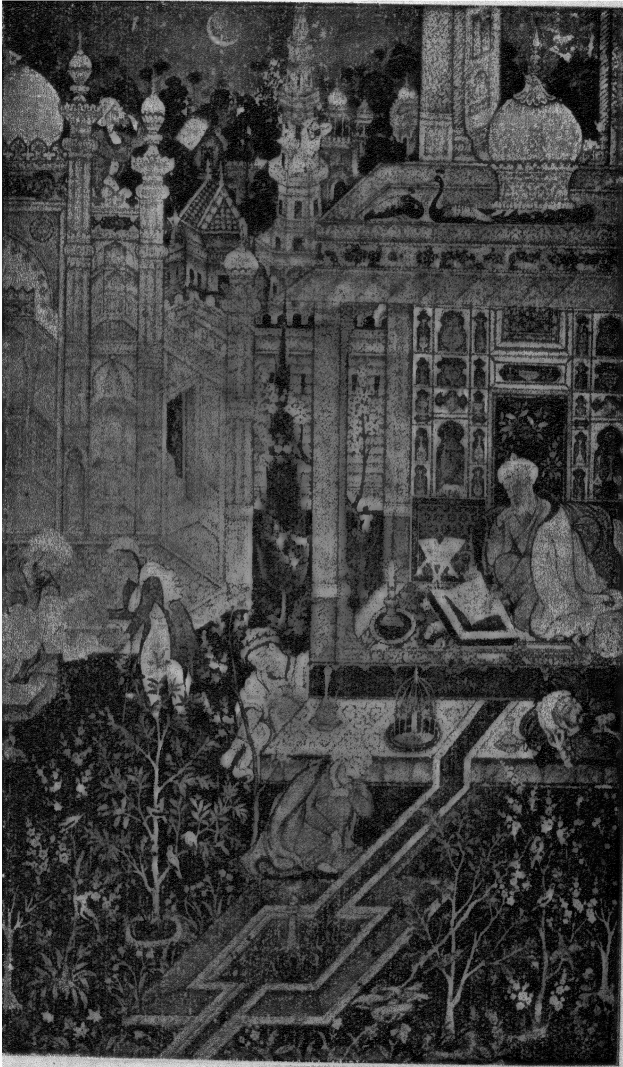
اس زمانے کا لٹریچر بہت کم ہے۔ فنون لطیفہ کو ضرور ترقی ہوئی | اگرچہ ہندوؤں نے اس زمانے میں فارسی کو کمال شوق سے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر کوئی خاص نتائج کتابوں کی صورت میں برآمد نہیں ہوئے۔ یہیں ہندوؤں میں کوئی اعلیٰ پایے کا مصنف نظر نہیں آتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہو کہ ہندوؤں نے ابھی تک زبان پر قدرت حاصل نہیں کی تھی جو تصنیف و تالیف کے لیے ضروری تھی۔ لیکن اکبر کی شاہانہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی نے ہندو قوم کے اندر جو زندگی پیدا کی وہ فنون لطیفہ مثلاً موسیقی، مصوری اور خوشخطی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

مصوری | اس زمانے میں مصوری کا "ہندی ایرانی دبستان" ترقی پزیر ہوا۔ اکبر کے درباری مصورین میں بہت سے ہندو تھے مثلاً ابوالفضل نے آئین میں جن لوگوں کو گنایا جو ان کے نام یہ ہیں: دسونت، بساوان، کسبو، لال کنر، مادھو، جگن، ہمیش، کھیم کرن، تارا، سانولہ، ہری بنس، رام، ابوالفضل کے نزدیک ہندوؤں کی بنائی ہوئی تصویریں بہت ہی نفیس ہوتی تھیں اور ساری دنیا میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

بانکی پور لائبریری میں "تاریخ خاندان تیموریہ" کا ایک نسخہ موجود ہے جو مصوّر ہے اور جس میں ان درباری مصوّرین میں سے اکثر کے "عمل" موجود ہیں۔ پرسی براؤن لکھتا ہے کہ اس ہندی ایرانی دبستان کے امام تو عبدالصمد اور میر سید علی ہیں، لیکن باقی اکابر تمام تر ہندوؤں میں سے ہیں؛ یہ لوگ دربار میں کتابوں کو مصوّر کرنے کے لیے رکھے جاتے تھے۔

**موسیقی** | اس عہد میں موسیقی نے بھی بہت ترقی پائی۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر کے دربار میں ہندو، ایرانی، تورانی، کشمیری، عورتیں اور مرد موسیقی دان تھے۔ یہ لوگ سات گروہوں میں منقسم تھے۔ ہر گروہ کے لیے ہفتے کا ایک ایک دن مقرر تھا جس دن اُسے اپنا فرض بجالانا پڑتا تھا۔ مسٹر نذر ناٹھ لائحہ لہ بالا کتاب میں لکھتے ہیں :-

"موسیقی کے میدان میں اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ ہندو اور مسلمان کب سے اور کس طرح ایک دوسرے سے استفادہ کرتے رہے؛ اور ہر قوم دوسری قوم کے ذخیرۂ فن میں کس طرح اضافہ کرتی رہی؛ مسلمانوں کی حکومت کے ابتدا سے ہی ہم اس معاملے میں سجد تعاون و تناسر پاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سلطان حسین شرقی نے "خیال" کو ایجاد کیا۔ لیکن اب وہ ہندو موسیقی کا جزو ہے۔ اُدھر "دھردپ" جو خالصتہ ہندو موسیقی کا جزو تھا اب "مسلم موسیقی" کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ موسیقی کی موجودہ حالت صدیوں کے اختلاط اور خلط ملط کا پتہ دیتی ہے۔ یہ اختلاط اکبر کے دربار میں



عہد اکبری کے ہندو مصورین کی مصوری کا نمونہ۔ (از تاریخ خاندان تیموریہ)



کمال تک پہنچا۔“

میاں تان سین جو پہلے ہندو تھا اور بعد میں شاید مسلمان ہو گیا تھا اس زمانے کا بہترین موسیقی داں تھا۔ رام داس کا درجہ علم موسیقی میں تان سین سے دوسرے درجے پر تھا۔ ابوالفضل نے دربار اکبری کے ۳۶ ماہرین موسیقی کی جو فہرست پیش کی ہو ان میں اگرہ کا اندھا شاعر ”سور داس“ بھی شامل ہو۔ اکبر کے زمانے میں علم موسیقی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچا اور یہ نہایت مدلل طور پر کہا جاسکتا ہو کہ اس فن کے کمال میں ہندوؤں کا کافی سے زیادہ حصہ ہو۔

خوشخطی | خوشخطی کو مسلمانوں نے نہایت قدیم زمانے سے فن لطیف کی حیثیت سے ترقی دی۔ پریس کی ایجاد سے پہلے یہ فن اشاعت کتب اور ترویج علوم کا واحد ذریعہ تھا۔ اکبر نے ادھر بہت توجہ کی اور خط کی مختلف انواع و اقسام میں کافی سے زیادہ دلچسپی لی۔ چونکہ یہ فن زیادہ تر فارسی کے پڑھنے اور جاننے پر موقوف ہو اس لیے اس وقت تک جبکہ ہندوؤں میں فارسی کا عام رواج نہیں ہوا ہندو خوش نویس بہت کم ملتے ہیں۔ رائے منوہر اور راجہ ٹوڈرل جن کے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے لکھیں گے، نہایت اچھے خوش نویس تھے۔

ہندوؤں میں فارسی لٹریچر کے ابتدائی آثار | خالص فارسی لٹریچر کا اس زمانے میں کوئی نام و نشان موجود نہیں تحقیق کے جدید و قدیم مآخذ کی تلاش کے باوجود کسی کتاب کا سراغ

لے پر موخن ص ۱۵۵ لے آئین بلوخن ص ۶۱۲

لے آئین ۱۷۰ ص ۱۱۳، ۱۱۴ بلوخن ص ۹۹



نہیں مل سکا۔ تاریخوں اور ہندستان اور یورپ کی فارسی فہرستوں کی اوراق گردانی کی گئی لیکن اس عہد میں کسی ہندو کی فارسی تصنیف نہیں مل سکی۔ ہاں کچھ فارسی دانوں کا حال معلوم ہوتا ہے جنہیں بہر حال ہندوؤں میں فارسی لٹریچر کے ابتدائی آثار کے طور پر ذکر کرنا چاہیے۔

**عہد اکبری کے فارسی داں ہندوؤں:** (۱) راجا ٹوڈرمل | اس ضمن میں ہم راجہ ٹوڈرمل کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہندوؤں میں ایک بڑی حد تک فارسی کو رواج دینے والا تھا۔ ہمیں یہاں اس کی زندگی کے تفصیلی حالات سے کوئی سروکار نہیں۔ اس مقصد کے لیے ناظرین کو دوسری کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اس کی زندگی کے موٹے واقعات یہ ہیں کہ وہ لاہر پور میں پیدا ہوا (نہ کہ لاہور میں جیسا کہ آثار الامراء کے مصنف نے لکھا ہے) اس نے اکبر کے ماتحت پہلا ذمہ داری کا عہدہ ۱۸ سال جلوس اکبری میں حاصل کیا۔ ۲۲ سن جلوس میں وہ وزیر مقرر ہوا۔ ستائیسویں سال جلوس میں وہ دیوان مقرر ہوا اور ۹۹ء میں فوت ہو گیا۔

راجہ ٹوڈرمل کی فارسی قابلیت کے متعلق کوئی ٹھیک بیان نہیں دیا جاسکتا۔ اس نے بعض اہم اصلاحات رائج کیں اور فارسی کو دفاتر کی زبان قرار دیا۔ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے فارسی میں اچھی خاصی قابلیت حاصل تھی کیونکہ فارسی نہ جاننے کی حالت میں راجہ اپنے ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا۔ لہذا یہ نتیجہ

۱۔ آئین ابو مخن ص ۳۲، ۳۳، ۳۴ نیز خلاصۃ التواریخ ص ۴۰۹ وابعدا دربار اکبری ۵۱۹ دما بعد آثار الامراء ج ۲ ص ۱۲۳، تفریح العمارات قلمی (ملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب) اکبرنامہ - ج ۳ ص ۵۶۹

۲۔ برہن کی کتاب چہار چمن میں اکبر کے ایک درباری شاہباز خاں کی رائے راجہ ٹوڈرمل کے متعلق

اچھے الفاظ میں درج ہے۔ (ملاحظہ ہو ورق ۱۰۶ قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

نکالنا بالکل صحیح ہو کہ راجہ فارسی سے ابھی طرح واقف تھا۔ تذکرہ خوشنویساں<sup>۱</sup> کے مصنف کا بیان ہو کہ ”ٹوڈرل از طالیفہ کھتری، نویسدہ چابک دست و خطوط بنحو شخطی و نمکی مے نوشت، بوسیہ منظر خاں برتبہ وزارت اکبری رسیدہ ....“ خلاصہ التواریخ مصنفہ منشی سبحان رائے میں راجہ ٹوڈرل کی قابلیت کا حال ان الفاظ میں درج ہے:-

”در وقایق سیاق و حقایق حساب بے نظیر، در علم محاسبات  
موشکاف ضوابط و قوانین وزارت و تنظیم احکام سلطنت و بندوبست  
امور مملکت و کبادی و معموری رعیت و دستور العمل کارہائے دیوانی  
و قانون اخذ حقوق سلطانی و افزونی خزانہ و امنیت مسالک و  
تادیب سرکشاں و تسخیر ممالک و دستور مناصب امر و مواجب سپاہ دوانی  
پرگنات و تنخواہ جاگیر از دیادگار راست“

مگر ابوالفضل راجا کو تعصب کا الزام دیتا ہے اور اگرچہ راجا کے تدبیر، جرأت، ہوشیاری اور  
بے نفی کی تعریف کرتا ہے مگر راجا کی فارسی دانی کے کم و کیف کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہتا۔  
ٹوڈرل کی تصنیفات: خازن الاسرار (۹) شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد  
دربار اکبری میں لکھتے ہیں:- ”کشمیر

لے تذکرہ خوشنویساں۔ ص ۸۸۔ خلاصہ التواریخ ص ۲۰۹۔ دربار اکبری ص ۵۳۔  
عہ اندیا افس لائبریری (عدد ۲۳۲) میں راجہ ٹوڈرل کی طرف ایک کتاب منسوب کی گئی ہے جس  
کا نام ”دستور العمل“ ہے۔ اچھے صاحب کے نزدیک کتاب کے بعض حصے ایسے ہیں جن کا مصنف ٹوڈرل  
نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ق ۵۱ پر شا جہاں آباد کا ذکر ہے جو شا جہاں کے عہد میں تعمیر ہوا۔ ابوالفضل نے راجہ  
کی ”چند فضل“ کا ذکر کیا ہے جن میں بعض مالی تجاویز مرقوم تھیں مگر ان کا کہیں بھی پتا نہیں چلتا (اکبرنامہ  
ج ۳- ص ۳۸۱)۔ بہت ممکن ہے کہ یہ وہی دستور العمل ہو اور کچھ ابواب الحاقی ہوں۔ لیکن ہم یقین  
کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اور لاہور کے کہن سال لوگوں میں کتاب "خازن اسرار" اس کے نام سے مشہور ہو مگر کیا اب ہو۔ نین نے بڑی کوشش سے کشمیر میں جا کر پائی لیکن دیا چہ میں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ۱۵۰۰ء کی تصنیف ہو حالانکہ خود ۱۹۹۷ء میں مر گیا تھا۔ شاید اس کی یادداشت کی کتاب پر کسی نے دیا چہ لگا دیا..... الخ"

خوش قسمتی سے خازن اسرار کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہو اس کی ابتدائی سطور یہ ہیں:-

"سپاس بقیاس حضرت مالک الملکی کہ خانہ نہ در وجود انسان را بچراغ عقل منور گردانید و بنور انصاف و معرفت بہرہ ورئی شعاع انوار بخشید..... راجہ ٹوڈرل از دیر یازہ گم کردہ خارستان جہل و نادانی بود، برہبری کرم عمیم خویش، راتنے گلستان معرفت گردانید"

اس اقتباس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا مصنف ٹوڈرل نامی کوئی شخص تھا۔ دیا چہ میں اکبر کی مدح بھی موجود ہے۔ کتاب نہایت دشوار اور فاضلانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور عربی ضرب الامثال اور اصطلاحات علمیہ کی اتنی فراوانی ہے کہ مصنف کی علیت کا سکہ قلب پر بیٹھتا ہے اور تیس کہتا ہے کہ یہ اکبری عہد کے کسی ہندو کی تصنیف نہیں ہو سکتی، خواہ وہ ٹوڈرل ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بالکل روشن ہے کہ تصنیف (لمحاذ انشا) کسی اچھے انشا پرداز کی ہے لیکن یہ محتمل کس طرح حل ہو کہ مصنف کا نام اور اکبر کی مدح جیسے ناقابل فراموش شواہد بھی موجود ہیں۔

ٹوڈرل رائے | اتفاقاً ہندی کی کتابوں میں تلاش کے بعد ایک کتاب دستیاب ہوئی جس کا نام ٹوڈرل رائے اور راجہ ٹوڈرل کی طرف منسوب ہے "مصرندہ حوڈ" کے بیان کے مطابق اس کے تین اجزاء ہیں:-

(۱) دھرم شاستر (۲) جوتش اور (۳) طب بہرہ زو بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں پر منقسم ہے۔ بیکانیر سنسکرت لائبریری کی فہرست کے بیان کے مطابق یہ ایک سنسکرت کتاب ہے۔

مندرجہ بالا کتاب کا اگر خازن اسرار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان دونوں کتابوں میں ایک مشابہت موجود ہے۔ ہماری رائے میں خازن اسرار "ٹوڈر اند" کا ترجمہ ہے لیکن ٹوڈرل خود مترجم نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کا ترجمہ کسی اچھے انشا پرداز کے ہاتھوں عمل میں آیا ہے۔ مضامین میں کچھ فرق موجود ہے۔ لیکن تراجم میں اضافہ اور تخفیف دونوں کا ہونا ممکن ہے۔ سنسکرت کتاب تین حصوں پر منقسم ہے اور خازن اسرار "چار منازل" پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ ٹوڈر اند کا کوئی نسخہ یہاں موجود نہیں ورنہ اس نظریے کو ہم زیادہ یقین کے ساتھ پیش کر سکتے۔ بہر حال ہم "خازن اسرار" کو (بعینہا) ٹوڈرل کی تصنیف نہیں مان سکتے۔

بھگوت پران | کہتے ہیں کہ راجہ ٹوڈرل نے بھگوت پران کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ لیکن اس خیال کی کسی تاریخی شہادت سے تائید نہیں ہوتی اور نہ اس کے کسی نسخے کا ذکر کہیں موجود ہے۔

رسالہ حساب | "یک رسالہ در فن سیاق" بھی راجہ کی طرف منسوب ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ رسالہ فارسی میں تھا یا ہندی میں۔ کوئی عجیب نہیں کہ فارسی میں ہی ہو۔

اکبری تراجم میں ہندوؤں کا حصہ | اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سنسکرت کتابوں کے ترجمے کا کام نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ شروع ہوا۔ بدایونی کے بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کاموں میں پنڈتوں سے بہت مدد لی گئی تھی۔ اتھروید کا ترجمہ بدایونی کے سپرد کیا گیا تھا اور امداد کے لیے ایک پنڈت بھی مقرر کیا گیا تھا۔ اسی نوع کی اور کئی مثالیں بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فارسی تراجم میں ان برہمنوں کی کوششوں کو بھی بہت حد تک دخل ہر گویا وہ فارسی کتابیں سلمان فضلا اور برہمنوں کے مشترک کارنامے ہیں۔

مرزا منوہر تونسوی | یہ چیز نہایت ہی عجیب ہے کہ اکبر کے زمانے میں ہم ایک ایسے ہندو شاعر کو دیکھتے ہیں جسے فارسی کے ساتھ بے نظیر شغف اور واقفیت ہے۔ اس کے خیالات اسلامی تخیل میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کی زبان شستہ اور واضح ہے۔ یہ ہندو قوم کا سب سے پہلا فارسی شاعر اسے محمد منوہر تونسوی تھا۔ بدایونی اس کے حالات میں لکھتا ہے:-

”منوہر نام دارد، ولد لون گرن راجہ سانہراست کہ در ملکزار مشہور است و این ہمہ نمک در سخن او تا شیریں سرزمین است، صاحب حسن غریب و ذہن عجیب است، اول او را محمد منوہر مے خوانند بعد ازاں میرزا منوہر خطاب یافت و پدرش با وجود کفر بشرف و افتخار و مباحات ہمیں محمد منوہر مے گفت، ہر چہ مرضی طبع بادشاہی نبود، طبع نظمی دارد“ از دست ۵

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر مست حسن دوست را با کفر و ایمان کا نسبت

بے عشق تو درجگر بالباب نالاست      بے درد تو در سرم سراسر غار است  
 متجائے و کعبہ ہر دوزم کُفر است      مارا بے یگانگی ایزد کار است  
 زم نے کہ تخلص ہوے دادند ایں چند بیت گفتہ کہ ۷۷  
 شربت آشامیا در بزم ماؤردی کشاں      کو جگر در کف کباب خون دل در ساغراست  
 ننگ مردانست حرف از جان دل گفتن عشق      دل چو خون سخت بستہ جاں چو باد و طراست  
 توسنی بردہ سمند شوق در میدان عشق      مے رسی امین بمقصد بہرست چوں اکبر است  
 از ہندوئے بچوں ایں قدر طبع شعر و حالت غریب بودا ثبت نمودہ آمد:  
 طبقات اکبری میں لکھا ہوا۔

"رائے منوہر بن لون کرن از صغر سن در حجرہ شفقت  
 حضرت الہی نشو و نما یافتہ، در خدمت شاہزادہ کامگار سلطان  
 سلیم بزرگ شدہ خط سوا و پیدا کردہ، سلیقہ شعر بہم رسانیدہ۔  
 میگوید و کوسی (کذا) تخلص دارد۔"  
 ترک جہانگیری میں لکھا ہے:- (نیر ملاحظہ ہو ترجمہ راجرز ج ۱- ص ۱۷۷)  
 "منوہر کہ از قوم کچھائیاں سیکھا وٹ است و پدرن درخوردلی  
 باد عنایت بسیار مے گردند۔ فارسی زبان بودہ بآنکہ از و تا بہ آدم  
 ادراک فہم بہیچ کیے از قبیلہ اونے توان کرد خالی از فہم نیست

۷۷ طبقات اکبری۔ ص ۳۸۸، منوہر توسنی کے مقفل حالات کے لیے دیکھو سفینہ خوشگو۔

(قلی) ج ۲، ورق ۹۳؛ محل رفتار فہرست بانی پور لائبریری۔ ج ۸۔ ص ۱۳۰، اکبر نامہ۔ ج ۳۔ ص ۱۲۲ از

کلکتہ ریلوے ۱۸۷۱ء۔ اپریل نمبر ۱ امرائے ہندو۔ ص ۳۴۲، محزن الغراب احمد علی خدیوی (قلی پرنسپل)۔

و شعر فارسی مے گوید، این بیت از دست ہے  
 غرض ز خلقت سایہ ہمیں بود کہ کسے  
 بنور حضرت خورشید پائے خود نہند  
 صاحب آثار الامار نے یہ شعر انتخاب کیا ہے  
 یگانہ بودن و یکتا شدن ز چشم آموز  
 کہ ہر دو چشم جدا و جدا نے نگرند  
 انیس العاشقین زخمی میں منوہر کی ایک مثنوی کا ذکر موجود ہے جس کے  
 کچھ اقتباسات مخرن الغرائب میں درج ہیں۔ مثلاً

الہی سینہ کن با عشق دمساز دے دہ معدن گنجینہ راز  
 بدل داغ محبت جادواں دہ نشان مہر خود بر ورق جاں دہ  
 امید من ز تو انعام عام است کہ نو میدی ز در گاہت علام است  
 نمی دامن خدا یا کفر و دیں چیست گرفتار کند این دآں کیست  
 حضرت علیؑ کی مدح میں لکھا ہے:-

تعالی اللہ عجائب بارگاہست کہ غیر از کعبہ و بیت خانہ راہست  
 علیؑ بجزیدۃ لطف اللہ است بہ معشر مہرباں را خدوخواہ است  
 نہ گنجد وصف حیدر در بیانہا بود در منقبت قاصر ز با تہا  
 تذکرہ خوشنویساں میں لکھا ہے:-

”از صخر سن در حجرہ شفقت حضرت خلیفۃ الہی نشو و نمایانہ  
 در خدمت شانہ زادہ کا مگار سلطان سلیم خط و سواد پیدا کر دہ،  
 سلیقہ شاعری و خوشخطی بہم رسانیدہ“

نشتہ عشق میں لکھا ہے:-

”فکر شعر بروانی وسداشت می فرمود“ ادا دل شعر لے ہندو دست

کہ نامشس تا ایران زمین رسیدہ امیر زاسا تبا مرحوم از کلام ادا

این بیت را کہ می آید پسندیدہ داخل بیاض خود نمودہ با وجود ظلمت

شرعی خود را محمد منوہر مے نامہ..... ازاں خوش مقال است:-

از اثر یک نگہ ادست است ہم بت و ہم بتکدہ ہم بت پرست

زاہد العبدہ پرستی تو ما دوست پرست

تو بایں عقل مسلمان و من برہمنم

۲۔ کرشنا داس | برٹش میوزیم لندن کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست میں ہیں ایک کتاب ملی ہے جو کرشنا داس اکبری کی لکھی ہوئی ہے۔

یہ کتاب نہایت مختصر سی ہے یعنی ۱۵۷ مصرعوں میں فارسی سنسکرت کی

ایک لغت تیار کی گئی ہے جس کی تیاری کا حکم خود شہنشاہ اکبر نے دیا تھا اگر برٹش

میوزیم کی اطلاع صحیح ہے تو یہ مختصر مجموعہ ہیں اس زمانے کے ترجمے کی سرگرمیوں

کے سلسلے میں کچھ مفید معلومات دے گا۔







# تیسرا باب

---

جہانگیر سے فرخ سیر تک  
(از ۱۰۴۱ھ تا ۱۰۴۴ھ)



## تیسرا باب

### (از عہد جہانگیری ۱۲۱۷ھ تا جلوس فرخ سیر ۱۲۲۷ھ)

[اس باب میں اُن ہندو فضلا کا ذکر ہوگا جو ۱۲۱۷ھ سے لے کر ۱۲۲۷ھ تک مشہور ہوئے۔ یعنی نورالدین جہانگیر کی تخت نشینی سے لے کر عہد فرخ سیر تک۔ ہندوؤں نے اس عہد میں بہت سا کارآمد اور عمدہ لٹریچر پیدا کیا اور علم و فضل کی تقریباً تمام شاخوں میں نام پیدا کیا۔ لیکن ان علما و فضلا کے تفصیلی ذکر اور اُن کے تجلی و تنقیدی مطالعے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرسری طور پر اُس احوال کا ذکر کیا جائے جس میں یہ لٹریچر پیدا ہوا۔]

**جہانگیر کی حکمت عملی** | نورالدین جہانگیر اگرچہ اپنے نامور باپ سے ذہنی طور پر کم درجے پر تھا تاہم اس کی طبیعت میں علمی مذاق موجود تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ اُس کی رواداری اور بے تعصبی اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اُس نے ہندوؤں کو اپنے عہد حکومت میں ذمہ دار عہدے دیے اور نہایت اہم مناصب اُن کے سپرد کیے۔

رائے گھنصور جہانگیری عہد میں دیوان کے منصب پر فائز تھا۔ اس زمانے کی تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر نے سیاسی اور تعلیمی حکمت عملی کے نفاذ میں اکبر کی پوری پوری پیروی کی۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ہندوؤں

کو جبراً مسلمان نہ بنائے اس کے عہد میں بعض بڑے بڑے مندر مثلاً متھرا میں گو بند دیوی کا مندر تعمیر ہوئے۔ جہانگیر ہندوؤں کی اکثر تقاریب میں بنفس نفیس شامل ہوتا تھا۔ دیوالی کے تیوہار پر باقاعدہ دربار منعقد کرتا تھا۔ شورا تری پر ہندو جوگیوں اور سنیا سیوں کو بلاتا۔ سلونو کے موقع پر اپنے ہاتھ پر ہندوؤں کی طرح راکھی باندھتا تھا۔

بادشاہ کو جو تک رائے منجم کے فیصلوں میں بہت اعتقاد تھا۔ چنانچہ یہ منجم کئی دفعہ سونے کے ساتھ تولایا گیا۔ راجہ سورج سنگھ نے ایک دفعہ ایک ہندو شاعر کو دربار میں پیش کیا جس نے ایک ہندی نظم پڑھی بادشاہ اس نظم سے اس قدر معظوظ ہوا کہ اس نے شاعر کو ایک ہاتھی بخش دیا۔

جہانگیر تزک میں جد روپ سنیا شی کی ملاقات کا واقعہ خود بیان کرتا ہو یہ ملاقات پورے چھ گھنٹے تک متد رہی۔ جہانگیر اس سنیا شی کے فضل و کمال، اس کی خداری اور دانش مندی کا بہت معترف تھا چنانچہ لکھتا ہے۔

”طریق زبیت و زندگانی او بریں پنج است کہ نوشتہ شد۔“

خواہان ملاقات مردم نیست لیکن چوں شہرت تمام یافتہ مردم  
بدین او مے روند۔ خالی از دانش نیست۔ علم بیدانت را کہ علم تصوف  
باشد خوب و زبیدہ..... سخنان خوب مذکور ساخت چنانچہ خیلے در  
من اثر کرد..... الخ۔“

اسی طرح تزک میں رودر بھٹا چارج کی ملاقات کا بھی تذکرہ کیا ہے جس

لے تزک (ترجمہ راجز) ص ۲۰۵ لے تزک (سرمد) ص ۱۱۹ لے ایضاً

لے تزک (سرمد) ص ۲۲۵، ۲۲۶ لے تزک (سرمد) ص ۱۸۵، ۱۸۶ یعنی ہر شاد جہانگیر

ص ۲۶۶: اقبال نامہ جہانگیری ص ۹۵ وغیرہ لے تزک ص ۳۲۹

کی علمیت اور فضیلت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:-

”دریں آیام رودربھٹا چارج نام برہمنے کہ از دانش و روان  
 ایں گروہ مطالب عقلی و نقلی را خوب و رزیدہ و در فن خود تمام ست اللہ“  
 جب خان عالم کو سفیر بنا کر ایران روانہ کیا گیا تو اس کے ساتھ بشن داس  
 مصطور کو بھی بھیجا تاکہ شاہ عباس کی تصویر اُتار کر لائے۔ یہ بشن داس اس زمانے  
 کا بلند پایہ مصطور تھا جس کے فن کو جہانگیر کی معارف پروری نے ضرور ترقی دی  
 ہوگی۔

عہد اکبری کے بیان میں ہم نے ایک شاعر کا ذکر کیا ہے جس کا نام مرزا  
 محمد منوہر سنی تھا جس نے زیادہ تر جہانگیر کی رفاقت میں تربیت پائی۔ جہانگیر  
 کا سلوک اپنی بادشاہی کے زمانے میں اس کے ساتھ بہت حد تک مرتبہ نہ رہا۔  
 خود ترک میں اس کی شاعری اور قابلیت کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں کرتا ہے۔

**شاہ جہاں** | اگرچہ شاہ جہاں صاحبِ قزل کا سب سے بڑا کمال اس کی تعمیری  
 سرگرمیوں میں پنہاں ہے تاہم تعلیمی ترقی اور علمی احیا و ترقی میں بھی  
 وہ اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں تھا۔ اس کا زمانہ ہندستان کی تاریخ میں سب  
 سے زیادہ امن اور خوش حالی کا زمانہ تھا اور مکاتب و مدارس کی بہتات، علوم و  
 فنون کی کثرت اور علماء و فضلا کا اجتماع عظیم صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اس  
 ہنگامہ عمل میں اس بیدار مغز بادشاہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ شاہ جہاں نامہ اور  
 عملی صالح کی ان فہرستوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے جن میں شعرا، فضلا، علما اور  
 ارباب فن کا تذکرہ کیا گیا ہے تو ہمیں یہ زمانہ علمی لحاظ سے ایک زریں عہد  
 معلوم ہوتا ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ برہمن نے اس عہد کی تعلیمی پستی اور علم کی

کم رواجی کی افسوس ناک طور پر خلاف واقعہ تصویر کھینچی ہے تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہمیں رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برسرِ کابیان سراسر غلط اور باطل ہے اور شاہ جہاں کے زمانے کی علمی ہندی کے پیش نظر بہتان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ علمی سرپرستی کے علاوہ شاہ جہاں موسیقی کا بہت بڑا قردان تھا۔ اس کے دربار میں وہاں پاترا اور رام داس دو بہت بڑے موسیقی دان تھے۔ اس بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں میں علی العموم اور ہندوؤں میں علی الخصوص انشا، شاعری اور تاریخ کو جو ترقی حاصل ہوئی وہ اس بادشاہ کی علم دوستی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

**داراشکوہ** | داراشکوہ شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس کی طبیعت تصوف اور فلسفہ کی طرف مائل تھی۔ وہ عربی فارسی کے علاوہ ہندی اور

سنسکرت کا بھی بہت بڑا فاضل تھا۔ عمر کے آخری حصے میں دارا کی طبیعت میں ویدانت کی طرف بہت میلان پیدا ہو گیا تھا۔ باپ کے عہد حکومت میں جب اُسے ہمارے گورنر بنایا گیا تو اس نے بڑے بڑے فاضل برہمنوں کو ویدوں کے ترجمے کے لیے بلوایا۔ اس کے ذہن پر ہندو علوم کا گہرا اثر موجود تھا۔ اپنیشد کو وحدانیت اور سترالہی کا منہج خیال کرتا تھا۔ اس کی انجنتری پر "پرہو" کا لفظ کنہہ تھا۔ وہ ملاشاہ بخشی کا مرید باصفا تھا اور اُن کی بہت عزت کرتا تھا۔ دارا نے سفینۃ الاولیاء کے نام سے اولیاء و اصفیاء کا ایک ضخیم تذکرہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہندو علوم کی چند کتابوں کے ترجمے فارسی میں کیے یا کرائے ہیں۔ اپنیشد کا ترجمہ "سراکبہ" یا سترالہی کے نام سے بہت مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے

۱۔ داراشکوہ کے حالات کے لیے دیکھو سرکار تاریخ اردنگ زریب۔ ج ۱، ص ۲۹۳-۳۰۲۔  
 دیب چمچ، البحرین طبع کلکتہ۔ وغیرہ۔ جہاں پڑانے تکلف سے استفادہ کرتے ہوئے مفصل حالات دیے گئے ہیں۔

بھگوت گیتا اور یوگ و ششستا کا ترجمہ بھی کرایا۔ دارا کی کتاب مجمع البحرین جس کو حال ہی میں پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے شائع کیا ہے۔ ہندو اور اسلامی فلسفے کے مقامات اتصال سے بحث کرتی ہے اور اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ دارا شکوہ کو ہندو علما و منشیوں سے بہت اُنس تھا اور وہ اُن کی حوصلہ افزائی سے کبھی دریغ نہ کرتا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر | عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عالمگیر ایک متعصب بادشاہ تھا جس نے ہندو رعایا کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اورنگ زیب کی سیاسی حکمت عملی کچھ بھی ہو۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم یہاں صرف اس کی تعلیمی سرگرمیوں کو مد نظر رکھیں گے جو ہندوؤں کی ترقی و تنزل پر بہت حد تک اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ مسئلہ یہ ہے اس بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ ہندو عاملوں، تعلقہ داروں، منشیوں اور متصدیوں کو برطرف کیا جائے اور اُن کی جگہ دفاتر میں مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے چنانچہ خانی خان لکھتا ہے:-

”صوبہ داران و تعلقہ داران پیشکاران و دیوانیان ہندو را

برطرف ساختہ مسلمانان مقرر نمایند و کروڑی محالات خالصہ مسلمان

می نمودہ باشند“

علامہ شبلی ”عالمگیر پر ایک نظر“ میں لکھتے ہیں کہ اس فرمان کی ضرورت اس

۱۔ پرنسپل محمد شفیع صاحب نے اس بیان میں پیر میم کی جگہ برٹش میوزیم کے نسخوں میں گینا کا

ترجمہ ابوالفضل کی طرف منسوب ہے۔



لیے محسوس ہوئی کہ شعبہ مالیات کے اکثر حکام جو ہندو کا ایسٹھ تھے رشوت ستانی کے عادی ہو گئے تھے۔ بادشاہ نے اس بد انتظامی اور بے قاعدگی کے استیصال کے لیے سخت اور موثر قدم اٹھایا۔ یہی اصلاحی اقدام تھا جس کی وجہ سے سینکڑوں معمولی متصدی ملازمتوں سے برطرف ہوئے اور چونکہ ان مظلوموں یا سزایافتہ لوگوں میں ہندوؤں کی کثرت تھی اس لیے اورنگ زیب کی بعض دوسری کوششوں سے متاثر ہو کر اس واقعے کو بھی یہ آب و رنگ دے دیا گیا ہو۔ بعینہ یہ خیال سید ہاشمی صاحب نے ایک مضمون کے دوران میں ظاہر کیا ہے جو موصوف نے "حقیقی عالمگیر" کے عنوان سے اسلامک کلچر میں رقم فرمایا ہے۔

اس موقع پر یہ بات ضرور مد نظر رکھنی چاہیے کہ بادشاہ کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے غیر موثر تھا۔ اس لیے کہ اس زمانے میں ہندوؤں نے سیاق و انشا اور دیگر امور دیوانی میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ بادشاہ کو اپنے اس حکم پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حکم ہوا کہ راجا بن بخشی اور پیشکار آدھے مسلمان ہوں اور آدھے ہندو۔ چنانچہ خانی خان نے لکھا ہے:-

بعد چنان قرار یافت کہ از جملہ پیشکاران دفتر دیوانی و مخشیان  
سرکار یک مسلمان و یک ہندو مقرر می نمودہ باشند

۱۔ دستور العمل یوسف میرک جو شاہ جہاں کے عہد آفر کی تصنیف ہے اس بات کی تائید کرتی ہے۔

"وایں مردم قانون گو کہ در ہر ملک دیدہ می شود ظاہر کہ بادشاہان متقدمین ہیں

صرف راجنیا طداشتہ نصب کردہ اندلین چوں اکثر ہندو اند و متدین نیستند و در میان

نیز جبراً و قہراً متدین شدہ نیمہ اند عمل آہنا بر خلاف قانون تدین معلوم می شود...."

(رق ۱۶ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۔ اسلامک کلچر، اکتوبر ۱۹۷۲ء، ص ۳۱۵، ۳۱۶، خانی خان ج ۲، ص ۲۲۹-۲۵۲

سرکار نے بھی اپنی "تاریخ اورنگ زیب" میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہو یہ حکم پہلے حکم سے تھوڑے دنوں بعد ہی جاری کر دیا گیا تھا اور قیاس کہتا ہو کہ اورنگ زیب کا پہلا حکم ابھی دائرہ عمل میں آیا ہی نہ ہو گا کہ یہ دو سرفران نافذ ہو گیا ہو گا مگر باوجود اس کے عہد عالمگیری میں ہندو ملازمین کی کثرت اور بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں پر فائز ہونا یہ ثابت کرتا ہو کہ اس فرمان کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ مولانا شبلی نے عہد عالمگیری کے متعدد اعلیٰ منصب داروں کی ایک فہرست تیار کی ہو جس میں تمام اُن لوگوں کو شامل کیا گیا ہو جو اس فرمان کے بہت بعد مر گئے۔ ساتھ برسرِ جنگ ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم کے سلسلے میں بادشاہ کے ایک اور اقدام عمل کا ذکر بھی عام طور پر کیا جاتا ہو اور وہ یہ ہو کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے معابد اور مکاتب کو منہدم کروا دیا تھا۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ بادشاہ کا یہ حکم عام نہ تھا بلکہ صرف ان معابد و مدارس کے ساتھ مخصوص تھا جو سیاسی طور پر اس قابل سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ پروفیسر جادونا تھہ سرکار نے اپنی کتاب میں اورنگ زیب کی معاہدگی کے واقعات کی جو تاریخی فہرست مرتب کی ہو اُس میں ایسے واقعات بھی ہیں جن میں موثر موصوف نے ہندو عہدوں اور مندروں کو امداد دینے کے واقعات کا اعتراف کیا ہو۔ مولانا شبلیؒ "عالمگیری پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا یہ حکم صرف اُن مندروں کے لیے تھا جن میں بغاوت اور سرکشی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور جو سازش اور طعنائان کا مرکز بن چکے تھے۔ خانی خان لکھتا ہو کہ بادشاہ نے

لے سرکار تاریخ اورنگ زیب۔ ج ۳۔ ص ۳۱۵

لے اس سلسلے میں فاروقی کی کتاب "اورنگ زیب" بھی ملاحظہ ہو۔

لے مائٹ عالمگیری۔ ص ۸۱۔ لے عالمگیری پر ایک نظر۔ ص ۷۵

سن کہ بعض مندروں اور کتبوں میں مسلمان لڑکے بھی ہندوؤں سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اس کو سرسرخلاف سیاست سمجھتے ہوئے ایسے معاہدے خلاف قدم اٹھایا۔ اکثر عالمگیری میں لکھا ہے:-

”بعض خداوندیں پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھہ و ملتان خصوص

بنارس برہمنان بطلالت نشان در مدارس مقرر بہ تدريس کتب باطلہ

اشتغال دارند و راغبان و طالبان ہندو و مسلمان مسافت ہائے بعیدہ

منودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آں جماعہ گمراہ می آیند۔“

بادشاہ کے ان افعال کو قابلِ ملامت بھی قرار دیا جائے تو بھی اس کی حکمتِ علی کا اثر فارسی تعلیم کی اشاعت و ترویج پر مطلق نہیں ہوا۔ بلکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر دکھائیں گے اس زمانے میں ہندوؤں نے پہلے سے بھی زیادہ فارسی کی طرف توجہ کی۔ ان مصنفین میں سے اکثر و بیشتر شاہی ملازم تھے اور اسی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے بہت سی عمدہ تاریخی کتابیں لکھیں۔

محض عظم و محض عظم | اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ مغلوں کی شان و شوکت میں بہت کچھ زوال آگیا تاہم اورنگ زیب

کے دونوں بیٹے محمد اعظم اور محمد عظم ہونہار اور مدبر تھے۔ مغلیہ قوم کی ہیبت ہر طرف چھائی ہوئی تھی، اورنگ زیب کی وفات پر جانشینی کے لیے جو جھگڑا ہوا اس میں محمد عظم کو فتح حاصل ہوئی اور وہی تخت شاہی پر بیٹھا۔ ذیل کی سطور میں ہمیں ایسے مصنفین کا حال بھی ملے گا جو محمد اعظم کے دربار سے متعلق تھے لیکن انھیں اورنگ زیب کے زمانے کے مصنفین میں شمار کرنا چاہیے۔

تاریخ ارادت خانی میں لکھا ہے کہ محمد معظم ایک تعلیم یافتہ، سلیم المزاج اہلبند بادشاہ تھا۔ وہ عام طور پر تمام مذاہب و ادیان کے رہنماؤں سے گفتگو میں مصروف رہتا اور فلسفہ و تصوف کی کتابوں کو شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ گورو گو بند سنگھ کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتا تھا۔ وہ مرہٹوں اور راجپوتوں کے ساتھ بھی مصالحہ کرنا دیکھتا تھا۔ اگر قدرت نے اسے کچھ سال اور زندہ رہنے کا موقع دیا ہوتا تو ہندستان کی تاریخ کے ابواب کی ترتیب موجودہ ترتیب سے مختلف ہوتی۔ محمد معظم رحمۃ اللہ علیہ میں راگدائے عالم جاودانی ہو گیا۔

دفاتر دیوانی اور ہندو | ہم نے ان سلاطین کی حکمت عملی کے اُن پہلوؤں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق ہندوؤں کی تعمیر و ترقی سے تھا۔ تاکہ اس بیان سے ہم اس عہد کے فارسی لٹریچر میں ہندوؤں کی کوششوں کے ساتھ اس کا کچھ تعلق دکھا سکیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اکبر کے زمانے میں ہندوؤں نے جس سرعت اور قوت کے ساتھ فارسی کی طرف اقدام کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ بہت تھوڑے عرصے میں دفاتر دیوانی پر چھانگنے، تصنیف و تالیف میں نام پیدا کیا اور باوجود مخالف حالات کے ان کی ترقی اور عروج میں مطلق کوئی فرق نہ آنے پایا۔ رحمۃ اللہ علیہ فرشتہ عہد جاگیر گیری کے اواخر میں لکھتا ہے:-

”..... براہمہ ..... قلاوۃ نوکری در گردن بنی اندامہ قند

و اول کسے کہ از فرقہ براہمہ در دور سلاطین نوکری قبول کرد۔ گانگو

پنڈت بود و تاحال کہ ۱۶۷۵ یدست۔ بخلاف سائر ممالک ہندوستان

دفعہ بادشاہان دکن و نوپند گئی ولایات ایشان بہ بہانہ مرجوع است

اس عہد کے لٹریچر کی بعض امتیازی خصوصیات | اس زمانے میں جو لٹریچر پیدا ہوا اسے ہم بلحاظ مدارج

تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

(۱) ترجمے کا دور

(۲) تاریخ و فن انشا کا دور

(۳) عام تصنیفات کا زمانہ اور فارسی علوم کی اشاعت عام

اگر ہی عہد کے لٹریچر کا حال ہم پڑھ آئے ہیں۔ اگر ہی زمانے میں ہیں کوئی خاص قابل قدر کتاب دستیاب نہیں ہوتی لیکن زیر بحث دور میں ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا ہمہ گیر شوق پیدا ہو چکا تھا۔ اس لیے جہانگیر کے عہد میں سب سے پہلی تصنیفات جو ہیں ممتی ہیں وہ تراجم ہیں۔ اس معاملے میں ہندوؤں کی تصنیفات کا آغاز اور ان کی ترقی کا حال دنیا کی باقی زبانوں سے بہت حد تک مشابہ ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہو کہ تصنیفی قابلیت کے پیدا ہونے سے پہلے عموماً تراجم کی طرف ہی توجہ کی جاتی ہے۔ بنا بریں جہانگیر کے عہد کو "تراجم کا عہد" کہیں تو بیجا نہ ہو گا۔ شاہ جہاں اور اورنگزیب کے زمانے میں انشا اور تاریخ نگاری کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ علی الخصوص تاریخ میں ہندوؤں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ اس عہد کی تاریخیں بلحاظ ثقافت، جدت اور اعتبار کے تمام زمانوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ خلاصۃ التواریخ وغیرہ ہندو کی بہترین تاریخیں ہیں جن کا مقابلہ بعد کی کتابیں نہیں کر سکتیں۔ اورنگ زیب کی حکومت کے اواخر میں ہندوؤں میں فارسی علوم بہت رواج پا گئے تھے۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب نے جب ہندو متصدیوں کو برطرف کرنے کا ارادہ کیا تو اسے اپنے اس عزم میں سخت ناکامی ہوئی۔ یہ ہندوؤں میں فارسی کی اشاعت عام کا زمانہ تھا۔ اس سلسلے میں بعض اہم امور کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اولاً یہ

کہ ہندوؤں کے اس زمانے کے فارسی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح ایک قوم اس قدر جلد مسلمانوں کے خیالات، اُن کی تعلیم، اُن کے طرز بیان سے لگتی طور پر واقف ہو گئی۔ حالانکہ اسے مذہبی طور پر ان علوم کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ اس صورت حال سے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ اعلیٰ ذہانت کے علما وہ ہندوؤں کے اندر زمانہ شناسی کا زبردست ملکہ موجود ہے۔ وہ فطری طور پر جانتے ہیں کہ ماحول کے ساتھ تطابق سے کتنی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ اور زمانے کی عام روش سے متصادم ہونا کس حد تک مذموم ہے۔

دوم۔ ہندوؤں کا فارسی ادب اور دیگر معاشرتی حالات بتاتے ہیں کہ مغل بادشاہوں نے ان ہندو مصنفین کی ہمیشہ قدر افزائی کی اور انھوں نے عام ہندو رعایا کو مسلمانوں کے قریب تر لانے کی کوشش کی۔ چارچمن میں چندربھان برہمن شاہ جہاں کی اُن عنایت کا تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے جو وقتاً فوقتاً اس کے حق میں صادر ہوتی رہیں۔ ولی رام، برہمن اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ داراشکوہ کی فیاضیوں کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ مصنف عموماً بادشاہوں کی ملازمت میں ہوتے تھے جہاں انھیں اپنی تاریخی تصنیفات و تالیفات کے لیے اچھا خاصہ مواد مل سکتا تھا۔ نیز یہ لوگ چونکہ اکثر واقعات کے عینی شاہد ہوتے تھے اس لیے ان تاریخوں کو جو اعتبار اور صحت حاصل ہو سکتی ہے اس سے دوسرے لوگ کہاں بہرہ یاب ہو سکتے ہیں۔ اس زمانے میں جو تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن سے پروفیسر جادوناٹھ وغیرہ مصنفین عہد حاضر نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ اس عہد میں بہت سے نامور ہندو شاعر پیدا ہوئے ان میں سے دو تین کا درجہ بہت بلند ہے باقی شعرا میں سے جن کا ذکر آئندہ الجواب میں ہو گا۔ معدودے چند ہی ان کے شاعرانہ کمال کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ انش کی کتابیں نہ بلحاظ ادب بلکہ باعتبار تاریخی کتب کے بھی بہت شہرت رکھتی ہیں۔ ان اشارات کے ساتھ ہم اس زمانے

کے لٹریچر کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔ ہم ہر مضمون کی کتابوں کو علیحدہ علیحدہ گنائیں گے اور پھر ان میں سے جو زیادہ کارآمد و مشہور ہوں گی ان کا تذکرہ زیادہ شرح و بسط کے ساتھ کیا جائے گا۔ کتابوں کی ترتیب زمانی کو خاص طور پر مد نظر رکھا گیا ہے۔

## اس عہد کی تاریخیں اور مؤرخ

ذیل میں سب سے پہلے لائق ذکر تاریخی کتابوں کی ایک فہرست دی جاتی ہے اس کے بعد نامور مؤرخین کا مفصل تذکرہ اور ان کی کتابوں کے متعلق تبصرہ کیا جائے گا۔ جو کتابیں متوسط درجے کی ہیں ان کے متعلق بھی مناسب تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ سجان رائے بٹالوی، بندر بن واس بہادر شاہی اور نرائن کول عاجز اس عہد کے مشہور مؤرخ ہیں۔

تاریخی تصانیف کی فہرست | (۱) چہارچمن<sup>۱</sup> مصنف چندربھان برہمن<sup>۲</sup> (۱۵۵۷ء)  
یہ اگرچہ ایک قسم کی انشا ہے لیکن بحیثیت تاریخ کے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار نے اس کو شاہ جہاں کی تاریخ کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنے تفصیلی حالات قلمبند کیے ہیں۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے اُمرا و وزراء کے حالات بھی ہیں۔ شاہ جہاں کی روزمرہ زندگی کا پروگرام بتایا گیا ہے اور ان مواقع کا ذکر کیا ہے جن میں برہمن نے شاہ جہاں کے سامنے اپنی غزلیں پڑھیں۔ آخر میں کچھ خطوط بھی ہیں جن میں سے بیشتر منشآت میں موجود ہیں۔ ملا قوسی نے چہارچمن کے متعلق کہا تھا ہے  
چارچمن ساختہ برہمن مے زند از عالم دیگر سخن

(۲) راجا ولی مصنف بنالی داس ولی داراشکوہی (سلسلہ) یہ رسالہ صرف ہندو راجا جیان قدیم کے حالات پر مشتمل ہے اور کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔  
 (۳) شاہ جہاں نامہ مصنف بیگونت داس بندہ درگاہ۔ یہ رسالہ شاہ جہاں کے زمانے میں لکھا گیا جو "منظوقوں" پر مشتمل ہے۔ مغلیہ خاندان کا آدم علیہ السلام سے لے کر شاہ جہاں کی تخت نشینی تک کا حال دیا گیا ہے۔ تاریخ کے اعتبار سے چنداں اہم نہیں۔

(۴) گوالیار نامہ مصنف منشی ہیرامن ولد گردھ داس (سلسلہ) ہیرامن معتمد خاں گورنر کاننشی تھا یہ گوالیار کی تعمیر سے لے کر معتمد خاں کی گورنری تک کی تاریخ ہے۔ کتاب زیادہ تر جلال حساری کی اسی نام کی ایک کتاب پر مبنی ہے بلکہ اس سے ماخوذ ہے۔ اور سوائے معتمد خاں کے عہد نظامت کے حالات کے اس کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔

(۵) لب التوارخ مصنف بندرا بن داس بہادر شاہی (سلسلہ) تا  
 (۱۵۰۰ء) (اس کا مفصل حال آگے آتا ہے)

(۶) خلاصۃ التوارخ مصنف سبحان رائے بٹالوی (سلسلہ) (اس کا مفصل حال آگے آتا ہے)

(۷) فتوحات عالمگیری مصنف اشیر داس ناگر (تقریباً ۱۱۰۹ھ) اشیر داس ناگر پٹن ضلع گجرات کا باشندہ تھا۔ وہ پہلے قاضی عبدالوہاب قاضی لشکر کی ملازمت

۱۷۷۱ء کی حالت کے لیے دیکھو تذکرہ حسینی (طی)، ورق ۲۹۳۔ گلزارِ حال کا دیا ہے گلزارِ باقی پر۔  
 ورق ۲۸۳۔ روز روشن ۷۸، راجا ولی کے لیے دیکھو ریزج ۳، خلاصۃ التوارخ صفحہ ۷

۱۷۷۸ء پنجاب پبلک لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ ۱۷۷۹ء ج ۱۔ ص ۳۰۳۔ معارف ۱۹۱۸

۱۷۷۹ء ج ۱۔ ص ۲۶۹۔ معارف ۱۹۱۸۔ سرکارِ تاریخ اور نگارِ زیب ج ۱ دیا ہے ج ۲ ص ۲۵۴



میں رہا۔ زباں بعد شجاعت خاں عامل گجرات کے مقصدیوں میں شامل ہو گیا۔ کتاب چار سواخ پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر جی۔ بڑو نے تاریخ گجرات کی ترتیب میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار نے بھی تاریخ اورنگ زیب میں اس سے مدد لی ہے۔ یہ کتاب مالوہ اور راجپوتانے کے حالات کے متعلق مستند ہے لیکن شمالی ہندستان کے حالات میں اس سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ یہ کتاب البیرواس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔

(۸) اعظم الحرب مصنف کا مراج (۱۱۲۰ھ)، یہ محمد اعظم شاہ کی تاریخ ہے مصنف محمد اعظم کا ملازم تھا اور یہ تاریخ اُن عنایات کے صلے میں لکھی گئی ہے جو مصنف پر شہزادہ موصوف نے کیں۔

(۹) عبرت نامہ مصنف کا مراج (۱۱۳۱ھ) یہ گزشتہ تاریخ کی نسبت زیادہ ضخیم ہے اور ۱۱۱۸ھ سے لے کر ۱۱۳۱ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) منتخب التواریخ مصنف حکیم بن واس (۱۱۲۰ھ) ولد منوہر واس مکن گجرات، وہ ڈاک کا ہتھم تھا۔ ۱۱۱۹ھ میں محمد اعظم نے اُسے وقایع نگار مقرر کیا۔

(۱۱) دل گشا مصنف مجیم سین (۱۱۲۰ھ)

(۱۲) تاریخ کشمیر مصنف نرائن کول عاجز (۱۱۲۲ھ)

(۱۳) تاریخ مرہٹہ مصنف دموکل سنگھ منشی (۱۱۲۱ھ) مصنف رنجیت سنگھ

جاٹ والی بھرپور کا ملازم تھا۔ یہ کتاب (۱۸۰۳ء) سے لے کر ۱۸۰۵ء تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان جنگوں میں رنجیت سنگھ جاٹ نے جو کارہائے نمایاں کیے ہیں ان کا تذکرہ بہت مفصل ہے۔

یہ اس عہد کی تاریخی کتابوں کی مکمل فہرست ہے۔ ان میں سے ہم خلاصۃ التواریخ (نمبر ۱) لب التواریخ (نمبر ۲) تواریخ دل کشا (نمبر ۳) اور تاریخ کشمیر نرائن کول عاجز (نمبر ۱۲) کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔

## بندرا بن داس بہادر شاہی

**لب التواریخ ہند** | لب التواریخ ہند کا مصنف بندرا بن داس ولد رائے بھار مل تھا۔ رائے بھار مل پہلے پہل شاہ جہاں کے معمولی منشیوں میں ملازم ہوا لیکن اس کے بعد اپنی بے نظیر ذہانت، دیانت اور قوت عمل سے ترقی کرتے کرتے پنجاب کا دیوان مقرر ہوا۔ ۲۰ سن جلوس شاہ جہانی میں اس کو دوبارہ پائے تخت میں واپس بلا لیا گیا اور اس کو رائے ہزاری ذات کی عزت سے مفتخر کیا گیا۔ اس سے پہلے وہ شہزادہ دارا شکوہ کے ماتحت دیوان کمال کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔

بندرا بن داس کا اپنا بیان ہے کہ رائے بھار مل کی وفات کے بعد اورنگزیب نے اسے رائے کا خطاب دیا۔ محمد معظم بہادر شاہ کی شانزدہگی کے ایام میں ہمارا مصنف بعہدہ دیوان کام کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بندرا بن کو عام طور پر بندرا بن اس بہادر شاہی کہا جاتا ہے۔ مصنف کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایلیٹ کا بیان ہے کہ چونکہ مصنف ایسے حالات اور ایسے ماحول کا تربیت یافتہ تھا۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ اس کے مرتب کردہ حالات بہت حد تک عینی مشاہدات کا مجموعہ ہوں گے۔

۱۔ بندرا بن داس ادیب التواریخ کے لیے دیکھو ایلیٹ ج ۲۔ ص ۱۶۸، ریچ ج ۱۔ ص ۲۳۸

۲۔ امرتسر ہندو۔ ص ۵۔ خانی خاں۔ ج ۲۔ ص ۲۱۲، ج ۲۔ ص ۳۱۱، ۳۰۳

لب التواریخ ہندستان کی عمومی تاریخ ہے جو شہاب الدین غوری سے لے کر سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے مصنف نے اسی سال یہ کتاب ختم کی بعض اور قرائن کے پیش نظر کتاب کی تاریخ تالیف میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے لیکن ہر صورت میں کتاب کی تاریخ تصنیف ۱۰۵۷ھ کے درمیان تسلیم کرنی پڑے گی۔

یہ کتاب دس فصول پر منقسم ہے۔ ہر فصل کئی کئی شعبوں پر مشتمل ہے۔ ذیل میں کتاب کی سرسری فہرست مضامین پیش کی جاتی ہے۔

فصل اول : سلاطین دہلی      فصل دوم (۶ شعبہ) فرماںروایان دکن

” سوم : سلاطین گجرات      ” چہارم : فرماںروایان برہانپور

” پنجم : فاروقی سلطنت      ” ششم : حکام بنگال

” ہفتم : شرقی حکومت جونپور      ” ہشتم : آمرائے سندھ

” نہم : فرماںروایان ملتان      ” دہم : سلاطین و فرماںروایان کشمیر

بندوبست اس کتاب کے ویسا ہے میں لکھا ہے کہ سلاطین تک اورنگ زیب

کی حکومت میں بہت وسعت پیدا ہو گئی تھی اس لیے ایک نئی تاریخ مرتب کرنے

کی ضرورت محسوس ہوئی لہذا مصنف نے ایک مختصر سالہ لکھنے کا عزم کیا جس میں

عمداً اورنگ زیب کا حال زیادہ وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ لکھا جاسکے۔

گزشتہ تاریخ کے متعلق مصنف نے زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا ہے جو مصنف

کا سب سے بڑا ماخذ تھا۔ لیکن ... اسے ... اتک کے حالات ذرا تفصیلی ہیں۔

کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوبست نے فرشتہ کے علاوہ اکبر نامے اور

جہانگیر نامے کو بھی استعمال کیا ہے۔

خانی خان منتخب الباب میں اس تاریخ پر اظہار خیال کرتے ہوئے

لکھتا ہے:- کہ

”چوں سموع گر دید کہ بند را بن داس بہادر شاہی کہ مدت  
ہدے، درایام بادشاہزادگی مقصدی حضرت شاہ عالم بود۔ تاریخ تالیف  
نمودہ۔ در آں سوانح سی و چند سال را با حاطہ بیان در آورده است۔  
از استماع آں بغایت مشغوف گشتہ۔ در بہم رسانیدن آں تاریخ  
نہایت تفحص بکار بُرد۔ بعدہ کہ بسی بسیار آں نسخہ را بدست آورده  
بامید آنکہ از خرمن اندوختہ او خوشہ چینی نماید از روتی  
غور من اولہ الی آخرہ بمطالعہ در آورده نصف آنچہ راقم الحروف  
جمع ساختہ دریں اوراق با حاطہ بیان در آورده بہ نظر  
نیامد۔“

ہمارا خیال ہے کہ صاحب منتخب کی رائے درست ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ  
جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے محض فرشتہ کا خلاصہ ہے۔ لیکن عصری تاریخ میں لب التواریخ  
خاصی قدر وقیمت رکھتی ہے۔ صاحب منتخب جو تقریباً ایک صدی کے فاصلے  
پر لب التواریخ کی عینی شہادتوں کے مقابلے میں زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔  
ایک اور امر جو خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہ تاریخ ہماری معلومات  
کے مطابق سب سے پہلی عمومی تاریخ ہے جو ایک ہندو کے قلم سے نکلی ہے۔  
میر سکاٹ نے ”تاریخ دکن“ کی ترتیب میں اس سے نہایت فائدہ اٹھایا ہے اور  
المیٹ اور ڈوسن نے اس کے بعض اقتباسات کے تراجم اپنی تاریخ ہند میں  
شامل کیے ہیں۔

بند را بن کا انداز تحریر سادہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان پر  
مصنف کو کافی قدرت تھی۔

## سجان رائے بٹالوی

**خلاصۃ التواریخ** | اس تاریخ کا مصنف سجان رائے بٹالوی تھا وہ ذات کا کھتری اور متصدی پیشہ تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ ان کے خاندان میں قانون گوئی وراثتاً رائج تھی۔ مصنف نے اس کتاب میں اپنا نام تک بھی نہیں لکھا۔ اگرچہ زبان اور بعض اور قرآن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف ضرور کوئی ہندو ہوگا۔ سجان رائے کو بعض اوقات غلطی سے سجان رائے، سحاب رائے، سجان رائے وغیرہ بھی پڑھ دیتے ہیں۔

خلاصۃ التواریخ سے جو حالات معلوم ہو سکے ہیں وہ صرف اتنے ہی ہیں کہ مصنف بٹالہ میں پیدا ہوا، کابل کا سفر کیا، ٹھٹھہ اور بنجور کی سیروساحت کی، خاندانی پیشہ منشی گری تھا۔

سجان رائے کی ایک اور تصنیف خلاصۃ المکاتیب سے معلوم ہوا کہ سجان رائے کا ایک بیٹا رائے سنگھ تھا۔ مولانا امان اللہ حسینی جو اس عہد کے ایک بڑے فاضل تھے مصنف کے دوست تھے۔ سجان رائے سن ۱۱۱۷ھ تک شاہی ملازمت سے مستعفی ہو چکا تھا۔

سجان رائے کی تصانیف صرف دو تک ہی محدود ہیں (۱) خلاصۃ التواریخ (۲) خلاصۃ المکاتیب جو فن انشا و نشر میں ایک مبسوط کتاب ہے اور رائے سنگھ کی خاطر لکھی گئی تھی۔

ہندوؤں کی تمام تاریخوں میں سے صرف خلاصۃ التواریخ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر مشرق اور مغرب کے متعدد فضلاء نے اپنی توجہ مبذول کی

ہی۔ غالباً اس کتاب پر سب سے پہلا مضمون میجر نساؤ لیر کے قلم سے نکلا اور جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں طبع ہوا (سلسلہ جدید - ج ۳) ایلیٹ نے "ہندستان کی کہانی اس کے اپنے مؤرخوں کی زبانی" میں ایک پرمغز مضمون لکھا۔ مگر وہ مضمون ذرا جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے اور صاحب مضمون نے رائے کے اظہار میں بہت سختی سے کام لیا ہے۔ ایچ بیورج نے بھی اس کتاب پر ایک بلند پایہ مضمون لکھ کر ایشیاٹک سوسائٹی کے جلسے میں پڑھا۔ اس مضمون میں اگرچہ بعض اوقات بے معنی تاویلات سے کام لیا گیا ہے لیکن بحیثیت مجموعی یہ مضمون بہترین ہے۔ موجودہ مصنفین میں سے پروفیسر جادونا تھ سرکار نے اس کے بعض ضروری حصص کا ترجمہ کیا ہے اور اپنی کتاب "ہندو عہد اور نگ زیب میں" شامل کیا ہے۔ پرنسپل محمد شفیع صاحب ایم۔ اے کا لکھا ہوا ایک مختصر سا شذرہ "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" میں بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ برٹش میوزیم لندن اور بائیکا پور لائبریری کی کتب پر مخطوطات میں کتاب پر اچھی بحث کی گئی ہے۔

خلاصہ اور مختصر التواریخ | ایلیٹ صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ایک شرمناک سرقت ہے اور اس کے مطالب ایک اور تاریخ سے جس کا نام مختصر التواریخ ہے چرائے گئے ہیں۔ ایلیٹ صاحب کی برہمی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سجان رائے نے بہت سی نئی اور پُرانی کتابیں اپنے ماتخذیں گنائی ہیں لیکن جس کتاب کو وہ حرف بحرف نقل کرتا ہے اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔ اب ذرا اس مختصر کی حقیقت بھی سن لیجیے۔ ایلیٹ صاحب کو ایک نام تمام سی کتاب کہیں سے دستیاب ہوئی جس کا آغاز تھا نہ انجام۔ اس پر مختصر التواریخ لکھا ہوا تھا، عبارت بہت حد تک خلاصہ التواریخ سے ملتی تھی۔

المیٹ صاحب کو خیال ہوا کہ یہ کوئی پُرانی کتاب ہو جو جہانگیر کے زمانے تک آتی ہو اور سجان رائے نے اس کتاب کو بلا تذکرہ نقل کیا ہو اور یہ ایک "شرم یا ک فعل" ہو۔ اب اگر اس معنی پر غور کیا جائے تو تین صورتیں داغ میں آتی ہیں۔ اولاً ممکن ہو کہ یہ دونوں کتابیں سجان رائے کی ہوں اور مختصر خلاصۃ التواریخ کا ابتدائی خاکہ ہو۔ دوم یہ کہ کسی کتاب نے خلاصۃ التواریخ کو لکھ کر یا اس کا خلاصہ تیار کرتے ہوئے اس پر "مختصر" کا لفظ لکھ دیا ہو۔

سوم ممکن ہو مختصر کے مصنف نے خلاصہ سے سر قلم کیا ہو اور وہ ثانی الذکر سے مؤخر ہو۔ پہلی صورت کی تائید میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سجان رائے نے کتاب کو آخری شکل میں دیکھنے سے پہلے کئی دفعہ لکھا نیز جہاں وہ اپنی کتاب کی غرض و غایت پر بحث کا آغاز کرتا ہو وہاں وہ اس کو "مختصر" متضمن احوال فرماں روایان ہاشمی کے نام سے یاد کرتا ہو۔ ریو نے برٹش میوزیم مخطوطات کی فہرست میں اس صورت کی تصدیق کی ہو۔ دوسری شکل وہ ہے جس کا وقوع عام طور پر ہوتا ہو چنانچہ کتابوں کی انہی سب پر دانیوں سے حافظ خیام وغیرہ کے اشعار غلط طور پر دوسرے شعرا کے نام کے ساتھ منسوب ہو گئے ہیں تبسری صورت کو یورج ... نے پیش کیا ہو اور اس کے لیے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ اب شکل یہ ہو کہ مختصر کا کوئی اور نسخہ موجود نہیں اس لیے ہمیں پہلی دو صورتوں میں سے کوئی ایک قرین قیاس معلوم ہوتی ہو۔

المیٹ کے مقابلے میں نساؤلینہ صاحب نے دوسری انتہا کو اختیار کیا ہو وہ کہتے ہیں کہ آرائین مختل کے مصنف نے خلاصۃ التواریخ کے مضامین کا سر قلم کیا ہو۔ حالانکہ شیر علی افسوس نے اس کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہو کہ یہ کتاب خلاصہ پر مبنی ہو۔ افسوس نے بعض بعض مقامات سے اس کی تصحیح بھی کی ہو اور

اس کے مضامین پر اضافہ کیا ہے۔

**خلاصہ کے مضامین** | یہ تاریخ قدیم زمانے سے لے کر اورنگ زیب کی تخت نشینی تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ایک پُر مغز دیباچہ ہے جس میں مصنف ۲۸، ۲۷ کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو ترتیب کے وقت پیش نظر تھیں۔ اس کی تدوین میں دو سال کا عرصہ صرف ہوا اور شاہ کو پایہ تکمیل کو پہنچی اور رنگ زیب کی جانشینی کے ساتھ کتاب دفعتاً ختم ہو جاتی ہے لیکن بعض قلمی نسخوں کے آخر میں اورنگ زیب کی تاریخ وفات بھی درج ہے جو الحاقی معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے ہندوؤں کے مذہبی اعتقادات، ان کے مختلف فرقوں کے حالات ہیں، پھر شہروں کے حالات ہیں۔ اس کے بعد ہندوستان کے صوبوں کا جغرافیائی حال ہے۔ اس کے بعد ہشتر سے لے کر عہد اسلامی تک ہندو راجاؤں کے حالات ہیں۔ پھر سیکٹلیں سے لے کر بہلول لودھی تک کے واقعات دیے ہیں۔ آخر میں بابر سے لے کر اورنگ زیب تک مغلیہ سلاطین کے حالات دیے ہیں۔

ہندوؤں کا عہد کتاب کے پہلے حصے کے برابر ہے۔ اس میں ہندوستان کی پیداوار، مشہور شہروں کا حال اور ہندوستان کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ مصنف پنجاب کا باشندہ تھا اس لیے صوبہ لاہور یا پنجاب کا حال زیادہ مفصل ہے۔ مغلوں سے پہلے جو سلاطین حکمران رہے ان کا حال بہت معمولی ہے اور چنداں وقیع نہیں زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ البتہ شیر شاہ کے حالات میں مصنف نے اپنی آزادی رائے کا کافی ثبوت دیا ہے اور اکبر نامہ وغیرہ کا تتبع نہیں کیا۔ غزنوی سلاطین میں سے صرف سات کا ذکر کرتا ہے مغل بادشاہوں کے حالات زیادہ مفصل ہیں لیکن شاہ جہاں کا عہد بہت حد تک تشہ ہے اور ناظرین کی توجہ کو وارث کے شاہ جہاں نامے کی طرف مبذول کیا ہے۔ شاہ جہاں کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لیے جو جنگ ہوئی



اس کا حال زیادہ مفصل ہے۔ صوبائی آزاد حکومتوں کا ذکر مستقل ابواب و فصول میں نہیں کیا بلکہ جس بادشاہ کے عہد میں ان کا الحاق مرکزی حکومت سے ہوا اس کے ساتھ ہی ضمنی طور پر ان کا بھی مختصر سا ذکر کر دیا گیا ہے۔ تحریر کا انداز یہ ہے کہ نشر کے ساتھ شہد اور فرد بکثرت لائے گئے ہیں اور تاریخی عبارتوں میں بعض غیر متعلق مضامین بھی آجاتے ہیں جو حقیقت میں بہت مفید معلومات سے مملو ہوتے ہیں۔ اگرچہ تاہم غم کے نقطہ نگاہ سے یہ انداز نگارش زیادہ پسندیدہ نہیں خیال کیا جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں بعض اوقات ایسے بیانات آجاتے ہیں جن کا تعلق بہت بعد کے زمانے کے ساتھ ہے۔ مثلاً برٹش گورنمنٹ کا ذکر، کلکتہ کی عمارتوں کا ذکر وغیرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضامین الحاقی ہیں۔

خلاصہ التواریخ کے دو ضمیمے بھی ہیں جن سے ایک تو جو کشن داس مہرہ کا لکھا ہوا ہے اور دوسرا کسی غیر معلوم مصنف کا ہے۔ ان دونوں ضمیموں میں ایک صدی بعد تک کے حالات درج ہیں۔

**خلاصہ کی اہمیت** | ہجرت و کنیر اس کتاب کے بے حد مداح ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہندستان کی بہترین اور عمدہ ترین تواریخ

میں سے ایک ہے۔ ایلینٹ صاحب اگرچہ اس کتاب کی قدر و قیمت کے قابل ہیں لیکن انھیں یہ شکایت ہے کہ یہ سرقہ ہے۔ اس لیے وہ اس کے متعلق کوئی عمدہ رائے نہیں رکھتے۔ خان بہادرمولوی عبدالمتقدر خان صاحب بانکی پور لائبریری کی فہرست میں کہتے ہیں کہ جو کچھ اس میں ہے وہ فرشتہ میں بھی ہے۔ نیز ان کا خیال ہے کہ مصنف نے جتنی کتابوں کو ماخذ میں شمار کیا ہے ان سب کو نہیں دیکھا ہوگا۔

بیورج ..... لکھتے ہیں:-

”یہ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم سجان رائے کو ”ہندی ہیروڈوٹس“ کہہ کر پکاریں۔ اس لیے کہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں صحیح اور دلکش تاریخ نگاری کے عناصر موجود ہیں اور دونوں غیر جانبدار مؤرخ ہیں۔ گارساں دی تاسی اسی لیے اس کتاب کو فرشتہ پرترنج دیتا ہو۔“

لیکن ہم نہ تو سجان رائے کو ہیروڈوٹس کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اور نہ فرشتہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں بلکہ سجان رائے کی تاریخ کی اصلی خوبیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ سجان رائے نے فرشتہ سے بہت کچھ اخذ کیا ہے بلکہ اگر یہ کہیں کہ سب کچھ فرشتہ سے مانو ذہر تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن سجان رائے کی جغرافیائی معلومات شہروں کے حالات، ملک کی پیداوار اور اس قسم کی باتیں فرشتہ میں نہیں ملتیں۔ فرشتہ نے صوبجاتی حکومتوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ سجان رائے نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کی غرض و غایت اس قدر مختلف ہے کہ ان کا مقابلہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ سجان رائے میں آزادی رائے اور دیانت کا جوہر معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور چیز جو اس کتاب میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے یہ ہے کہ مصنف کے قلب میں اپنی قومیت کا زبردست احساس موجود ہے جو باوجود ضبط کے نمایاں ہو کر رہتا ہے۔ شخصی حکومتوں میں اس خودداری کی توقع بہت کم ہوتی ہے لیکن ہمارا مصنف اپنی رائے اور رجحانات کا باقاعدہ اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں کہا تھا کہ بعض امور ایسے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ہندو ہے۔ حالانکہ المیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ کتاب میں کوئی ایسی چیز نہیں (بجز بکرمی سن کے) جو مصنف کے ہندو ہونے پر دلالت کرتی ہو۔

مذہب کے متعلق جس طریق سے سجان رائے نے اظہار خیال کیا ہے وہ مسلمانوں سے مختلف ہے۔ راجہ ٹوڈرل کا تفصیلی ذکر، ہندو عہد کا مبسوط تذکرہ یہ سب امور ایلپیٹ صاحب کی تردید کر رہے ہیں۔

پروفیسر سرکار نے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ سیر المتآخرین و اخبار محبت کے مصنفین نے اس کتاب کے اکثر حصوں کو بلا اعتراف اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں مع حواشی و مقدمہ، خان صاحب ظفر حسن خان کی کوششوں سے بمقام دہلی طبع ہو چکی ہے۔

خلاصہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ہندو مصنف کی پہلی قابل قدر پُر از معلومات اور مفید تصنیف ہے۔ یہ تصنیف ہندستان کی اچھی تاریخوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ مالی جمع و فرج کے جو اعداد و سجان رائے نے دیے ہیں ان میں سے بعض تو وہی ہیں جو آئین اکبری میں ہیں اور بعض مصنف نے اپنے زمانے کے مطابق لکھے ہیں۔ الغرض اس لحاظ سے بھی یہ کتاب جدید معلومات کی حامل ہے۔

اولیاء کے حالات میں اور شہروں کے ذکر میں سجان رائے نے بازاری نقصوں اور گتوں پر اعتبار کیا ہے۔ چڑیلوں اور دیوؤں کے حالات دیے ہیں جو سراسر خلاف عقل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیر علی افسوس نے بھی خلاصہ کے اس پہلو پر بہت نکتہ چینی کی ہے۔

اس کے باوجود معاشرت اور تہذیب و تمدن کے بہت سے اشارات اس کتاب میں دستیاب ہوتے ہیں جو غالباً دیگر کتابوں میں نہیں۔ اس کے ساتھ

کتاب مختصر اور دلچسپ ہے۔

سجان رائے کی تحریر سادہ نہیں ہوتی اور اس عہد کے عام مؤرخین اور منشیوں کی طرح اس کی عبارتوں میں بھی مشکل الفاظ ملتے ہیں۔ نشر کے ساتھ ساتھ اشعار بکثرت لائے گئے ہیں۔ خلاصۃ الکاتب اور موجودۃ تاریخ میں بعض ایسے مشترک محاورات اور ترکیبیں ہیں جن کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار کی رائے اس کے انداز تحریر کے متعلق اچھی نہیں لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں یہی چیز سب سے زیادہ پسندیدہ خیال کی جاتی تھی تو پھر خلاصۃ التواریخ سے خاص طور پر شکایت نہیں رہتی۔

## بھیم سین ولد رگھونندن داس

تاریخ دل کشا | یہ تاریخ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت سے لے کر شاہ عالم کے زمانے تک کے حالات مشتمل ہے۔ اس کتاب کا مصنف بھیم سین ولد رگھونندن داس بمقام برہانپور ۱۰۵۹ھ میں پیدا ہوا اور دیانت رائے عالمگیر شاہی کا بھتیجا تھا۔ جب بھیم سین آٹھ سال کا ہوا تو وہ اورنگ آباد میں اپنے باپ کے پاس چلا گیا۔ وہاں فارسی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اپنے باپ کی جگہ بطور قائم مقام کام کرتا رہا اور آخر کار مختلف لوگوں کی ملازمت میں رہ کر دلپت رائے بناریہ کے ہاں ملازم ہو گیا۔ دکن کی لڑائیوں میں بہت حصہ لیا۔ یہ دلپت رائے بناریہ اورنگ زیب کے ملازمین سے تھا اور محمد اعظم اور محمد معزم کی جنگ میں اول الذکر کا حامی تھا۔

۱۔ اس کتاب کا حال میں نے سر جادو ناتھ سرکار کے ایک مضمون سے لیا ہے جو انھوں نے اس

کتاب کے متعلق لکھا ہے (راڈن ریویو ۱۹۱۹ء) (ج ۲، ص ۱۱۷-۱۱۸) ج ۱، ص ۲۷۱

دل کش کا مفصل حال پر ڈوفیسر جادونا تھ سرکار نے ماڈرن ریویو میں لکھا ہے مصنف نے اپنے خاندان، اپنی تعلیم اور مختلف حالات زندگی کو اس تاریخ میں اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔ ہم دل کش کی اہمیت کے متعلق پروفیسر صاحب کی رائے کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں:-

”اگرچہ مائٹر عالمگیری جزئی حالات، افراد و اشخاص کے ذکر اور جغرافیائی بیانات کے لیے بہت مفید ہے۔ نیز اس میں مختلف منصب داروں کی تفصیل ان کے تغیر و تبدل کی کیفیت اچھی طرح سے بیان کی گئی ہے۔ تاہم مورخ مذکور ان واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتا۔ نیز واقعات پر ماحول کے اثرات کو واضح نہیں کرتا اور نہ ملک کی اندرونی معاشرت اور عوام کی زندگی ہی پر کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ ان سب امور کے لیے تاریخ دل کش“ ایک بہترین مجموعہ معلومات ہے۔ کتاب کی اصل قدر و قیمت کا راز اس میں ہے کہ یہ عینی مشاہدات پر مبنی ہے۔ وہ معمولی باتیں جنہیں درباری تاریخیں اکثر نظر انداز کر دیتی ہیں۔ یہاں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ کتاب سیلوں، تفریح کے مشاغل، شرکوں کی حالت، رسوم و رواج، منصب داروں اور عہدہ داروں کی معاشرت کے اسرار کو نہایت اچھی طرح سے بے نقاب کرتی ہے۔ دل کش کا طرز بیان سلیس اور عام فہم ہے۔ وہ واقعات کے بیان کرنے میں خلط و محبت کا مرکب نہیں ہوتا جو ایک مورخ کا ضروری وصف ہونا چاہیے۔ جے سکاٹ صاحب نے اس کتاب کا لمخص ترجمہ کیا ہے ۵

## نراین کول عاجز

تاریخ کشمیر | اس کتاب کا مصنف نراین کول عاجز تھا۔ جس نے عارف خاں

صوبہ دار کشمیر کی فرمائش پر ۱۱۲۲ھ میں اسے مرتب کیا۔ اس سے پہلے کشمیر کی بہت سی تاریخیں لکھی گئی تھیں۔ یہ کتاب ان پر خاص فوقیت تو نہیں رکھتی لیکن تاریخی مواد کو اس نے نئے انداز سے مرتب کیا ہے۔ واقعات کشمیر کا درجہ اس سے بہت بلند ہے۔ اولیا و صلحا و علما کے سوانح کی وجہ سے ملک حیدر کی تاریخ عام لوگوں کے مطالعے کے لیے موزوں نہیں۔ اس کتاب میں کشمیر کے واقعات کو دلچسپ اور مسلسل تاریخی کہانی کے رنگ میں مرتب کر دیا ہے۔

اگرچہ اس کتاب کا مصنف دیباچے میں کہتا ہے کہ ”واقعات را بفارسی بیج خالی از تکلیفات مترسلانہ و رعایت اختصار و ایجاز بقلم عجز رقم آوردہ“ لیکن عبارت کوئی زیادہ سہل نہیں اور کتاب چونکہ راج ترنگنی کا ترجمہ ہے۔ اس لیے اس میں ترجمے کے جملہ نقائص موجود ہیں۔

## انشا اور منشی

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اس عہد میں فن انشا کو بہت ترقی ہوئی۔ منشیان عہدیں (جو صاحب تصنیف بھی تھے) ہر کرن، برہمن، مادھورام، ملک زادہ منشی اور منشی اوو کو راج (طالع یار) کے نام لایق ذکر ہیں۔ ان میں سے چند رجھان برہمن بہت نامور ہیں جنہاںچہ ان کا مفصل حال ذیل میں آئے گا۔ باقیوں کے متعلق بھی تفصیل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جامع الانشا بھاگ چند (۱۱۰۰ھ)، خلاصۃ الانشا (۱۱۰۲ھ)، خلاصۃ المکاتیب سبحان رائے (۱۱۱۰ھ)، اور شش جہت روپ نراین (۱۱۲۱ھ) کی طرف محض اشارہ کرتے ہوئے اہم منشیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## ہرکرن

انشاء ہرکرن<sup>۱</sup> مصنفہ منشی ہرکرن ولد متھرا داس کنہوہ ملتان ۱۳۱۵ء و  
 ۱۳۲۲ء ہرکرن عہدِ جہانگیر میں نواب اعتبار خاں کا منشی  
 تھا جو ۱۳۱۰ء میں اکبر آباد کا صوبہ دار تھا۔ یہ کتاب بہت اہم خیال کی جاتی ہے  
 جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت محسوس ہوئی تھی تو انھوں نے  
 اس انشا کو پیش نظر رکھا تھا اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا۔

## چندر بھان برہمن

منشآت برہمن<sup>۲</sup> چندر بھان کا والد دھرم داس لاہور کا باشندہ تھا اور ملازمت  
 شاہی میں پیشہ متصدی سے روزی حاصل کرتا تھا مصنف  
 تذکرہ حُسنی کا بیان ہے کہ دھرم داس کا وطن اہلی اکبر آباد ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ  
 چندر بھان لاہور کا باشندہ تھا جس کو غلطی سے بیل صاحب نے پیار سے تعبیر  
 کیا ہے۔ مرآۃ الخیال میں اسے "چندر بھان زتار دار" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔  
 ابتدائی تعلیم ملا عبد الحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے سے

۱۔ ریو ج ۲۔ ص ۵۳۰، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ مضمون "ہرکرن" از بلو شے

ج ۲۔ ص ۲۷۷

۲۔ عل صالح (نئی پنجاب یونیورسٹی) وق ۱۳، ۱۳۷۷ء تذکرہ حُسنی (قلی) ق ۵۴

۳۔ بیل کی ڈکشنری مشاہیر طبع (۱۸۹۲) ص ۱۲۷ مرآۃ الخیال (قلی) ق ۱۲۸

۴۔ نشر عشق (قلی) ج ۱، ق ۹۰ و ریو ج ۲، ص ۳۵۹

لے کر زمانہ ملازمت تک کے تفصیلی حالات نہیں ملتے عملِ صالح میں لکھا ہے کہ برہمن پہلے امیر عبدالکریم میر عمارت لاہور کی ملازمت میں داخل ہوا چندر بھان کا بھائی اودو بھان شاہ جہاں آباد کے ناظم عاقل خاں کے دفتر میں نوکر تھا سب سے پہلے برہمن کو شاہ جہاں سے ملنے کا اتفاق غالباً یہیں ہوا۔ چندر بھان امیر عبدالکریم میر عمارت کی ملازمت چھوڑ کر کچھ مدت بعد افضل خاں وزیرِ کل کی ملازمت میں منسلک ہوا لیکن افضل خاں کی وفات (۱۶۸۷ء) نے اسے ایک جاں نثار مہتمی سے محروم کر دیا۔ بعد ازاں اس کو شاہی ملازمت میں منشی گری کے کام پر مامور کر دیا گیا تاکہ وزرا اور دیگر افسرانِ اعلیٰ کی تحریریں معاونت کرے۔ دارا شکوہ کو برہمن کی طرزِ تحریر نہایت پسند تھی چنانچہ دارا شکوہ کی زندگی بھر برہمن اس کا منشی خاص رہا۔ دارا کے مرنے کے بعد برہمن نے عزت گزینی کر لی اور بمقام تدارستہ میں فوت ہوا۔

منشآت برہمن سے معلوم ہوتا ہے کہ چندر بھان کے تین بھائی اور بھی تھے جن میں سے ایک اودو بھان عاقل خاں کے دربار میں متصدی تھا۔ باقی دو بھائی رائے بھان واندو بھان تعلقاتِ دنیوی سے علیحدہ ہو کر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے رہے۔ برہمن کے تعلقات ان کے ساتھ نہایت خوش آئند تھے چنانچہ اپنے خطوط میں ان کے متعلق نہایت عزت و احترام کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ منشآت میں ایک خط ہے جو برہمن نے اپنے فرزند تیج بھان کے نام لکھا تھا۔

لے دیو ج ۳ ص ۱۳، ۱۴ نشر عشق بحوالہ سابق برہمن نے چارچین میں افضل خاں کی غلامی کا منقل تذکرہ کیا ہے۔ ۱۵ ایضاً: چارچین کے بیان کے مطابق تقسیم اور موازنہ ممالک محروسہ کی خدمت بھی برہمن کے سپرد تھی ۱۶ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخہ ہے۔ منشآت برہمن



اس ایک بیٹے کے علاوہ برہمن کی کسی اور اولاد کا حال معلوم نہیں۔

بیل صاحب لکھتے ہیں کہ برہمن نے بمقام آگرہ ایک نہایت اچھی رہائش گاہ تیار کی تھی لیکن اب اس کے آثار ناپید ہیں۔ اُمراء ہندو میں لکھا ہے کہ اب تک آگرہ میں ایک باغ، باغ چندر بھان کے نام سے مشہور ہے۔ تفریح العمارات میں برہمن کی بہت سی عمارتوں کا ذکر ہے۔

برہمن نہایت تسلیم المزاج، صوفی مشرب اور صلح کُل ہندو تھا۔ عمل صالح میں لکھا ہے کہ ”ہر چند بصورت ہنر و دست لیکن دم در اسلام مے زند“ اپنی تحریرات میں ہندوانہ مراسم کا نہایت عزت سے ذکر کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ”زار دار“ کہنا پسند کرتا تھا۔ اُس کی طبیعت میں ایک گداز تھا۔ کہتے ہیں اس کی آنکھیں ہر وقت تر رہتی تھیں، ابنار نوع کے ساتھ ہمدردی بے حد تھی منشآت میں بے شمار ہندوؤں کے نام ملتے ہیں جن کی ہمدردی میں برہمن نے امراء و عمائد کو سفارشی خط لکھے ہیں۔ جن میں ان کے حالات کی پریشانی اور قابلیت پر زور دیتے ہوئے امانت کی درخواست کی ہے۔ داراشکوہ برہمن کی بے حد قدر افزائی کیا کرتا تھا۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ برہمن نے ایک غزل لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا

مرادے ست بکفر آشنائے چندیں بار  
بکعبہ بردم و باز شش برہمن آوردم

داراشکوہ کو یہ غزل بے حد پسند آئی۔ اس غزل کو لے کر وہ شاہ جہاں کے پاس حاضر ہوا بادشاہ کی طبیعت اس وقت کچھ آزرده تھی۔ یہ شعر سن کر اور مضطرب ہوئی۔ اُمراء لطائف الحیل سے بادشاہ کی طبع کو تسکین دی اور شاہ زادے

لے صفحہ ۷۳ بیل بجالہ سابق ۷۳ تفریح العمارات (ملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب)

ص ۱۲۹-۱۳۰ محمد علی صالح بجالہ سابق ۷۳ نسخہ ایندویشی لائبریری لے نشر عشق وغیرہ

سے کہا کہ اس قسم کے اشعار پیش کرنے سے احتراز کیا کرے۔ اگرچہ روایت کی صحت میں کچھ کلام ہے مگر یہ امر بالکل مسلم ہے کہ برہمن کو داراشکوہ کے دربار میں خصوصیت حاصل تھی۔

برہمن کو خط شکستہ میں کمال حاصل تھا۔ تذکرہ خوشنویسان<sup>۱</sup> میں اس کے خط کی صفائی کی تعریف کی گئی ہے۔

یہاں تک برہمن کے وہ حالات ہیں جو مختلف تذکروں اور تاریخوں سے جمع کیے جاسکے ہیں۔ اب ہم ان کی تصنیفات کی ایک فہرست دیتے ہیں۔

منشآت کی ابتدا میں برہمن نے اپنی متعدد تصانیف کا نام لیا ہے مثلاً چہار چمن (۲) گلدرستہ (۳) تحفۃ الاولیاء (۴) نگارنامہ (۵) تحفۃ الفصحا (۶) مجموعۃ الفطران کے علاوہ (۷) منشآت اور (۸) دیوان۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور چہار چمن، منشآت اور دیوان ہیں۔ فارسی شعرا کا ایک تذکرہ بھی برہمن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ برٹش میوزیم کی مطبوعہ کتابوں میں "نازک خیالات" کے نام سے "آتم بھاس" ایک سکرٹ کتاب کے ترجمے کا ذکر ہے نیز خلاصۃ التواریخ میں مکالمات بابا لال کو برہمن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چندربھان کی نمایاں ترین خصوصیت اس کی انشا پر دازی ہے۔ چہار چمن کو تاریخی کتابوں میں شمار کیا گیا ہے۔

منشآت برہمن۔ چندربھان برہمن کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جو اس نے وقتاً فوقتاً شاہ جہاں، امرائے دربار، ہمسران عہد اور اپنے تعلقین کے نام مرقوم کیے ہیں۔ یہ زیادہ تر لشکر خاں اور فضل خاں وزیر کل کی طرف لکھے گئے ہیں، ان میں سے اکثر سفارشی خطوط ہیں مثال کے طور پر ذیل کے سماء لکھے جاتے ہیں جن کی قابلیت یا پریشانی حال

لے عمل صالح (رقعی) ق ۱۳، ۱۴ تذکرہ خوشنویسان ص ۵۵: تفریح انصارات (رقعی مندرجہ)

پروفیسر شیرازی صاحب، ص ۲۶، ۲۷ ادوئیس کالج میگزین، فروری ۱۹۲۷ء ص ۴۴ لکھ خلاصۃ التواریخ ص ۶

کی طرف توجہ دلائی گئی ہو۔ بھوپت رائے منشی، خواجہ انند روپ، ہر ناتھ برہمن، تلسی رام، خواجہ کھیم داس، اندر بھان، دیال داس، ملا محمد جان قدسی، گوپال داس منشی، پران ناتھ وغیرہ۔ ان ناموں کے پیش کرنے سے یہ مقصود ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں ہندو ملازمین اور ان کی فارسی دانی کی تاریکی ترقی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ آخر میں ایک آدھ خط اپنے دائرہ کے نام پر چند خطوط اپنے تارک الدنیا بھائیوں رائے بھان (اندر بھان) کے نام لکھے گئے ہیں۔ کچھ خطوط اپنے فرزند بیج بھان کو مخاطب کر کے تحریر کیے گئے ہیں جن میں اس کو فارسی عربی میں کمال حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

۱۔ برہمن کے یہ خطوط تاریخی حیثیت سے چنداں قابل وقعت نہیں البتہ فنِ انشا کے نقطہ نظر سے قابل قدر مجموعہ ہے۔

۲۔ تذکرہ حسینی کا مصنف لکھتا ہے کہ "دیوانے وانشائی بسیار سادہ یادگار گزاشتہ" عمل صالح میں لکھا ہے کہ وہ اپنی انشائیں ابوالفضل کا مقلد ہے لیکن میرے خیال میں یہ بیان صحیح نہیں۔ برہمن کی طرز نہایت سادہ ہے۔ بخلاف اس کے ابوالفضل نے فارسی میں نہایت مشکل اور پیچیدہ انداز تحریر کو غریب کمال پر پہنچا دیا تھا اس میں شبہ نہیں کہ برہمن کے سامنے ابوالفضل کی انشا موجود ہوگی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوان اقتاد طبع کے باعث وہ مشکل نگاری سے متنفر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ محمد صالح کے بیان کے مطابق ترسل وانشائیں مہارت رکھتا ہے اور اس کو نامہ طرازی اور مدعا پرداز میں پوری شوق و اشتیاق تھی لیکن اس کے باوجود اس کا انداز بالکل سادہ، تحلف و اغراق سے پاک، سلسل استعارات و تشبیہات سے خالی ہوتا ہے۔ کلمات اشعار کے مصنف کا بیان ہے کہ بطرز قدیم، شستہ و صاف و ہندواں

۱۔ تذکرہ حسینی (نظمی) ق ۲۵ ص ۱۳۔ عمل صالح (نظمی) ق ۱۷،

۲۔ کلمات اشعار (نظمی) ق ۹

غنیمت بود۔“ میرے خیال میں اس کے سب سے مشکل خطوط وہ ہیں جو اس نے تیج بھان اور اپنے تارک الدنیا بھائیوں کو لکھے ہیں۔ اگر ان کو غور سے دیکھو تو ابوالفضل وغیرہ کی نہایت ہی خفیف جھلک دکھائی دیتی ہے۔ لیکن ہم یہ فتویٰ کبھی نہ دے سکیں گے کہ اس کا انداز تحریر مشکل ہے اور بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلستاں کی عبارت پر مثلاً ”چوں جان بخشی او فرمودہ اندناں بخشی او کم از جان بخشی نیست“ وغیرہ وغیرہ (۲) ”رائے صائب رائے من، ہر چند کم تر یاد دے فرمایند، بیشتر بیا دے آئند۔“

۳۔ سادگی کے علاوہ ایک اور اہم قابل غور ہے کہ اس کے رسائل و رقعات نہایت مختصر ہیں۔ القاب و آداب میں شان و شوکت نہیں بلکہ اس کی جگہ سلاست اور سادگی پائی جاتی ہے۔ اگر ایک طرف ابوالفضل، ملا عنایت اللہ کنہوہ، ملا منیر اور دوسرے منشیان عہد کے خطوط رکھو اور دوسری جانب برہمن کے، تو یقیناً دورِ حاضر کا ایک تعلیم یافتہ آدمی برہمن کے خطوط کو بلحاظ سادگی اور ایجاز کے ترجیح دے گا۔ مثال کے طور پر ذیل کے القاب جو مختلف الحال مکتوب الیہ کی طرف لکھے گئے ہیں لکھے جاتے ہیں:-

۱۔ فضل خان کے نام بہ خان شہامت نشان سلامت

۲۔ ” کے نام = نقاۃ دودمان مجد واعتلا

۳۔ راجہ ٹوڈر مل شاہ جہانی کے نام = راجہ والا منزلت سلامت

۴۔ راجہ محل چند کے نام = رائے صائب رائے من

۵۔ والد کے نام = قبلہ حقیقی سلامت

۶۔ بھائی کے نام = برادر غمخوار من

۷۔ فرزند کے نام = معلوم فرزند ارجمند خواجہ تیج بھان باد

۸۔ تحریر میں ہندوانہ عقاید کا رشتہ نہیں چھوڑتا۔ مثلاً یہ لکھنا ہو کہ ”فلاں کے

منہ یہ سب اقتباسات منقذات برہمن سے لیے گئے ہیں۔

نشان عبادات و اطاعت برجیں ورشتہ عقیدت در گلو دارد“ برہمن اکثر مقامات پر اسے یوں ادا کرتا ہے۔ ”برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص برجین و زنا عقیدت در گلو دارد۔ اس کا ایک شعر ہے:-

مرا برشتہ ز نارا لفتے خاص است  
بہ یادگار من از برہمن ہمیں دارم

## منشی مادھورام

منصفہ منشی مادھورام (تقریباً ۱۱۲۰ھ) یہ اورنگ زیب کے انشا مادھورام | زمانے میں لطف اللہ خاں نائب صوبہ دار لاہور کا منشی تھا۔ کچھ عرصے کے لیے وہ شاہ زادہ جہاں دار شاہ کا ملازم بھی رہا۔ کتب کو بھی بہت شہرت حاصل ہے حالانکہ اس کا انداز بیان نہایت تکلیف دہ اور ناگوار سا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادھورام اپنے آقا کی انشا سے بہت متاثر تھا۔ آثار الامرا میں لطف اللہ خاں کے متعلق لکھا ہے:-

”محاورہ و مکالمہ بالفاظ غیر مانوس کہ محتاج بفرہنگ و

قاموس بودے و آن دور از سلاست و روانی ست (بسیار داشت۔

عبارت ہائے ساختہ و تراکیب بہ تکلف تراشیدہ و می زبان زد مردم ست“

ہم یہاں مادھورام کی انشا سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:-

”ز نام اہمال بہام انام، بقضہ اقتدار آں مرجع خاص و

عام باد بعد از شوق و غرام، ادعیدہ اجابت التیام، توسن خوش غرام،

لے ایشیا کمک سوسائٹی بنگال فہرست مخطوطات۔ ایوناف (کرزن کا لکیشن)، عدد ۱۵۰

لے آثار الامرا ج ۳۔ ص ۱۴۱ لے آثار الامرا ج ۳۔ ص ۱۴۵ لے نسخہ پنجاب یونیورسٹی (تمی) ق ۶

جامہ مشکفام، بوجہ مدعا طرازی سبک گام مے گرد دکہ در سوابق  
 آیام خطے مشعر استعلام خبر خیر انجام خدام ذوی الاحترام سیٹھ  
 بینی رام خیر ارقام در آدہ۔ جو البش باد وصف مبالغہ و ابرام بتعاقب  
 آن سلیم الطبع موزوں کلام کہ ازین رہ گزر خاطر مستہام مورد اقسام تردد  
 و آلام مے باشد۔

اس اقتباس میں مہام، زمام، التیام وغیرہ ہم قافیہ الفاظ کی رعایت  
 خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے جو یقیناً سلاست اور روانی میں زبردست سند راہ  
 ہے۔ اگرچہ اس سے ذخیرۃ الفاظ کی فراوانی کا پتا چلتا ہے۔ یہ انشا گزشتہ صدی  
 تک بطور نصاب پڑھائی جاتی رہی ہے۔

## ملک زادہ منشی

مصنف ملک زادہ منشی (سنہ ۱۱۸۵ھ) یہ عہد شاہ جہانی کا ایک زبردست  
 نگار نامہ منشی تھا۔ غالباً مصنف کا نام منشی لعل چن تھا لیکن عام طور پر اس  
 کو ملک زادہ ہی کہا جاتا ہے۔ منشی موصوف مدت تک شہزادہ مخم کے پاس ملازم  
 رہا کچھ عرصے تک بشارت خاں کا متصدی رہا۔ نگار نامہ اور کارنامہ کے آغاز میں  
 مصنف نے اپنے حالات مفصل دیے ہیں۔ نگار نامہ دو دفاتر پر مشتمل ہے۔ پہلے دفتر  
 میں اپنی منشآت ہیں اور دوسرے دفتر میں دوسرے منشیوں کی تحریرات ہیں۔  
 اس کتاب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دیباچے میں بعض اہم  
 مضامین پر بحث ہو مثلاً انشا کا مقصد، اس کی غرض و غایت، اس کی ترقی اور  
 عروج، ہندستان کے بہترین منشی، عہد شاہ جہانی اور عالمگیری کے اعلیٰ انشا نگار

منشی کے فرائض اس کی ضروریات وغیرہ پر پوری بحث ہو۔  
نگارنامے میں عہدِ عالمگیری کی بعض اہم دستاویزات محفوظ ہیں جن کی وجہ سے یہ نسخہ بہت قابلِ قدر بن گیا ہے۔

## منشی اودھے راج

ہفت انجن  
مصنف منشی اودھے راج رستم خانی (۱۱۱۰ھ) منشی اودھے منشی راج  
اودھ زب کے زمانے میں مسلمان ہو گیا تھا بنگالہ نامے میں منشی  
اودھے راج کو اعلیٰ منشیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس انشا کی ترتیب اودھے راج  
(طاح یار) کے فرزند حمایت یار کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ ہفت انجن سات ابواب  
پر منقسم ہے۔ سب سے ضروری حصہ وہ ہے جس میں مرزا راجہ جی سنگھ کے خطوط ہیں۔  
سرمجاد و ناقہ سرکار نے اس کتاب کو مرہٹوں کی لڑائیوں اور مرزا راجہ جی سنگھ کے  
حالات کے لیے بہت مفید پایا ہے۔ طاح یار کا اندازِ بیان نہایت عمدہ ہے البتہ  
حمایت یار کا دیباچہ تصنع اور تکلف سے خالی نہیں۔

منشی اودھے راج پہلے رستم خان فیروز جنگ کا سکرٹری تھا (مقتول ۱۱۶۵ھ)  
ماثر الامرا ج ۲۔ ص ۲۷۰) رستم خان کے قتل ہونے کے بعد مرزا راجہ جی سنگھ کا ملازم  
ہو گیا (ماثر الامرا ج ۳۔ ص ۵۶۸) جو سیکندر علیہ میں راہ گرائے عالم فانی ہو گیا۔ اس  
کے بعد اودھے سنگھ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا اسلامی نام 'طاح یار' قرار پایا۔ عالمگیر  
نے اسے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔ سید محمد فتوحی کے مریدوں میں منسلک ہو کر اس نے  
اپنے آپ کو قادری سلسلے میں شامل کر لیا۔ ۱۱۸۵ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

کتاب کے مضامین کی فہرست یہ ہے:-

- ۱۔ مراسلات رستم خان بخدمت شاہ جہاں
- ۲۔ مراسلات راجہ جرسنگھ بخدمت اورنگ زیب بعد از جنگ اجمیر
- ۳۔ مراسلات جرسنگھ بخدمت اورنگ زیب درمہم دکن
- ۴۔ رستم خان بخدمت شاہ زادگان شاہ جہاں
- ۵۔ رستم خان و جرسنگھ بنام اُمراء شاہ جہانی و عالمگیری
- ۶۔ ایضاً

۷۔ او دھے راج کے ذاتی خطوط

ان بڑے منشیوں کے علاوہ دلی بنوالی داس، بھپھی نرائین (جس نے شاہ نامے کا خلاصہ کیا ہے)، اور وامن کھتری اس زمانے کے اعلیٰ منشی تھے۔ وامن مسلمان ہو کر اخلاص خان کے نام سے موسوم ہوا۔ اورنگ زیب اس کی انشا کی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔ مصنف نگار نامہ نے ستیل سنگھ اور پنڈی داس دو منشیوں کا ذکر کیا ہے جو اس زمانے سے متعلق تھے اور بہت اچھے انشا پرداز تھے۔

## شعرا

### منشی چندربھان برہمن

یہ ہندستان کے بہترین ہندو شعرائیں سے تھا۔ برہمن کو عام طور پر دوسرے درجے کا شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے اشعار کی شیرینی اور لطافت عہد شاہ جہانی کے اچھے شعرا کے گف بھگ ہے۔ سادگی اس قدر ہے کہ



اس زمانے میں کسی کے ہاں نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں نے برہمن کو پسند نہیں کیا۔ لیکن یہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر ہم برہمن کو عہدِ شاہ جہانی کا پسندیدہ شاعر مانتے ہیں۔ صائب نے اس کے اشعار کو اپنی بیاض میں درج کیا ہے اور یہ سب سے بڑا اعتراف ہے جو ایک شاعر کی جانب سے دوسرے شاعر کے حق میں ہو سکتا ہے۔

**دیوانِ برہمن** | برہمن نے اور کتابوں کے علاوہ ایک دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے۔  
 انشتر عشق کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن نے ایک دفعہ اپنے دیوان کے کئی نسخے نہایت عمدہ خط میں لکھوائے اور ہر صفحے کو نہایت اعلیٰ بیل بوٹوں کے ساتھ آراستہ کیا اور پھر نہایت نفیس جلد بندی کر کے ایران و توران وغیرہ بیرونی ممالک کے علما و شعرا کے پاس بغرض انتخاب روانہ کیا لیکن ان علما کی ستم ظریفی یہ ہے ذوق کا بُرا ہو کر انھوں نے کتاب کی مطلقاً جلد اور آراستہ بیل بوٹوں کو اس کی طرف واپس بھیج دیا اور دیوان یعنی متن کو ضائع کر دیا۔ اس حکایت کی صحت اور درستی کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اس افسانے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برہمن نے اپنا دیوان اپنے جیتے جی مرتب کر لیا تھا۔ دیوان کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔ یہ دیوان غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ہے۔ قصاید موجود نہیں البتہ غزلیات میں بعض مدحیہ قطعات موجود ہیں مثلاً

چراغِ بزمِ شہنشاہ شد چنایاں روشن

کہ شد ز پر تو آں چشمِ آسماں روشن

برہمن کی نمایاں شاعرانہ خصوصیت سادگیِ کلام ہے۔ دیوان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن کا کلام اسلامی تخیل میں ڈوبا ہوا تھا عشق کی کیفیات،

محبت کی صعوبتیں، تصوف کی منزلیں، وحدۃ الوجود کے مسائل برہمن کے کلام میں اسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح مسلمان شعرا کے کلام میں ہیں۔

ہندوؤں میں برہمن شاید سب سے پہلا باکمال شاعر تھا جس نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ ہمارے تذکرہ نویسوں نے برہمن کے کلام میں سے صرف چند اشعار کا انتخاب کیا ہے لیکن پہلا نامور ہندو شاعر ہونے کے لحاظ سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے خیالات کا پورا پورا اندازہ کرنے کے لیے بہت سی مثالیں پیش کی جائیں:-

ہر کہ دارد ہو بس عشق، نشانے با دوست      چوں گل لالہ بہ دل داغ ہنایے با دوست  
در جہاں باش ولیکن ز جہاں فارغ باش      ہر کہ فایع ز جہانست، جہانے با دوست  
مرد را سود و زیاں در نظر آید کیساں      ہر کہ شد در گرو سود، زیانے با دوست

وحدۃ الوجود:- بانئے خانہ و مبت خانہ دئے خانہ کیسیت

خانہ بسیار ولے صاحب ہر خانہ کیسیت

بے ثباتی عالم:- بنائے قصر جہاں را ثبات ممکن نیست

بجز اساس محبت کہ دیر بنیاد ست

راستی:- راستی نیست این کہ دارد سود

راست گویم کہ راستی دگر ست

عمر:- خواہی کہ گئی از روش عمر ترا شا

یک لحظہ برہمن بسر جو شدہ بنشیں

اہل کمال کی پریشانی:- بس کہ طبع شگفتہ ناریم

لاجرم ہچو گل پریشانیم

خال رُبخ یار:- آں نکتہ کہ خال نام دارد

از رؤئے تو انتخاب کردیم

ترک مدعا:- برہمن ار نکند یاد مدعا چہ عجب

کہ مدعا ہمہ در ترک مدعا باشد

کمر:- دریں خیال چو موگشتم و ز شوق ہنوز

خیال مومے میان تو از میاں نرود

تخیل:- بنازم آں سہر زلف سیر کہ نیم شبے

چو در خیالی من آید، شہم در از کند

وحدة الوجود:- گل کے خار کے شاخ کے تاک کیست

نزد ارباب نظر ہر خس و خاشاک کیست

محبت:- دل درختے است عشق پروردہ

از محبت، ہمیشہ بار و رست

برہمن اور رشتہ زنار:- مرا بہ رشتہ زنار لفتے خاص ست

بہ یادگار من، از برہمن ہمیں دارم

ما حال دل خویش نہفتیم و نگفتیم

شب تا سحر از درد نہفتیم و نگفتیم

بارشتہ مژگاں ہمہ شب دائۂ اشکے

از غیر نہاں داشتہ سفتیم و نگفتیم

در راہ محبت بہ خیال قدم او

ہر مرحلہ را با مژہ رقتیم و نگفتیم

در سینہ خود رائۂ غم عشق برہن

چوں غنچہ بصد پردہ، نہفتیم و نگفتیم

ما پست و بلند روزگاراں دیدیم

ما فصل خزان و نو بہاراں دیدیم

در راہ طلب و واسپے باید تاخت

ما تا ختن شاہ سواراں دیدیم

مراۃ النحیال کے مصنف نے سارے دیوان میں سے یہ غزل پسند

کی ہے۔

گنم ز سادہ دلی بند دیدہ شرکوں را  
بمشت خنص نتواں بست راہ طوفاں را  
شبے خیال تو آمد بخواب آسودیم  
وگر زہم نکشودیم چشم گریاں را  
برہمن از تو سخن بے دلیل مے خواہم  
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہاں را

## ہندو۔ متھرا داس

یہ شاعر زیادہ مشہور نہیں۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا قلمی دیوان موجود ہے۔ باڈلین لائبریری میں اس کی ایک مثنوی "لیلیٰ مجنوں" کا تپہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی طرف خسرو شیریں بھی منسوب کی جاتی ہے۔ اس شاعر کا تذکرہ گل رعنا میں بھی ہے۔ شاہ جہاں کے زمانے میں خان زمان صوبہ دار بنگال نے اسے قید کر لیا تھا۔ شاعر نے ایک قطعہ حکیم رکن کاشی کے نام روانہ کیا۔ لیلیٰ مجنوں کا جو نسخہ باڈلین لائبریری میں ہے۔ اس کا سن کتابت ۱۵۵۵ء ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر شاہ جہاں کے اوائل زمانہ میں عالم شباب کو پہنچ چکا تھا۔ دیوان میں غزلیات، رباعیات اور فرد ہیں۔ تصانیف کے اعتبار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اچھا شاعر ہوگا لیکن چونکہ ہم نے اس کی کسی تصنیف کو نہیں دیکھا اس لیے اس کے متعلق قطعی رائے کا اظہار نہیں کر سکتے۔

## سالم کشمیری

محمد اسلم سالم۔ یہ دراصل کشمیری برہمن تھا۔ ملا محسن فانی کی کوشش سے

۱۔ گل رعنا (بانگی پور۔ ج ۲۔ ص ۱۳۳) انڈیا آفس۔ عدد ۱۵۵۹۔ باڈلین عدد ۱۱۰۱  
۲۔ نشر عشق (قلمی)۔ ج ۱۔ ق ۲۳۴۔ گل رعنا (بانگی پور۔ ج ۲۔ ص ۸۹) باڈلین عدد ۱۱۶۰

بانگی پور۔ ج ۲۔ ص ۱۹۳

مسلمان ہوا - وہ محمد اعظم کی سک ملازمت میں منسلک تھا - ایک مثنوی "اعظم شاہ" کے نام پر لکھی جس کا ایک نسخہ باڈلین لائبریری میں موجود ہے۔ محمد اعظم کی وفات پر محمد اعظم شاہ عالم کے وقایع نگار کی حیثیت سے کشمیر چلا گیا ۱۱۹۹ھ اور ۱۲۰۳ھ کے درمیان وفات ہوئی۔

سالم کو دوسرے درجے کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا پورا دیوان موجود ہے جس میں بعض بعض نہایت شستہ اور اعلیٰ اشعار پائے جاتے ہیں۔ اس کی دو مثنویاں بھی ہیں:-

(۱) گنج معانی (۲) مثنوی اعظم شاہ

بانگی پور لائبریری میں بعض اور مختصر مثنویاں بھی ہیں۔ اس کی شاعری میں اسلام کی محبت، تصوف کی طرف توجہ اور خیالات میں تفلسف کی بھٹک پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ حسن تعلیل و ایہام کی بہت کثرت ہے۔ اس کی شاعری کا نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے:-

در ویدہ بدل در دوداریم چو گرداب      پیچیدہ تر آید نگہ از چشم ترم  
سالم چو فتہ قطرہ بدریا توں یافت      ما بے خبر انیم کہ یا بد خبر ما ؟

ہم چو ریگ شیشہ ساعت بطوف کوئے دل      سالم از خود مے رویم و جانے خود دلے کنیم

سایہ افتادہ بے یار و بے یاور منم      سایہ ہم وار دکسے از سایہ بیکس تر منم

در خمار توبہ ام ساقی ندانم چوں کنم      ہر چہ مے خواہد دلم گویا نئے خواہد دلم

سالم از درد تو برگوش عزیزاں دُور ست  
دست بردل نہ و در کلبہ احزاں بہ نشیں  
پائے چوں شمع بہستی زدہ بخنداں بہ نشیں  
منشیں بانود و با آتش سوزاں بہ نشیں

شوم موج ہوا در باغ دبر گر دسرت گردم  
چو شاخ گل در آغوشم مگر بے اختیار آئی  
رُباعی

ایں عمر کہ رشتہ تاب دام اجل ست      خوابیت پریشاں کہ در و صد خل ست  
ویں دل کہ درون سینہ دارم ہسبات      چوں شیشہ ساعت ہمہ طول اہل ست

## بنوالی داس وکی

داراشکوہ کا ملازم تھا۔ وکی کی بہت سی مثنویاں ملتی ہیں مثلاً بھر عرفان  
وغیرہ جو اکثر متصوفانہ خیالات کی حامل ہیں۔ شاعری کے لحاظ سے زیادہ بلند  
نہیں معلوم ہوتیں۔

ان اکابر شعرا کے علاوہ داتق کھتری، مخلص (گلاب رائے ولد گرداس)  
لچھی نرائن بھی شاعر تھے۔ مخلص عہد عالمگیری میں نواب زبردست خاں کا ملازم  
تھا۔ اس کا حال سفینہ خوش گو میں دستیاب ہوتا ہے۔ لچھی نرائن نے ۱۱۴۰ھ  
میں شاہ نامے کا خلاصہ تیار کیا ہے۔ وہ شہزادہ بیدار تخت کے ہاں  
پیش کار تھا۔

## تراجم

سنگھاسن ہیتسی کے بہت سے ترجمے ہوئے۔ جہانگیر کے عہد میں (۱۱۹ھ) بھارائل کھتری نے سب سے پہلا ترجمہ کیا۔ اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ انڈیا آفس میں اس نسخے کے علاوہ ایک اور ترجمہ ہے جو کشن داس ابن ملوک چند تمبولی نے کیا ہے۔ یہ شخص لاہور کا باشندہ تھا اور نواب جہاںشاہ امیر لڑاکا ملازم تھا اس لیے اس کا نام کشن بلاس رکھا گیا ہے۔ اس کا ایک اور نسخہ بترامیم برٹش میوزیم میں ہے۔

شاہ جہاں کے عہد میں اس کا ایک اور ترجمہ ابن ہر کران نے کیا۔ ریو نے اسے سب رائے بن ہری گرب داس کا تیہ کے ترجمے کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ چتر بھوج اور بھارائل کے نسخوں کا مرکب سا ہے۔ اس کی تصنیف کی تاریخ ۱۰۶۱ھ یا ۱۰۶۲ھ ہے۔

۱۱ راماین کے مختلف تراجم۔

(۱) گردھ داس کا تیہ دہلوی، جس نے ۱۰۳۶ھ میں راماین کا ترجمہ مثنوی میں کیا۔

(ب) چند رمن نے ۱۰۹۷ھ میں ترجمہ کیا۔

(ج) دیبی داس کا تیہ نے بھی اسی زمانے میں ترجمہ کیا۔

(د) امر سنگھ منشی نے ۱۱۱۷ھ میں یعنی اورنگ زیب کے آخری سال

میں اس کا ترجمہ کیا جس کا نام "امر پرکاش" رکھا۔

لے انڈیا آفس۔ عدد ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰: ریو۔ ج ۲۔ ص ۷۳

۱۵۶-ج-ریو۔

گلزارِ حالؑ۔ پرچہودہ چند رونما نگ کا ترجمہ بنوالی داس دتی نے سنبھلے ہیں کیا۔  
 نازک خیالات۔ برہمن نے آتم بلاس کا ترجمہ کیا۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم  
 کی مطبوعات میں موجود ہے۔

قصص

کتابش نامہ مصنفہ راج کرن (۱۱۱۵ھ) یہ چھو کہانیوں کا مجموعہ ہے۔  
تحفۃ الحکایات مصنفہ برہمن حصارى (قبل ۱۱۲۳ھ)  
کارنامہ ملک زادہ منشی (مصنف نگارنامہ)

## دیگر فنون

بدائع الفنون مصنفہ دھرم نرائن (۲۳۱۷ھ) اس میں حساب ہے۔ اس کے نو باب ہیں بعض جگہ مصنف کا نام میدانی مل یا ماری مل بھی دیا گیا ہے۔ شاید یہ دو مختلف شخص ہوں۔

فرس نامہ ہندی (قبل از اسلام) اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں  
سید عبداللہ فیروز جنگ کے حکم سے ہندی سے ترجمہ ہوا۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ  
ہو چکا ہے۔

لے دیو۔ ج ۳۔ ص ۴۳۱ سے ریلیج ۲ ص ۶۷، انڈیا آفس۔ عدد ۲۲ گھ انڈیا آفس ۸۲ گھ

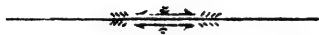
کا ایک نسخہ سیلبرگ لائبریری میں موجود ہے ۱۵۵۰ء یا ۱۵۵۱ء۔ عدد ۲۲۵۹۔ آصفیہ ج ۱ ص ۸۶۔

ٹیپو سلطان نائبہ برمی، ص ۹۱ سے ریو - ج ۲ - ص ۸۲۔ کوپن ہیگن ص ۱۶۔ باڈلین، عدد ۱۸۶۵





# چوتھا باب



مُغلوں کا انحطاط

(از ۱۲۴۱ھ تا ۱۲۲۱ھ)



# چوتھا باب

## مغلوں کا انحطاط

(از ۱۲۲۱ھ تا ۱۲۲۱ھ)

### ہندوؤں کے فارسی ادب کا زمانہ شباب

اس باب میں ہم ۱۲۲۱ھ سے لے کر ۱۲۲۱ھ تک کے ادب پر بحث کریں گے۔ گزشتہ باب میں ہم نے جہانگیر سے لے کر شاہ عالم اول تک ہندو قوم نے جتنا لٹریچر پیدا کیا اس کا حال بیان کیا تھا۔ اب شاہ عالم اول سے لے کر شاہ عالم ثانی تک جو لٹریچر پیدا ہوا اُس کا ذکر کریں گے۔ اورنگ زیب کی وفات کے فوٹے عرصے بعد مغلوں کی عظیم الشان حکومت بہت سے حصوں میں منقسم ہو گئی۔ مرکزیت کمزور ہو گئی اور صوبائی حکومتوں نے آزاد مستقل سلطنتیں قائم کر لیں۔ تاہم مغلوں کی گزشتہ شان و شوکت کا سا بچھا ہوا تھا محمد شاہ کے زمانے میں کسی حد تک عہد زریں کی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ وہ پرانی شان و شوکت باقی نہ تھی تاہم ابھی مغلوں کا دربار علم و فن کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور تعلیم یافتہ ہندو ملازمین پہلے سے زیادہ شاہی ملازمتوں میں موجود تھے۔ اس لیے یہ سمجھنا آسان ہے کہ مغلوں کے انحطاط کے زمانے میں بھی ہندوؤں نے فارسی ادب کے پیرا کرنے میں پہلے کی نسبت کوئی خاص کمی نہیں دکھائی بلکہ اس عہد میں پہلے سے کہیں زیادہ جوش کے ساتھ کتابیں لکھی گئیں۔ ہندوؤں کا لٹریچر جیسا کہ ہم آئندہ چل کر یہ بتلائیں گے

حکومت کے ملازموں کا پیدا کردہ لٹریچر ہو اور اس وقت تک کم نہ ہو سکتا تھا جب تک ایسے ناگزیر واقعات پیش نہ آجائے جن سے مجبور ہو کر ہندو مغلوں کی ملازمت ترک کر دیتے۔ واقعہ یہ ہے کہ اب ہندو سرکاری ملازمتوں میں اس درجہ دخیل ہو چکے تھے کہ ان کے بغیر انتظام حکومت کا چلنا مشکل تھا۔ بڑے بڑے راجے، وزیر، دیوان، سپہ سالار، ہواخواہان سلطنت میں شامل تھے اور ان میں علم اور علمی سرپرستی کا وہ ملکہ موجود تھا جو مسلمان امیروں کا خاصہ سمجھا جاتا ہے؛ مثال کے طور پر محمد شاہ کے دربار میں مرزا راجہ جرسنگھ ایک امیر اپنی حرأت و ہمت کے کہیں زیادہ علم نجوم میں مہارت کی بدولت شہرت رکھتا ہے۔ یہ شخص علم کا قدرداں تھا اور اس نے جس کاوش اور محنت سے اپنا رصد خانہ تیار کیا اس سے اس کی تحقیق و تدقیق کی روح کا پتا بخوبی چلتا ہے۔ بڑے امرا کے علاوہ مولیٰ ملازمین کا ذکر آئندہ اوراق میں بکثرت نظر سے گزرے گا۔

شاہان اودھ کا دربار | جیسا کہ لکھا جا چکا ہے مغلوں کی مرکزی سلطنت میں انخطاط کے آثار رونا ہوتے ہی اطراف و اکناف ملک میں آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان حکومتوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ ہر چیز میں مرکزی سلطنت کے ساتھ مشابہت پیدا کریں اس لیے لوازم شان و شوکت کے علاوہ علوم و معارف کی حوصلہ افزائی اور آبیاری میں بھی وہ مغلوں کی مثال کو سامنے رکھتے تھے۔ چنانچہ ان آزاد حکومتوں کے قائم ہوتے ہی لکھنؤ، حیدر آباد، عظیم آباد، مرشد آباد وغیرہ اکثر مقامات میں علمی مراکز قائم ہو گئے شمالی ہندستان میں سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان حکومت شاہان اودھ کی تھی۔ جہاں بہت سے علما و شعرا اکثر موجود رہتے تھے۔ شاہان اودھ کے دفاتر میں فارسی داں ہندو لے اودھ کے حالات تاریخ اودھ، نظم الغنی اور علماء السادات (قلی، آزاد بلگرامی سے لیے گئے ہیں۔

بہ تعداد کثیر ملازم تھے معمولی منشیوں سے لے کر دیوان اعلیٰ کے مناصب پر ہندو تعلیم یافتہ متمکن تھے۔ علی الخصوص بیت الانشا اور دارالانشا تو ہندوؤں کا خاص محکمہ تھا یہاں تک کہ اٹھارھویں انیسویں صدی میں لفظ 'منشی' کا اطلاق عموماً فارسی داں ہندوؤں ہی پر کیا جاتا تھا۔ اس عہد میں جو ہندو دیوان، ناظم، وزیر، بخشی وغیرہ عہدوں پر فائز ہوئے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

نول رائے (بخشی صفدر جنگ)، راجہ بیٹی بہادر (مدارالمہام شجاع الدولہ)، راجہ ملکیت رائے (مہتمم دیوانی آصف الدولہ)، راجہ نول کشن، راجہ پٹر چند، راجہ سیو رام (عہد نصیر الدین حیدر)، امرت لعل (عرض یگی غازی الدین حیدر)، منشی جوالا پرشاد و قارر منشی الممالک نصیر الدین حیدر، راجہ رتن سنگھ زخمی، راجہ کنن لال اشکی، منشی صاحب رام خاموش وغیرہ ملک کے نظم و نسق پر یہی لوگ حاوی تھے اور بلاشبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک میں جو اقتدار انھیں حاصل تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہو گا۔ یہ لوگ اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ، انتہائی درجے کے با مذاق، ذوق سخن سے آشنا، نکتہ پرور اور ذمہ سنج ہوتے تھے۔ بیک وقت صاحب سیاست اور صاحب قلم تھے۔ کہتے ہیں کہ نواب سعادت علی خاں نے اپنی مملکت میں ایک دفعہ شراب کی ممانعت کر دی تو صاحب رائے خاموش نے جو دفتر بخشی گری کے منتظم تھے ایک عرضداشت بدیں الفاظ لکھی:-

قرق م ایام ہولی میں کہو کیا کیجیے جی میں آتا ہوں کہ اس صورت میں کنٹھی لیجیے  
گر تماشا کا تیتھوں کا دیکھنا منظور ہو شاہ اودون کے لیے ہم کو اجازت دیجیے  
اس پر نواب سعادت علی خاں نے لکھا ع

محاسب را درون خانہ چہ کار

غرض آں کہ اودھ کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ ہندو

اددھ کے نظم و نسق پر چھائے ہوئے تھے اور ان میں فارسی علم و تعلیم کا بہت چہر چا تھا۔  
 مملکت حیدر آباد | لکھنؤ کے بعد حیدر آباد کا نمبر آتا ہے۔ ذیل کے اوراق میں  
 ہم مصنفین کی جو فہرست پیش کریں گے ان میں ایک مقتدبہ  
 تعداد ملازمین مملکت حیدر آباد کی ہے۔ سب سے نامور اور مہتمم بالشان شخصیت جو اس  
 عہد میں گزری ہے وہ لکھنؤ کی شفیق کی ہے۔ ہمارے چند دلال ایک علم دوست امیر  
 تھا۔ راجہ گردھاری پرشاد باقی قدردان علم ہونے کے علاوہ خود ایک بڑے گوتھوار نویں  
 مصنف بھی تھا۔ آج ہندستان میں نظام کی مملکت علم پروری کے اعتبار سے کسی  
 تعارف کی محتاج نہیں۔ اس سے عہد ماضی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ زیر بحث عہد  
 میں راجہ نرندر بہادر، راجہ گوبند بخش بہادر، راجہ رام راؤ، رائے بالا پرشاد ربط،  
 رائے منالال بعض اہم شخصیتیں تھیں جن کی ذات میں علم اور سیاست دونوں  
 جمع تھے۔

مرہٹے اور فارسی | اگر نائک کے ہندو ملازمین نے بھی تھوڑی بہت تصانیف  
 یادگار چھوڑی ہیں۔ مرہٹوں کے متعلق صاف طور پر معلوم  
 نہیں ہو سکا کہ انھوں نے کس حد تک فارسی زبان کی سرپرستی کی۔ بہت کم مرہٹے  
 مصنف کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ فارسی مرہٹہ  
 حکومت کی درباری زبان تھی مگر وہ زیادہ تر اس لیے کہ فارسی کی گزشتہ عظمت اور  
 صوبائی زبانوں کی تنگ دامانی کی وجہ سے یہ امر کسی حد تک ناگزیر تھا کہ فارسی ہی  
 کو سیاسی زبان کے طور پر باقی رکھا جائے لہذا مراسلات و مکاتبات فارسی میں ہوتے  
 تھے۔ معاہدات وغیرہ کی زبان بھی فارسی تھی۔ اگر مرہٹہ حکومت کے نظام سلطنت  
 پر نظر ڈالی جائے تو بالکل مغل طرز حکومت کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر  
 لے حیدر آباد کے حالات گلزار آصفیہ سے لیے گئے ہیں۔

یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:-

پیشوا	یعنی	وزیر
مجموعہ دار	"	آڈیٹر
دق نویس	"	وقائع نویس
شرو نویس	"	شروع نویس
دبیر	"	فاردن نگری
حول دار	"	حوالہ دار

ہزاری

جملہ دار جمع نویس، کارکن، میراث دار، برات، فر نویس (فرد نویس)، قلعہ دار، مقدم، دیوان، ناجر (ناظر) سرشتہ دار (سرشتہ دار) وغیرہ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی ایام | یہ بیان غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس باب میں بہت سے ایسے مصنفین

کا ذکر ہر جنھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں نے کتابیں لکھنے پر آمادہ کیا۔ ہم اگلے باب میں چل کر انگریزوں کی فارسی کے متعلق حکمت عملی پر بحث کریں گے لیکن یہاں آنا بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے اپنے تسلط کے ابتدائی ایام میں فارسی کی گزشتہ حیثیت کو برقرار رکھا، ان کی درباری زبان فارسی ہی تھی۔ عاداتی کاوباز معاہدات، خط و کتابت وغیرہ میں فارسی ہی ذریعہ اظہار سمجھی جاتی تھی۔ ملک کی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ یورپین ملازمین کو فارسی میں ماہر بنانے

لے سیواجی کی لائف۔ انسر جاووا بقہ سرکار۔ ص ۴۰، ۴۶، اس کے علاوہ "مرہٹی پر

فارسی زبان کا اثر" از ڈاکٹر مولوی عبدالحق بھی ملاحظہ ہو۔

ستہ کمپنی کا ذکر آئندہ باب میں مفصل آئے گا۔



کے لیے پہلے پہل بغداد میں بھیجا جاتا تھا مگر اس کے بعد ہندستان میں ہی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو گیا۔ انگریزوں کی ملازمت میں جو ہندو مسلمان اہل قلم تھے وہ اپنے حکام کی فرمائش یا خواہش پر اکثر کتابیں لکھا کرتے تھے۔ ایسی کتابوں کا ایک کافی ذخیرہ موجود ہو جن پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ انگریزوں کی یہ کوششیں اگرچہ زیادہ تر سیاسی حیثیت رکھتی ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے کافی لٹریچر پیدا ہوا جس میں ہندوؤں کا کافی حصہ ہے۔

اس عہد کے ادب کی مقدار | یہ عہد شعرا و مؤرخین کی کثرت کے اعتبار سے سب ادوار سے بڑھا ہوا ہے۔ اس عہد میں لٹریچر کے بکثرت پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اب ایک مرکز کی بجائے تصنیف و تالیف کے بے شمار مراکز پیدا ہو گئے تھے۔ اگر ایک مقام پر مفتنین کو مایوسی ہوتی تھی تو وہ دوسرے مراکز کی جانب چل دیتے تھے۔ ہم ذیل میں اس عہد کی ان کتابوں کی ایک سرسری سی فہرست پیش کرتے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہیں:-

۳۷	تاریخ کی کتابیں
۱۱	سوانح و سیر
۴	ریاضی
۱۱	تراجم
۹	قصص
۱۹	انشا
۳۵	شعرا (علاوہ معمولی شاعروں کے)

اس عہد کے ادب کی بعض خصوصیات | ضروری معلوم ہوتا ہو کہ اس عہد کے ادب کی بعض امتیازی خصوصیتوں

کا ذکر کیا جائے سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صدی جس کے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں "لغات" کی صدی ہے اور نگزیب کے بعد ایرانیوں کی آمد ہندستان میں پہلے کی نسبت بہت کم ہو گئی تھی، اس لیے روزمرہ اور جدید محاوروں کے متعلق شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ ایک گروہ جس میں ایرانی النسل اور حامیان ایران شامل تھے یہ کہتا تھا کہ کوئی ہندستانی صحیح معنوں میں فارسی زبان میں سند نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ ہندستانی علما و فضلا کے اقوال پر نکتہ چینی کرتے تھے اور ان کی آرا کو بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ان نزاعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا اس پر نا تجربہ کار منشویں کی فارسی نے ادب بھی بُرے اثرات پیدا کیے اور اس امر کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی کہ محاورات کی چھان بین کی جائے اور نئے حالات میں نئی قسم کی کتابیں تصنیف کی جائیں۔ یہی وجہ ہو کہ اس عہد میں بے شمار لغت نویس پیدا ہوئے۔ مثلاً خان آرزو، محمد افضل شابت، رائے انند رام مخلص، سیالکوٹی مل وارسہ، ٹیک چند بہار وغیرہ۔ یہ امر بہت جاذب توجہ ہو کہ اس عہد کے لغت نویسوں میں ہندو لغت نویسوں کا درجہ بہت بلند ہو۔ ان کی کتابیں ہندوؤں کے تمام فارسی لٹریچر کی جان ہیں۔ ان میں تنقید، تحقیق، وسعت معلومات، عمق نظر کے بہت سے اوصاف نمایاں ہیں۔ مصطلحات و ارستہ اور بہار عجم دو عظیم الشان تصانیف ہیں جن کو ہندستان کے سارے فارسی لٹریچر میں بہت اہمیت حاصل ہو۔ یہ اس عہد کے لٹریچر کی سب سے شاندار خصوصیت ہو کہ اس میں بہار عجم اور مصطلحات منقہ شہود پڑاتی ہیں۔ مرآۃ الاصطلاح لغت کے اعتبار سے نہ ہی مگر بعض دوسرے وجوہ

سے بہت دلچسپ کتاب ہو۔

دوسری خصوصیت یہ ہو کہ اس عہد میں ہندوؤں میں شعر و شاعری کا ذوق بہت بڑھ گیا تھا۔

اس سو سال کے عرصے میں پہلے مشہور اور نامور ہندو شاعر مانے آئے جن کا ذکر تذکروں میں بہت شان دار الفاظ میں ملتا ہے شعر کی کتابوں کی ایک خاص بات یہ ہو کہ شعرا نے اکثر متنویاں لکھیں جن میں مذہبی مضامین پر طبع آزمائی کی گئی۔

اس عہد کے تذکرے بھی لڑ بچہ میں بہت اہمیت رکھتے ہیں جو شعر و سخن کی تاریخ کے لیے معلومات کا ایک بہت بڑا سرچشمہ سمجھے جاتے ہیں مثلاً سفینہ خوش گو، گل رعنا، انیس الاجا، چمنستان شعرا اور ہمیشہ بہار وغیرہ گل رعنا اور انیس الاجا کی ایک خاص بات یہ ہو کہ اس میں ہندو شعرا کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے جس سے ہمیں بہت مدد ملی ہے۔ سفینہ خوش گو فارسی زبان کے بڑے بڑے تذکروں میں شمار ہوتا ہے تین جلدوں میں مصنف نے فارسی کے اکثر شعرا کا تذکرہ کیا ہے حالات بہت مفصل ہیں اور اشعار کا انتخاب موزوں ہے۔ لغت کی طرح اس عہد کے تذکرے بھی ہندستان کے فارسی لٹریچر کے نمایاں عناصر میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

ذیل کی فہرست سے معلوم ہو جائے گا کہ تاریخ کی بہت سی کتابیں ہندوؤں نے اس عہد میں لکھیں لیکن سوائے ایک دو کتابوں کے کوئی کتاب اعلیٰ درجے کی نہیں جو خلاصۃ التواریخ کی ہم پلہ ہو یا جسے ادب میں کوئی حیثیت یا اعتبار حاصل ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ اس عہد میں شفیق کی شخصیت مؤرخ کی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہے شفیق نے تاریخ پر بہت سی کتابیں لکھیں جو بعض عیشیتوں سے مستند سمجھی جاتی ہیں۔ بساط الغنائم میں مرہٹوں کی ایک معاشرانہ تاریخ لکھ کر

شفیق نے بہت سے نئی معلومات کے دروازے ہم پر کھول دیے ہیں۔ اسی طرح شفیق کی کتاب ماثرحیدری بھی گمان غالب ہو کہ اکثر توارخ کی بہ نسبت زیادہ تنقیدی ہوگی۔ اگرچہ اس کا آج کل کہیں وجود نہیں شفیق ایک ہمہ دان فاضل تھا۔ ایک کامیاب مورخ ہونے کے علاوہ بہترین تذکرہ نگار اور شاعر بھی تھا چنانچہ ہم آگے چل کر اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

جس طرح گزشتہ دور میں برہمن، سجان رائے، ہر کرن وغیرہ بے نظیر ہستیاں تھیں اسی طرح اس عہد میں شفیق، مخلص، تہار اور وارستہ علم و فضل کے لحاظ سے یکتا تھے۔ ہم ان ہندو علما و شعرا کو فارسی کے چند نامور اکابر کا ہم پلہ مان سکتے ہیں۔

اس مختصر سی تنقید کے بعد ہم مختلف فنون کی کتابوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔ پہلے تمام کتابوں کا ذکر کریں گے پھر ان میں سے بعض اہم کتابوں کو چُن کر ان پر مفصل بحث کریں گے۔

## تاریخ کی کتابیں

(انگلش سن ۱۸۲۵ء) مصنفہ نیم نرائن ولد چین رائے کھتری، سپوری منشی راجہ محکم سنگھ بعد فرخ سیر۔ اس کتاب میں ہندوؤں کی تاریخ کو محققانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور راماین، مہابھارت، بھگوت اور ہری بنس کو بطور مآخذ استعمال کیا ہے۔ کتاب کے چار باب ہیں

۱۔ اصل مضمون انگریزی میں ہے جہاں ہر کتاب پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ یہاں

ہم اختصار کی خاطر زیادہ تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ ریو ج ۳- ص ۹۱۷

(۲) سعید نامہ (۱۱۳۵ھ) مصنف منشی جسونت رائے۔ یہ سعید اللہ خاں والی کرناٹک (متوفی ۱۱۳۵ھ) کے عہد حکومت کی تاریخ ہے۔ جسونت رائے منشی نے بہت سی مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ سعید نامہ تین دفتروں میں منقسم ہے۔ ۱۱۳۵ھ تک کے حالات مرقوم ہیں۔

(۳) شاہ نامہ منور کلام (۱۱۳۴ھ) مصنف بشو داس۔ فرخ سیر اور محمد شاہ کے ابتدائی عہد حکومت کی تاریخ ہے۔ نظام الملک کی وزارت کا حال قابل ذکر ہے۔ (۴) تذکرۃ الامراء (۱۱۴۰ھ) مصنف کیول رام۔ اکبر سے لے کر عالمگیر تک جتنے امرا مغلوں کے دربار میں ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ہے۔ مآثر الامراء کے مقابلے میں اس کو خاص اہمیت حاصل نہیں۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہندو امرا کا تذکرہ علیحدہ دیا گیا ہے۔ بیانات بہت مختصر و مجمل ہیں جن میں صرف منصب، خدمات اور ترقیات کا ذکر ہے۔

(۵) کیگو ہر نامہ (۱۱۳۶ھ) مصنف۔ دنی چند بالی۔ یہ گکھڑوں کی تاریخ ہے۔ (۶) تحفۃ الہند (۱۱۴۰ھ) مصنف لال رام۔ ہندستان کی تاریخ عمومی۔ تا عہد فرخ سیر اس میں شاہان ایران کا بھی مختصر تذکرہ ہے۔

(۷) تاریخ محمد شاہی (۱۱۵۴ھ) مصنف خوش حال چند کایستہ۔ عہد محمد شاہی میں دفتروں کی دہائی دہائی میں منشی تھا۔ اس کتاب کا دوسرا نام نادرا الزبانی ہے۔ [مفصل تبصرہ آگے آتا ہے]

۱۔ انڈیا آف کیٹالاک۔ عدد ۵۰۰: ریو۔ ج ۱، ص ۳۳۱

۲۔ ریو۔ ج ۱، ص ۲۰۴ ۳۔ بولین کیٹالاک۔ عدد ۲۵۸: ریو۔ ج ۱، ص ۳۳۹

ایلیٹ تاریخ ہند۔ ج ۸۔ ص ۱۹۲ ۴۔ ریو۔ ج ۳۔ ص ۱۰۱۲: ایشیاٹک سوسائٹی بنگل

عدد ۱۸۸ ۵۔ ریو۔ ج ۱، ص ۲۳۶

(۸) تاریخ احمد خانی (۱۱۸۵ھ) مصنفہ منول رائے جوا احمد خاں بگلش کا ملازم تھا۔ اس کتاب میں احمد خاں بگلش کے حالات ہیں، دوسرے باب میں مختلف معنایں پر کہانیاں ہیں۔

(۹) چہار گلشن (۱۱۸۵ھ) مصنفہ رائے چتر من کا لیتھ۔ یہ کتاب غازی الدین حیدر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

(۱۰) رسالہ نانکٹ شاہ (۱۱۹۷ھ) مصنفہ بدھ سنگھ منشی۔ یہ کتاب میجر جیمز مورڈنٹ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، یہ سکھوں کی تاریخ ہے۔

(۱۱) تاریخ حیدری (۱۱۹۷ھ) مصنفہ بدھ سنگھ منشی۔ یہ سلطان

حیدر علی والی سیور کی تاریخ ہے۔  
(۱۲) قصہ دریائے گومتی (۱۱۸۱ھ) مصنفہ فتح چند منشی کا لیتھ۔ ایک مسیحی پادری کی خواہش سے لکھی گئی۔

(۱۳) میزان دانش (۱۱۷۲ھ) مصنفہ اندر دپ برہمن۔ جو خالوجی

بھونسا کا ملازم تھا، یہ ہندستان کی ایک مختصر سی تاریخ ہے۔

(۱۴) تاریخ فیض بخش (۱۱۹۰ھ) مصنفہ شوپر شاد۔ یہ روسییکھنڈ

کے افغانوں کی تاریخ ہے۔ شوپر شاد نواب فیض اللہ خاں کی ملازمت میں تھا جہاں وہ کرک پٹرک سے ملا۔ موجودہ کتاب صاحب موصوف کے ایما سے لکھی گئی تھی۔ رہیلوں اور شاہان اودھ کے تعلقات پر خاصی روشنی ڈالتی ہے۔

لے ریو۔ ج ۳۔ ص ۱۰۰۳، لے ریو۔ ج ۲۔ ص ۸۹۰، انڈیا آف لائبریری

عدد ۵۱۶، ۵۱۷، لے ریو۔ ج ۲۔ ص ۸۲۷، لے ریو۔ ج ۳۔ ص ۹۱۰، لے ریو۔ ج ۱۲

ص ۳۰۶: ایلیٹ۔ ج ۸۔ ص ۱۷۵

(۱۵) خطِ ہلکڑ (۱۱۹۰ھ) مصنفہ کمند رائے۔ یہ راجہ ہلکڑ کے سیاسی خطوط کا مجموعہ ہے۔

(۱۶) احوالِ گوالیار (۱۱۹۴ھ کے بعد) مصنفہ موتی رام دغوش حال۔ یہ قلعہ گوالیار کی تاریخ ہے۔

(۱۷) تاریخ شاہ عالم (۱۱۹۶ھ) منالال۔ یہ شاہ عالم ثانی کی تاریخ ہے۔ دلیم فرینکلن نے شاہ عالم کی تاریخ لکھتے وقت اس کو استعمال کیا ہے ۱۱۸۴ھ سے لے کر ۱۱۹۶ھ تک کے واقعات ہیں۔

(۱۸) چہار گلزارِ شجاعی (۱۲۰۱ھ) مصنفہ ہرچرن داس کالیٹھ۔ یہ کتاب نواب شجاع الدولہ کے نام پر معنون کی گئی ہے اور دو بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ ہندو عہد اور دوسرا حصہ اسلامی عہد سے بحث کرتا ہے۔ پہلے مسلمان بادشاہوں کے حالات فرشتہ سے ماخوذ ہیں۔

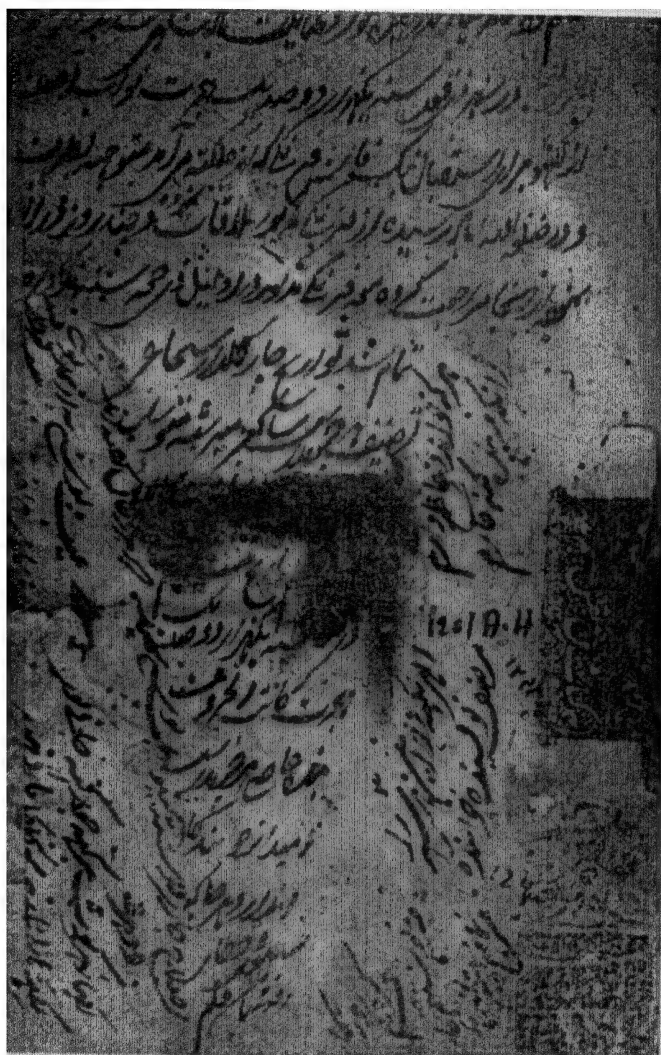
(۱۹) تاریخ جنگلِ کشور (۱۷۷۴-۱۷۸۳ ع) مصنفہ جنگل کشور۔ یہ ہندستان کی عمومی تاریخ ہے جو لارڈ چیف جسٹس سر ایچ اے پی کی فرمائش پر لکھی گئی۔ (۲۰ تا ۲۶) مصنفات شفیق اورنگ آبادی (ان کا ذکر مفصل آتا ہے۔

(۲۷) راج سوہاوی (۱۲۰۷ھ کے بعد) مصنفہ ہنی رام۔ یہ ہندستان کی تاریخ ہے جو کرنل فرتھ کے پاس خاطر سے لکھی گئی۔

لے معارف - ۱۹۱۸ لے ریو - ج ۱ - ص ۳۰۴ لے ریو - ج ۳ - ص ۹۴۳ بانی پور

لے بریری - ج ۷ - ص ۹۵ - عدد ۵۸۶: ایلیٹ لے اس کا ایک خود نوشت قلمی نسخہ پنجاب

لے بریری - ج ۷ - ص ۱۰۲، انڈیا انس لائبریری - عدد ۲۰۸



چهار گزاری شجاعی مصنف کے خود نوشت نسخے کا ایک ورق  
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)





(۲۸) صحیح الاخبار (۱۲۰۹ھ) مصنفہ سروپ چند کھتری۔ یہ ہندستان کی عمومی تاریخ ہے جو سر جان شور گورنر جنرل کے لیے تحریر کی گئی تھی۔

(۲۹) تذکرۃ (۱۱۵۴ھ) اندرام مخلص۔ یہ کتاب نادر شاہ کے حملے کے واقعات پر مشتمل ہے شاید اسی کا نام 'بدائع وقائع' ہے۔ یہ بہت اہم تصنیف ہے اور اس عہد کے معاشرتی حالات پر بہت کارآمد روشنی ڈالتی ہے۔ ایلپیٹ کی تاریخ ہندستان میں اس تذکرے کے چیدہ چیدہ مقامات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کا حال اور کہیں سے نہیں مل سکا۔ ہم ذیل میں تاریخ ایلپیٹ کے اہلی الفاظ کا ترجمہ درج کرتے ہیں:-

”سراج۔ ایس ایلپیٹ کے کاغذات سے اس کتاب کا مفصل حال معلوم نہیں ہوا لہٰذا پرنس کا ترجمہ درمل ایک ہی شاہ عادل ہے۔ یہ ترجمہ نواب ضیاء الدین کے نسخے سے کیا گیا تھا۔ مصنف نادر شاہ کے واقعات کا معنی گواہ تھا۔ کتاب کے اوپر ایک یادداشت لکھی گئی ہے کہ یہ مکمل نہیں۔ آغاز اس باب سے ہوتا ہے اُن واقعات کی تاریخ جو ہندستان میں ۱۱۵۴ھ میں وقوع پزیر ہوئے، ہم نے اس باب کا ترجمہ کر دیا معلوم نہیں یہ کتاب صرف اتنی ہی ہو یا کچھ زیادہ ہے“

(۳۰) فرماں روا یا ان ہندو۔ ہندو راجایان قدیم کی تاریخ علامہ الدین غوری

۱۵ ایلپیٹ ج ۸ ص ۳۱۲ ر ج ۲ ص ۴۳۱ ۱۵ ایلپیٹ ج ۸ ص ۶۶ بدائع کا

ایک قلمی نسخہ برنورٹی لائبریری میں ہے جو شاہد مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے مفصل

حال کے لیے دیکھو پرنسپل محمد شفیع صاحب کا مضمون ادیشنل کالج میگزین نومبر ۱۹۴۱ء

۱۵ خوش دل کی تصنیفات کے لیے دیکھو نشتر عشق (قلمی) ج ۱ ص ۱۸۷، ص ۱۸۸، ۱۹۱ء ر ج

کے عہد تک۔ مُصنّف رائے امرنگھ خوش دل (متوفی ۱۲۲۵ھ)  
 (۳۱) بزم خیال کے نام سے رائے امرنگھ خوش دل نے انگریزوں کی  
 تاریخ لکھی ہے۔

(۳۲) زبدۃ الاخبار۔ مُصنّف رائے امرنگھ خوش دل۔ یہ خلاصۃ التواریخ

کا خلاصہ ہے۔  
 (۳۳) مجمع الاخبار (۱۲۱۴ھ) مُصنّف ہرنگھ رائے۔ یہ ہندستان کی  
 عمومی تاریخ ہے۔

(۳۴) حالاتِ مرہٹہ (۱۷۷۴ھ) مُصنّف دگھوناتھ۔ یہ مرہٹہ قوم کی

تاریخ ہے۔

(۳۵) اختصار التواریخ (۱۲۱۷ھ) مُصنّف سادن سنگھ ولد تھان سنگھ

کالیٹھ۔ یہ کتاب لب التواریخ کا خلاصہ ہے۔

(۳۶) خلاصۃ التواریخ [ مُصنّف کلیان سنگھ۔ یہ مغل بادشاہوں

(۳۷) وارداتِ قاسمی ] کی تاریخ ہے جس کے ساتھ ناظمین بنگال

کی تاریخ بھی دی گئی ہے۔ خلاصۃ التواریخ کی تاریخ تصنیف ۱۱۹۸ھ ہے

اور وارداتِ قاسمی ۱۲۲۷ھ میں لکھی گئی۔ یہ دراصل ایک ہی کتاب کے

دو باب ہیں جنہیں علیحدہ علیحدہ نام دے دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ناظمین بنگال

کی تاریخ کے لیے اہم خیال کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تصنیفات میں سے ۷، ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تا ۳۶

اہم ہیں ہم ان میں سے بعض کے متعلق کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔

## خوش حال چند کا بیٹھ

**تاریخ محمد شاہی** | اس کتاب کا مصنف خوش حال چند کا بیٹھ المعروف بہ نادرا الزمانی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو تاریخ نادرا الزمانی بھی کہتے ہیں۔ مصنف کا باپ منشی جیون رام اور نگ زیب اور بہادر شاہ کے عہد میں بہت سے ذمہ داری کے عہدوں پر فائز رہا۔ انھوں نے شیخ عبدالعزیز اکبر آبادی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے استاد کا مقولہ ہے:-

”کہ مارا دریں مدت بہتر ازیں شاگردے بدست نیامدہ“

خوش حال چند محمد شاہ کے عہد میں دیوانی دفتر کا منشی تھا۔ مصنف کے ذاتی حالات اس کتاب میں بہ کثرت آئے ہیں۔

تاریخ محمد شاہی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے کا نام مجمع الاخبار ہے اور دوسرے حصے کا نام زبدۃ الاخبار۔

ہر ایک حصہ بہت سے چھوٹے چھوٹے مقالات، حقائق، وقایق اور کیفیات پر مشتمل ہے۔

یہ دنیا کی عمومی تاریخ ہے جس میں ہندستان کی تاریخ زیادہ شرح و بسط سے بیان کی گئی ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۱۵۴ھ ہے۔

پہلی جلد میں کوئی اہم چیز نہیں۔ کتاب کا کارآمد حصہ صرف وہی ہے جو محمد شاہ کے حالات پر ہے۔ اس تاریخ میں غیر متعلق مضامین بہت ہیں۔ مثلاً حساب، نجوم، علم الہد (پامسٹری)، فن شعر کے متعلق کئی مقالے ہیں۔

۱۔ منشی جیون رام کے حالات کے لیے دیکھو تاریخ محمد شاہی (قلمی پبلک لائبریری لاہور) ص ۱۱۵

ہندو مسلمان اولیا کا ذکر مصنف خاص دلچسپی اور عقیدت سے کرتا ہے۔ امرا، علما اور خوش نویسوں کا ذکر مختصر ہے اور پچھلے کاغذ سے حرف بہ حرف نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کافی ضخیم ہے لیکن فوائد کم ہیں تاہم اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مصنف نے اس کتاب کو بہت سے معلومات عامہ سے لبریز کرنے کی کوشش کی ہے (دیکھو ایلپیٹ - ج ۸ ص ۷۰ اور ریو - ج ۱ ص ۱۲۸) اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

## رائے زادہ چترمن

**چارگلشن** | یہ کتاب چارگلشن، چترگلشن، اخبار النوا اور خلاصۃ النوا اور بہت سے ناموں سے مشہور ہے۔ رائے چترمن کا لیٹھ المعروف رائے زادہ نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری سال میں وزیر غازی الدین حیدر کی فرمائش پر تحریر کی مصنف کے پوتے رائے خان (یا رائے بھان منشی) نے ۱۲۰۳ھ میں اس پر نظر ثانی کی۔

چارگلشن میں چار باب ہیں:-

- (۱) صوبہ ہائے ہندستان (۲) صوبہ جات دکن (۳) دہلی سے مختلف شہروں کا فاصلہ (۴) ہندو اور مسلمان فقیروں کے حالات (مشرح فہرست مضامین) ریو کی فہرست میں موجود ہے۔ (ج ۳ ص ۹۱۰)

کتاب کا تاریخی حصہ چنداں اہم نہیں۔ ہندو مسلمان فقا کے حالات، مداخل و مخارج ہند اور فاصلوں کی فہرستیں صرف کارآمد حصے ہیں۔ سر جادوناٹھ سرکار نے اس کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا ہے جو اس کی کتاب INDIA OF AURANGZEE میں شامل ہے۔

## لکھمی نرائن شفیق

تصنیفات شفیقؒ اورنگ آبادی | شفیق کا باپ رائے منسارام نواب  
نظام الملک آصف جاہ کا پیشکار تھا چنانچہ

مآثر نظامی کی ابتدا میں خود کہتا ہے:-

”کہ بندہ عقیدت شناس منسارام آصف جاہی ابن بھوانی دس  
غازی الدین خانی نبیرہ بالکشن عابد خانی نے تخمیناً مدت ۵۰ سال  
اس سرکار دولت مدار میں اپنی زندگی بسر کر دی۔ صدارت کُل کی  
خدمت انجام دی اور مورد عاطفت و شفقت رہا۔“

رائے منسارام علاوہ منتظم ہونے کے ایک مُصنّف بھی تھا۔ اس نے ۱۲۳۵ھ  
میں ایک کتاب مآثر نظامی کے نام سے لکھی جس میں نواب آصف جاہ کی تاریخ  
بیان کی ہے۔ دوسری کتاب قانون دربارِ صمفی کے نام سے ۱۱۶۵ھ میں لکھی جیسا کہ  
کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے اس میں حکومت حیدرآباد کی جہاں بانی کے مہول  
ہیں یہ کتاب بقول مُصنّف دو سال میں تیار ہوئی۔

شفیق اسی قابل باپ کا بیٹا تھا۔ ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوا، فارسی کی تعلیم  
شیخ عبدالقادر سے حاصل کی۔ گیارہ سال کی عمر میں شعر کہ سکتا تھا۔ میر عبدالقادر  
مہربان نے جو شفیق کا پہلا اُستاد تھا صاحبِ تخلص دیا۔ بعد ازاں جب میر غلام علی  
آزاد بلگرامی کی صحبت میں گیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ فارسی میں شفیق تخلص رکھو۔  
البتہ اُردو میں صاحب ہی قائم رکھنے کی اجازت دے دی۔

۱۷ شفیق کے حالات کے لیے دیکھو مقدمہ ”چمنستان شعر“ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو، معارف

اکتوبر ۱۹۲۹ء وغیرہ شاعری کے لیے دیکھو نشر عشق (تلی) جلد ۱

شفیق آزاد بلگرامی کا بہت احترام ملحوظ رکھتا تھا۔ اپنی کتابوں میں جہاں کہیں ذکر کرتا ہے نہایت عزت سے ان کا نام لیتا ہے۔ تذکرہ گل رعنا میں تیسرے صاحب کا بہت طویل حال لکھا ہے، ایک نظم آزاد سے خطاب کرتے ہوئے یوں لکھتا ہے:-

سرور ہر دو جہاں آزاد ہو      والی کون و مکاں آزاد ہو  
کنت کنز کے معانی پر خبر      واقف ستر نہاں آزاد ہو  
مرکز ادوار چرخ چنبیری      قطب الاقطاب زباں آزاد ہو

شفیق ایک طومار نویس مصنف تھا اُس نے اگدو اور فارسی دونوں زبانوں میں کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی تاریخی تصانیف یہ ہیں:-

(۱) حقیقتہائے ہندستان | (۱۲۰۲ھ) یہ ہندستان کے صوبوں کے مدخل سے بحث کرتی ہے اور ولیم پیٹرک ریزیڈنٹ کے لیے تحریر کی گئی تھی۔

(۲) ناثر اصفیٰ | (۱۲۰۵ھ) یہ خاندان نظام کی تاریخ ہے جو خواجہ عابد کے حال سے شروع ہو کر اصف جاہ ثانی تک پہنچتی ہے۔ اس میں مرثیوں کی بھی مختصر سی تاریخ ہے اور امرا اور راجاؤں کے حال بھی دیے ہیں۔

(۳) تمینق شگرف | (۱۲۰۵ھ) یہ بھی حقیقتہائے ہندستان کی طرز کی کتاب ہے۔ فرشتہ کو مصنف نے بعض مقامات پر حرف بہ حرف نقل کیا ہے۔

(۴) بساط الغلام | یہ مرثیوں کی تاریخ ہے جو جنگ پانی پت پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔

(۵) حالات حیدر آباد | (۱۲۱۴ھ) اس میں حیدر آباد کی مختلف مساجد و مکاتب، باغات اور دوسری عمارتوں کا حال بیان

کیا گیا ہے۔

(۶) مائثر حیدری | یہ غالباً سلطان حیدر علی کی تاریخ ہے مگر اس کا مفصل حال کہیں سے نہ مل سکا۔ شفیق تاریخ نویس تھا۔ اس کی طبیعت پر میر غلام علی آزاد کے مادہ تحقیق و تنقید کا بہت اثر پڑا۔ یہ یاد رہے کہ آزاد مائثر الامر کی ترتیب میں صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کا دست راست رہا ہے۔ اس کی قابلیت اور مجتہدانہ اہلیت سے شفیق ضرور متاثر ہوا ہوگا۔ تذکرہ ملکا پوری میں شفیق کے متعلق لکھا ہے:-

”کہ وہ جو کچھ لکھتا ہے مہایت تحقیق سے لکھتا ہے۔ جس شخص یا جس چیز کی حالت لکھتا ہے اس کے مالہ و ماعلیہ کو پورا پورا صاف کر دیتا ہے شفیق کو یہ بیاقت آزاد کی توجہ اور عنایت کی بدولت حاصل ہوئی۔ دکن میں اگرچہ آزاد کے اکثر تلامذہ صاحب تالیف ہوئے ہیں لیکن شفیق ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔“

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شفیق میں تاریخ نگاری کے اکثر اوصاف پائے جاتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ شفیق بعض جگہ جانب داری سے کام لیتا ہے۔ بساط الغنائم میں سیواجی اور افضل خاں کی باہمی چٹپٹش کے ضمن میں وعدہ خلائی کا الزام ثانی الذکر پر لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ افضل خاں نے سیواجی پر دار کیا۔ یہ روایت بالکل خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہے اور اس کے ذریعے شفیق نے سیواجی کے طرز عمل کو جائز ثابت کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔

شفیق علاوہ مؤرخ ہونے کے سوانح نگار اور شاعر بھی تھا۔ لیکن شفیق کی بلندی مرتبہ کا زیادہ تر دار و مدار اس کی مؤرخانہ حیثیت پر ہے۔ اس کے تذکروں کا حال آگے آتا ہے۔



## تذکرے

اس صدی میں یہ تذکرے تصنیف ہوئے۔

(۱) بھگت مال (۱۱۳ھ) مصنف بنو نیت رام سوہنی خوشابی۔ اس کتاب میں ۳۷ ہندو مسلمان فقرا کا حال دیا گیا ہے اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

(۲) ہمیشہ بہار (۱۳۶ھ) مصنف کشن چند اخلاص۔ یہ فارسی کے ان شعرا کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں جہانگیر کے زمانے سے لے کر محمد شاہ کے عہد تک گزرے ہیں۔ اخلاص ۱۱۶ھ میں بہ عہد احمد شاہ فوت ہوا۔ شعر کے نام صرف تہجی کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔ تذکرے کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔

(۳) احوال بابا لال گرو (۱۱۵ھ) مصنف لال جی داس۔ بابا لال گرو شاہ چہل ان کے عہد میں ایک ہندو صوفی ہو گزرے ہیں۔ یہ کتاب ان کے ایک عقیدت مند لال جی نے لکھی ہے جس میں ان کی زندگی اور کرامتوں کا ذکر ہے (معارف بابت جولائی ۱۹۱۸ء ص ۱۱)

(۴) سفینہ خوشگو [مفصل ذکر آگے آتا ہے]

(۵) تذکرۃ المعاصرین از خوشگو غالباً معاصرین شعر کا تذکرہ ہے۔ یہ کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکا۔

(۶) سفینہ عشرت (۱۱۵ھ) مصنف درگا داس عشرت۔ تمام متقدمین

۱۵ رپو۔ ج ۳ ص ۱۰۸۶؛ بانکی پور فہرست۔ ج ۸ ص ۸۳؛ انڈیا آفس لائبریری عدد ۶۷۵۵؛ سپر گزٹ ۱۴

۱۵ فہرست بانکی پور لائبریری۔ ج ۸ ص ۱۲۶

و متاخرین شعرا کا تذکرہ بہ ترتیب حروف تہجی ہے۔

(۷) انیس الاحباب (۱۹۶ھ) مصنفہ موہن لال انیس۔ یہ مرزا فاخر کین اور ان کے شاگردوں کا تذکرہ ہے۔ ہم نے ہندو شعرا کے سلسلے میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

(۸) گل رعنا  
(۹) شامِ غریباں  
(۱۰) چمنستانِ شعرا

مصنفہ شفیق اورنگ آبادی۔ اس کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

(۱۱) تذکرہ گرونانک  
(۱۲) تحفۃ الاحباب

مصنفہ شفیق مذکور۔ یہ شاید دوستوں اور معاصروں کے حالات پر ہے کسی جگہ اس کا حال نہیں پڑھا۔

(۱۳) عیار الشعرا (۱۲۴۶ھ) مصنفہ خوب چند ڈکا۔ یہ اردو کا بہت مفصل اور مشرح تذکرہ ہے لیکن تحقیق و تنقید کے جوہر سے یکسر عاری ہے۔ اس میں ۵۰۰ شعرا کا حال ہے لیکن اسپرنگر کے قول کے مطابق "اپنی نوعیت کی سب سے زیادہ غیر محققانہ تصنیف ہے"

(۱۴) سفینہ ہندی (۱۲۱۹ھ) مصنفہ بھگوان داس ہندی  
(۱۵) تذکرہ حلیقہ ہندی (۱۲۰۰ھ کے بعد)

بھگوان داس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی

۱۵ رپو۔ ج ۱۔ ص ۳۶۶؛ سپرنگو ص ۱۶۱؛ بانکی پور ج ۸۔ ص ۱۳۶ ۱۳۷ انڈیا آفس

لائبریری۔ عدد ۷۰۲؛ سپرنگو ص ۱۸۴ ۱۸۵؛ بانکی پور لائبریری۔ ج ۸۔ عدد ۷۱۵

پر بھی ایک رسالہ سوانح النبوة کے نام سے تحریر کیا ہے۔  
 (۱۶) زیب التوارخ (۱۸۸۷ء) مصنفہ گوگل چند۔ یہ زیب النسا بیگم  
 معروف بہ بیگم سمد کا منظوم حال ہے۔

ان تذکروں میں ایک اور عتبات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہم ان کا  
 یہاں مختصر سا حال بیان کرتے ہیں۔

### بندرا بن داس خوشگو

سفینہ خوشگو | اس تذکرے کے مصنف کا نام بندرا بن داس خوشگو ہے جو  
 خان آرزو کا شاگرد تھا چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب  
 مجمع النفائس میں اس کا ذکر کیا ہے۔

”از مدت بیت و پنج سال تخمیناً بایں ہیچدان ربط کلی  
 بہم رسانیدہ و ایں عاجز ہم در تربیت ادبہ تقصیر از خود راہی  
 نشدہ و نیست“

سفینہ عمدۃ الملک امیر خان انجام کے نام پر معنون کیا گیا تھا۔ یہ تمام  
 قدیم و جدید شعر کا تذکرہ ہے جو تین جلدوں میں منقسم کیا گیا ہے۔  
 پہلی جلد میں متقدمین کا حال ہے۔  
 دوسری جلد میں متوسطین کو لیا گیا ہے۔

تیسری جلد میں معاصرین کا بیان ہے۔ فہرست نگار بانکی پور لائبریری کا  
 بیان ہے کہ خوشگو ۱۱۵۵ھ میں اس کتاب کو ختم کر چکا تھا۔ اس میں خان آرزو نے

لے ریو۔ ج ۲ ص ۲۲، لے بانکی پور لائبریری۔ ج ۸۔ ص ۸۳؛ پاڈلین۔ عدد ۳۷۶؛

کچھ ترمیمیں بھی کی ہیں اور حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس تذکرے میں خان آردو کو "خان صاحب قبلہ نیازمندان" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یہ تذکرہ بہت مشروح و مفصل ہے۔ شعرا کے کلام کا نمونہ بھی کافی دیا ہے مصنف کی تنقیدی حیثیت بہت اچھی ہے اور ترتیب سنین کے لحاظ سے ہے۔ معاصرین کا جو حال لکھا ہے وہ بہت مستند ہے اس لیے کہ مصنف کو اپنی ملازمت کے دوران میں ہندوستان کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا وہاں اس نے اکثر شعرا سے ملاقاتیں کیں چنانچہ وہ بار بار ان ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہے۔ سفینہ کی دوسری جلد باطلین لائبریری میں ہے اور وہی حصہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے۔ تیسری جلد بانی پور لائبریری میں ہے جس میں سے ہمیں اکثر ہندو شاعروں کے حالات ملے ہیں۔ افسوس ہے کہ تذکرۃ المعاصرون ہمیں کہیں سے بھی نہ مل سکا ورنہ وہ ہم عصر شعرا کا بہترین تذکرہ ثابت ہوتا۔

## شفیق اورنگ آبادی کے تذکرے

(۱) گل رعنا (رحمۃ اللہ) دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل میں فارسی کے مسلمان شاعروں کا ذکر ہے، دوسری فصل میں فارسی کے ہندو شاعروں کا حال ہے۔ دیباچے میں مصنف نے دس ماخذ کا ذکر کیا ہے۔ شتر عشق کے مصنف نے گل رعنا کی بہت تعریف کی ہے۔ کتاب کی دوسری فصل ہمالے لیے خاص طور پر اہم ہے کیونکہ اس میں فارسی کے ہندو شعرا کے حالات دیے گئے ہیں۔

(۲) شامِ غریباں | اس تذکرے میں اُن شعرا کا ذکر ہے جو ہندستان میں مسافر کی حیثیت سے وارد ہوئے۔ اس میں تراجم بہت مختصر ہیں۔

لطایف و ظرایف بہت ہیں۔ اشعار کا انتخاب موزوں اور عمدہ ہے۔ بعض اوقات مصنف نے مختلف شعرا کے مشکل اشعار کی تشریح بھی کی ہے۔

گلِ رعنا اور شامِ غریباں میں سے اول الذکر زیادہ اہم اور کارآمد ہے۔ اس کا دائرہ بھی وسیع ہے کیونکہ اس میں ہندستانی اور ایرانی شعرا کو جامعیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ثانی الذکر صرف ایران کے ان شعرا سے بحث کرتا ہے جو ہندستان میں وارد ہوئے۔ گلِ رعنا میں تراجم بھی مفصل ہیں۔ آزاد بلگرامی کا حال بہت طویل ہے۔ شاہنشاہ اکبر کے ذکر میں ۴۶ صفحات صرف کیے ہیں۔ اگرچہ حالات زیادہ تر تاریخِ بدایونی سے ماخوذ ہیں۔ گلِ رعنا ایک لحاظ سے سفینہٴ خوشگو سے زیادہ اچھا ہے۔ یعنی گلِ رعنا کی ترتیب بہ لحاظِ حروف تہجی ہے۔ یہ ہر دو تذکرے (سفینہ اور گلِ رعنا) واقعات کی تاریخیں درج کرنے میں بہت کوتاہی سے کام لیتے ہیں مگر خوشگو شیش کی نسبت زیادہ محتاط معلوم ہوتا ہے۔

(۳) چمنستانِ شعرا | یہ شفیق کا تیسرا تذکرہ ہے جس کی زبان فارسی ہے لیکن اردو شعرا کے حالات دیتا ہے۔ انجمنِ ترقی اُردو نے حال ہی میں اس

کو شائع کیا ہے جس کی ابتدا میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے۔ ہم نے شفیق کے حالات میں اس مقدمے سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ اس تذکرے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شعرا کی ترتیبِ ابجد کے لحاظ سے ہے۔ تراجم مختصر ہیں، زبان کسی حد تک منشیانہ ہے۔ ۱۶۵ء میں حبیب شفیق کی عمر ۱۷ سال تھی اس وقت یہ تذکرہ لکھا گیا۔ لیکن اشعار کا انتخاب، تحقیق و تنقید بتلاتی ہے کہ یہ کسی سن رسیدہ مصنف کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں مصنف میر تقی میر کی مخالفت کرتا ہے اور نکاتِ اشعار

کے بعض بیانات کی تردید کرتا ہے۔

## فن انشا کی کتابیں

- (۱) طرز الانشا (۱۱۳۰ھ) مصنفہ اندرجیت مخمّر
- (۲) گلدرتہ فیض (۱۱۳۹ھ) کے بعد مصنفہ تہوری مل تکیں
- (۳) رُقعاتِ رائے چھبیل رام (۱۱۴۰ھ)
- (۴) دقائق الانشا (۱۱۴۶ھ) مصنفہ رنجپور واس۔ یہ فن انشا پر ایک جامع کتاب ہے جس میں شعر، بلاغت، عروض، انشا کے تمام شعبوں پر بحث ہے مصنف کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کے لیے ۹ کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔
- (۵) انشاء دین دیال (۱۱۵۲ھ) مصنفہ دین دیال فتح پوری
- (۶) گلشنِ عجائب (۱۱۶۱ھ) مصنفہ رائے سنگھ منشی
- (۷) مسوواتِ کیول رام (۱۱۵۶ھ کے بعد)
- (۸) رُقعاتِ صاحب رام (۱۱۵۶ھ کے بعد)
- (۹) غریب الانشا (۱۱۵۷ھ) مصنفہ گلشن سنگھ نشاط
- (۱۰) رُقعاتِ مخلص (۱۱۶۲ھ) مصنفہ اندرام مخلص۔ ایک نسخہ یونیورسٹی لاہور میں لاہور میں ہے۔ اس کتاب کا ذکر اندرام مخلص کے مفصل تذکرے میں آگے آتا ہے۔

۱۱۵۷ھ۔ ریو۔ ج ۳۔ ص ۱۰۴۔ ۱۱۵۷ھ۔ ریو۔ ج ۳۔ ص ۹۸۷۔ رائے چھبیل رام کے حالات کے

لیے دیکھو آثار الامراء ج ۲۔ ص ۳۲۸۔ کتاب کے لیے دیکھو ریو۔ ج ۳۔ ص ۹۸۶۔ لکھ اندیا آئس۔ عدد ۲۱۳

بادلین عدد ۱۲۰۳ وغیرہ ۱۱۵۷ھ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (دکڑن کالیکشن) عدد ۴۱۔ ۱۱۵۷ھ معارف ۱۹۱

۱۱۵۷ھ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (دکڑن کالیکشن) عدد ۱۵۷۔ ۱۱۵۷ھ۔ ریو۔ ج ۳۔ ص ۹۸۶

- (۱۱) نیازنامہ (۱۱۶۷ھ - ۱۱۸۸ھ) مصنفہ بھان رائے پوری
- (۱۲) گلشن بہار (۱۱۸۲ھ) مصنفہ جسونت رائے منشی۔ یہ کتاب کسی قدر اہم خیال کی جاتی ہے۔
- (۱۳) صفات کائنات (۱۱۷۷ھ) مصنفہ سیالکوٹی مل وارثہ
- (۱۴) بہارِ بشر (۱۱۸۷ھ) مصنفہ آیل
- (۱۵) طلسمات خیال (تقریباً ۱۲۰۰ھ) مصنفہ نول کشور نراکت۔ یہ کتاب کسی قدر اہم ہے۔
- (۱۶) بہارِ معنی (بارہویں صدی ہجری) مصنفہ اندرجیت
- (۱۷) رتعات (۱۲۰۵ھ) مصنفہ منشی لکھمی نرین۔ اس مجموعے کا مرتب محمد فیض بخش ہے۔
- (۱۸) دستورالامتیاز (۱۲۰۳ھ) مصنفہ نوش حال رائے
- (۱۹) خلاصۃ الانشاء (۱۲۲۵ھ) مصنفہ لکھمی رام دہلوی
- (۲۰) منتخب الحقائق (۱۲۰۹ھ) مصنفہ امیر چند منشی۔ اس مجموعے میں مصنف کے ذاتی خطوط ہیں، کچھ خط مہاراجا رنجیت سنگھ، زماں شاہ اور تیمور شاہ کے نام ہیں۔
- (۲۱) منشآت منشی (تیرہویں صدی ہجری) مصنفہ گنیش داس۔ اس کتاب میں چار فصلیں ہیں۔

۱۔ دیو۔ ج ۳۔ ص ۹۸۸ ۲۔ دیو۔ ج ۳۔ ص ۹۸۷ ۳۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن) عدد ۱۵، ۱۶ ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں ہے ۴۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال عدد ۴۰۳ ۵۔ ایفا (کرزن کالیکشن) عدد ۴۲، ۴۳ ۶۔ دیو۔ ج ۲۔ ص ۹۳۳ ۷۔ آصفیہ۔ ج ۱۔ ص ۱۲۲ ۸۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کرزن کالیکشن)

سب سے پہلا خط خدا کے نام ایک عریضہ ہے۔ یہ کتاب مغلوں کے طرز حکومت سے بحث کرتی ہے۔ کاغذاتِ دفتری کی مختلف اصطلاحیں اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ مثلاً التماس، رقم، فرمان، تعلیقہ، پروانہ، اعلام، سند، پروانہ برآہ وغیرہ۔

اس کتاب میں عہدہ قانون گو کی ابتدا اور اس کے فرائض پر بحث ہے اس کے بعد بہت سے اداروں کی کیفیت بیان کی گئی ہے مثلاً ارباب التجار، سرشتہ بخشی گری، سرشتہ استیفا۔

چوتھی فصل ”سیاق“ کے متعلق ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ مختصر سا ہے لیکن کارآمد ہے۔ گنیش داس قانون گو نے اس رسالے کے علاوہ راج درشنی، تاریخ پنجاب وغیرہ کے نام سے تاریخ کی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ منشآت منشی کا ایک نسخہ استاد محترم پروفیسر محمود شیرانی صاحب کے پاس ہے۔

## اندرام مخلص کی نشر

اندرام مخلص کا مفصل حال ”لغات“ کے سلسلے میں دیا جائے گا۔ یہاں ہم سیاق کی رعایت سے مخلص کی نشر پر بحث کرنا مناسب خیال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے ایک دو افسانوں کو بھی زیر بحث لے آتے ہیں۔

بانکی پور لائبریری میں اندرام کے منشورات کا ایک نسخہ موجود ہے جس کے چھ حصے ہیں۔ ہم یہاں اسی نسخے کی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہیں سب سے پہلے رقعات ہیں۔ مصنف نے دیا پے میں لکھا ہے کہ ۱۱۴۹ھ میں اسے چند اوراق پریشان کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اس کے پرانے خطوط اور رقعوں کے مستودات تھے۔ چنانچہ اس نے ان سب کو ایک مقام پر جمع کیا جس سے کہ موجودہ مجموعہ بر رقعات مرتب



ہوا۔ یہ خطوط زیادہ تر دوستوں کے نام لکھے گئے ہیں جن میں سے آرزو، پیام، آفریں لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کچھ خطوط اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ کے نام بھی ہیں۔ اس مجموعے میں ایک خط ہے جو کسی دوست کو ۱۱۵۵ھ میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۱۱۴۹ھ کے بعد کے خطوط بھی ہیں (تفصیلی فہرست کے لیے دیکھو بانکی پور لائبریری، فہرست ج ۹۔ ص ۱۱۰)

رقعات کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ ان سے صرف مخلص کے تعلقات و روابط دوستانہ کا پتا چلتا ہے اور بس البتہ ادب کے لحاظ سے ان کو کچھ اہمیت حاصل ہے۔ مخلص کے خطوط نہایت عمدہ ہیں۔ ان میں جا بجا مخلص کی غزلیات ہیں۔ خطوط نہایت با موقعہ اور مختصر ہیں۔ انشائیں زمانے کے مطابق مشکل عبارات کا ہجوم ہے۔ شعر کا نمونہ یہ ہے:-

”سرشک فشانہا بے صبح و شام جگر گداختگان محبت اگر بہ گل  
زمین قبول تخم تاثیر نے کاشت، مقلب القلوب از چہ عطف عنانے  
بیاد نواب مستطاب مے داد“

پیری خانہ | فہرست نگار بانکی پور لائبریری کا بیان ہے کہ یہ ایک مرقع کا دیا چھ  
ہے جس میں میر عماد، میر علی وغیرہ مشہور خوش نویسوں کی خطاطی کے  
نمونے تھے اور ان کے علاوہ عمدہ اور دل فریب تصاویر بھی تھیں۔ آخر میں لکھا  
ہے کہ یہ دیا چھ ۱۱۴۴ھ میں تحریر کیا گیا ان جملوں سے تاریخ نکلتی ہے:-  
”زہے مرقع تصویر ہا“ اور ”بے بہا مرقع از تصویر“

اسی طرح کا ایک نسخہ ایشیا ٹیک سوسائٹی بنگال کے کرزن کالیکشن میں بھی ہے۔ فہرست نگار کا بیان ہے کہ مرقع تصویر نثر مستحج کا ایک مجموعہ ہے جس میں کسی خاص موضوع کے متعلق بحث نہیں۔ ابتدا میں صفویوں کی تعریف و توصیف میں کچھ غلطے موجود ہیں۔ پھر ہندستان کے امرا و عمائد کی مدح و ثنا ہے۔ کتاب میں مصنف کا نام نہیں ہے۔ صرف مختص ہے۔ وہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۴۲ھ میں لکھا گیا تھا۔ تاریخ ان دو جملوں سے نکلتی ہے بے بہا مرقع از تصویر اور زہے مرقع تصویر ہا۔ غالباً یہ اندرام مختص کی تصنیف ہے۔ فہرست نگار نے اس کو غلطی سے رقعات اندرام کا مثال سمجھا ہے۔ حالانکہ رقعات تو ۱۱۴۹ھ میں مرتب ہوتے ہیں اور رقعات کے مضامین کی نوعیت بھی بالکل مختلف ہے۔ قیاساً یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی دیباچہ پری خانہ یا اس کا کوئی حصہ ہے جس کا ذکر بانکی پور لائبریری کی فہرست میں آچکا ہے۔

منشورات اندرام میں نسخہ بانکی پور لائبریری ق ۵۶ - ۶۷ ایک طویل مکتوب بھی درج ہے جو اندرام نے حسب الحکم محمد شاہ غازی، ایران کے صفوی بادشاہ کو اس کی تحوت نشینی کے موقع پر لکھا تھا اس کا آغاز یہ ہے:-

سرنامہ بنام بادشاہیت  
کہ پیش جبہ ساہرچ کلاہیت

یہ آغاز سوسائٹی کے پری خانے کے آغاز کے مطابق ہے اور قیاس یہ ہے کہ سوسائٹی کے نسخے میں اور اس پری خانے میں کوئی فرق نہیں۔

مصنف کے اپنے بیان کے مطابق چہستان ۱۱۵۹ھ میں مرتب  
چہستان ہر چکی تھی کتاب کے آخر میں ایک شعر سے بھی یہی تاریخ

نکلتی ہے

چوں بہ پایاں رسید تاریخش

نسخہ دل نشیں نوشت قلم

چمنستان میں نہایت مفید اور عمدہ عجائب و غرائب کو جمع کیا گیا ہے جو مرآۃ الاصطلاح میں بھی آچکے ہیں۔ مرآۃ الاصطلاح اس سے پہلے ۱۱۵۵ھ میں لکھی جا چکی تھی۔ اسی کے نکات اور فوائد، لطائف و حکایات کو چمنستان کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ ایک شخص جو مرآۃ الاصطلاح سے فائدہ اٹھا لیتا ہے اس کو چمنستان کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر مطالب و مضامین کا مقابلہ کیا جائے تو اکثر مضامین دونوں کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ چمن دوم کا گلدستہ دوم بہ لحاظ ندرت کے عجیب و غریب چیز ہے۔ اس میں پھولوں، درختوں اور پھلوں کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کتاب میں چار چمن ہیں، ہر چمن میں دو گل دستے۔ آخری گل دستوں میں مخلص نے اپنے جدا مجد اور والد کے نصائح بزرگانہ کو درج کیا ہے۔ بہر حال دل چسپی کے لحاظ سے کتاب عمدہ ہے۔ مفصل فہرست مضامین، فہرست بائیں پور لائبریری میں دی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۱۵۶ھ میں بہ مقام لکھنؤ طبع ہو چکی ہے۔

ہنگامہ عشق | یہ کنور سندرسین کرناٹکی اور رانی چند پر بھا کا افسانہ عشق و محبت ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ ۱۱۵۲ھ میں جب کہ مخلص کا قیام

شاہ جہاں آباد میں تھا، وہ اپنے چند دوستوں کی معیت میں جن میں سے آرزو، محمد فی خاں، معنی یاب خاں، شاعر، راؤ کرپارام، فتح سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں شاہ مدار کے میلے پر گیا۔ انہی آیام میں ایک رات مخلص کو میندہ آئی تو اس نے اپنے کئی ملازم سے کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ ملازم نے یہ کہانی سنائی جس کو محمد جاسی پڑاؤ

۱۱۲ گل رعنائیں غالباً اسی قفسے کی طرف اشارہ ہے (دیکھو فہرست بائیں پورہ: ۱۱۳)

میں بیان کر چکا ہو مخلص نے اسی کہانی کو فارسی میں منتقل کیا۔

اس کی تاریخ تصنیف ۱۱۵۲ھ ہے جو نغمہ چند سے نکلتی ہے۔

چو این نغمہ چند نقاش شوق بایں رنگ بر صغہ تصویر کرد

بہ تحریک دل سال اتام آں قلم ”نغمہ چند“ تحریر کرد

اس نسخے کے آخر میں ایک نوٹ ہے جو مخلص نے لکھا ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ ۱۱۵۵ھ میں اس نے خود کتاب پر نظر ثانی کی تھی اور مناسب ترمیم و

اضافہ بھی ہوا۔

کارنامہ عشق | یہ شاہ زادہ گوہر اور ملکہ مملوکات کے حسن و عشق کی داستان ہے۔  
دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۴۲ھ میں مرتب ہوئی مگر ”چشور انگیز

رنگیں قصہ بود“ سے جو تاریخ نکلتی ہے وہ ۱۱۳۹ھ ہے۔

افسوس کہ ان دونوں کہانیوں کا کوئی نسخہ ہمارے پاس نہیں اس لیے

ان کے تفصیلی حالات نہیں لکھے جاسکتے۔

ان کتابوں کے علاوہ ہنگامہ عشق کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلص

نے کم از کم ایک اور کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ”بدائع و قائع“ ہے۔ یہ نادر تصنیف ہے۔

ایلیٹ نے اس کا نام ”مذکرہ“ لکھا ہے۔ اس کا مفصل حال حال ہی میں پرنسپل

محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے۔

## قصص و حکایات

(۱) فرح بخش (قبل از ۱۱۳۵ھ) مصنفہ لکھی رام ابراہیم آبادی ضلع غازی پور۔

یہ کتاب عاقل خاں رازی کی ”شمع و پروانہ“ پر مبنی ہے۔

- (۲) داستان لال پری (۱۲۲۴ھ) مصنفہ رنجیت رائے
- (۳) رنگین بہار (۱۱۵۵ھ) مصنفہ کرپا دیال۔ شاہ زادہ بہرام اور دختر شاہ داراب کے عاشقہ کا قصہ
- (۴) ہیر رانجھا (۱۱۵۴ھ) مصنفہ منارا منشی
- (۵) قصہ نور و روز شاہ (۱۱۵۴ھ) مصنفہ اودت چند عزیز کا بیٹھ
- (۶) ملاحت مقال (۱۱۵۴ھ) مصنفہ دلپت رائے۔ یہ تاریخی حکایات کا مجموعہ ہے جس میں مغل شاہنشاہوں اور امیروں کے متعلق کہانیاں جمع ہیں۔ یہ کتاب مہاراجا مادھو سنگھ کی فرمائش پر مرتب کی گئی تھی (مہاراجا کی زندگی کے لیے دیکھو مادھو سنگھ ج ۲ ص ۳۶۹) اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔
- دلپت رائے نے دیوان حافظ کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔
- (۷) نخلستان (۱۲۱۸ھ) مصنفہ شفیق اورنگ آبادی
- (۸) پرورتی و نوروتی (۱۳ صدی ہجری) مصنفہ لالہ رنجیت
- (۹) قصہ ملک محمد و شہر بانو (۱۲ صدی ہجری) مصنفہ لکھن سنگھ غیوری۔ اصل کتاب اردو میں تھی غیوری نے شاہ عالم ثانی کی فرمائش پر اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

## مترجمات

- (۱) مخزن العرفان (۱۲۱۹ھ) مصنفہ روپ نرائن دلہری نرائن کھتری سیالکوٹی۔ یہ کتاب برج اور مقامات متبرکہ ہندو کی تاریخ ہے۔ اصل میں اس کتاب کا نام
- 
- لے ایوانف الیٹیمک سوسائٹی بنگال۔ عدد ۲۰۔ ۱۵۔ ریو۔ ج ۲۔ ص ۷۰، ۷۱۔ ریو۔ ج ۲۔ ص ۷۰، ۷۱۔ ریو۔ ج ۳۔ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ انڈیا آفس کیٹلاگ (راس برادرن)
- ۱۵۳: انڈیا آفس عدد ۸۵۵۔ ۷۱۔ انڈیا آفس عدد ۸۶۵۔ ۷۱۔ انڈیا آفس عدد ۸۷۵۔ ۷۱۔ ریو۔ ج ۱۔ ص ۱۵۳

- "برج مہاتم" ہے۔  
 (۲) گلشنِ اسرارؒ (۱۱۳۴ھ) مصنفہ نیمہ نرائن۔ اس کا ذکر کتبِ تاریخ میں آچکا ہے۔  
 (۳) رسالہ در مدح شیوجی { مصنفہ کشن سنگھ نشاط۔ بنارس کی برکات سے بحث کرتی ہے۔  
 (۴) عینِ الظہور  
 (۵) بھگت مالہؒ (۱۱۶۲ھ) مصنفہ لال جی داس  
 (۶) محیطِ معرفتؒ (۱۱۶۴ھ) مصنفہ سستی داس عارف  
 (۷) پورانِ ناتھ پرکاشؒ (۱۱۹۰ھ) مصنفہ نور اور سنگھ۔ اصل کتاب پنڈت رادھا کنتھ ترکھا کی تھی ہوئی ہے اور ہندوؤں کے سینن سے بحث کرتی ہے۔  
 (۸) رسالہ کرپا رامؒ (۱۱۹۰ھ) مصنفہ منشی کرپا رام کا بیٹھ  
 (۹) چھتر مہاتمؒ (۱۲۱۸ھ) مصنفہ کرن سنگھ  
 (۱۰) کرم کاٹھ { مصنفہ منشی دلارام  
 (۱۱) پنجاست کاے {  
 (۱۲) گیا مہاتمؒ (۱۲۰۶ھ) اندکا ہن خوش

## علم الحساب

- (۱) دستور الحسابؒ (۱۱۸۰ھ) مصنفہ اندر من منشی  
 (۲) زبدۃ القوانینؒ (۱۲۱۱ھ) مصنفہ ہر سکھ رائے

۱۹۶۱ء - ج ۳ ص ۹۱۷ - ۹۱۸ - ج ۲ ص ۷۹۵ - انڈیا آفس عدد ۱۹۵۸ء؛ ایضاً عدد ۱۹۶۱ء

۱۹۶۱ء - ایضاً ایک سوسائٹی بنگال کرزن کالیکشن عدد ۶۹۳ - ۷۹۵ - راس براؤن ص ۸۹ - ۹۵ - ریو ج ۱

۱۹۶۳ء - ہاڈلین لائبریری عدد ۱۹۵۹ء و ۱۹۶۲ء - ہاڈلین عدد ۱۹۶۰ء - ۱۹۶۱ء - ج ۱ ص ۱

۱۹۵۹ء - ریو - ج ۱ - ص ۶۳ - ۶۴ - ریو - ج ۱ - ص ۹۹۵

(۳) مجمع الحساب (سنہ ۱۲۱۵ھ) مصنفہ گھاسی رام۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

(۴) رسالہ حساب (زمانہ معلوم نہیں) مصنفہ انند رام کالیستھ۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

## ہیئت و نجوم

زینج محمد شاہی (سنہ ۱۲۱۵ھ) مصنفہ راجا جی سنگھ کچھواہرہ۔ اس راجا کا اصل نام راجا بجو سنگھ تھا، او رنگ زیب کے زمانے میں بہت سے ذتے داری کے عہدوں پر سفر فرما رہا۔ محمد شاہ کے زمانے میں اگرہ کا صوبہ دار تھا۔ عام طور پر اسے مرزا راجا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ راجا نے جب محسوس کیا کہ مروجہ تقادیم میں بہت سے نقائص ہیں تو اس نے اس معاملے میں محمد شاہ بادشاہ سے گفتگو کی، بادشاہ نے راجا کے ساتھ اتفاق کیا اور اصلاح و ترمیم کا مشورہ دیا۔ راجا نے بہت سے ہیئت والوں کو بلایا اور بہت سی الواح (TABLES) تیار کروائیں پھر مینول کے ساتھ بعض قابل ماہرین ہیئت کو یورپ روانہ کیا تاکہ وہاں کی الواح سے مقابلہ کیا جاسکے۔ یہ لوگ جب یورپ سے واپس آئے تو اس کے بعد یہ زینج تیار کی گئی۔ کتاب تین مقالات پر مشتمل ہے اس کے دیباچے کا ترجمہ ڈاکٹر ہنٹر نے کیا ہے اور ایشیاٹک ریسرچ (رج ۵ ص ۱۷۷) میں موجود ہے [راجا اور زینج کے لیے دیکھو ماڈراجستان۔ رج ۲، ص ۳۵۶۔ مآثر عالمگیری۔ ص ۳۲۴، ریوج ۲ ص ۱۶۰]۔

## لغات

اس عہد میں بعض نہایت مستند اور مخیم لغات تیار ہوئیں۔ اس زمانے میں

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے مفردات الفاظ کی بجائے محاورات و اصطلاحات کی طرف زیادہ توجہ تھی چنانچہ مرآۃ الاصطلاح، مصطلحات و ارشہ اور بہارِ عجم ہر سہ محاورات و مصطلحات پر مشتمل ہیں۔ اس عہد میں یہ پانچ کتابیں لغت کی لکھی گئی ہیں:-

(۱) مرآۃ الاصطلاح مُصَنَّفِہ اندرامِ مخلص

(۲) مُصطلحات و ارشہ مُصَنَّفِہ سیالکوٹی مل و ارشہ

(۳) بہارِ عجم مُصَنَّفِہ نیک چند بہار

(۴) ہفت اختر (۱۱۸۲ھ) مُصَنَّفِہ کاشی

(۵) آمدنِ نامہ (بعد از ۱۲۱۲ھ) مُصَنَّفِہ سکھ رام داس

ان میں نمبر ۱، نمبر ۲، نمبر ۳ بہت اہم ہیں اس لیے ہم ان پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہیں اور ان کے سلسلے میں ان مصنفین کے مفصل حالات بھی درج کرتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے اندرامِ مخلص اور اس کی کتاب مرآۃ الاصطلاح کو لیا جاتا ہے۔

## اندرامِ مخلص

**حالاتِ زندگی** | اندرامِ مخلص دراصل سودھرہ (ضلع سیالکوٹ) کا رہنے والا تھا۔ وہ ذات کا کھتری تھا فارسی وغیرہ میں اُسے اعلیٰ استعداد حاصل تھی۔ بچپن میں گنجے کا بہت زیادہ شائق تھا۔ لیکن جب اس کے والد راجا ہروی رام نے سختی سے فہمائش کی تو اس نے پھر گنجے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کی۔

۱۵ ریو۔ ج ۳۔ ص ۱۰۱۲ ۱۵ ریو۔ ج ۳۔ ص ۵۲۱ ۱۵ چنٹا بن مخلص۔ طبع لکھنؤ۔ ص ۶۲

۱۵ ریو (ج ۲۔ ص ۹۹۴ الف) اور اس کے متبع میں ایتھے (انڈیا آفس۔ عدد ۱۷۰۰) نے بھی

غلطی سے مخلص کے باپ کا نام مروی رام لکھا ہے لیکن دکیو گیل رونا (فہرست بانکی پور۔ ج ۸

ص ۱۳۳ و مرآۃ الاصطلاح ق ۷۵)



وہ محمد شاہ کے زمانے میں وزیر اعتماد الدولہ کا وکیل تھا۔ سیف الدولہ عبدالصمد خاں صوبہ لاہور و ملتان کے وکیل کی حیثیت سے کام کرتا تھا چنانچہ اس کے جس کا کردگی کی وجہ سے اس کو رائے رایان کا خطاب ملا۔

شعر و شاعری میں پہلے پہل مرزا بیدل سے اصلاح لی پھر حبیب خان آرزوؒ میں دار الخلافہ شاہ جہاں آباد میں آئے تو اندرام مخلص سے اتفاق مصاحبت ہو گیا پھر مناسبت مزاج کی بنا پر ان میں اتنا کامل اتحاد ہو گیا کہ اس نے خان آرزو کے لیے جاگیر، منصب اور خطاب خانی بادشاہ سے حاصل کیا۔ سراج الدین آرزو اپنے تذکرہ موسوم بجمع النفائس میں لکھتے ہیں کہ ”اندرام بے حد خوش خلق آدمی ہیں تیس سال سے میرا قیام دہلی میں ہوا اس کی وجہ صرف مخلص کی عنایات ہیں۔“ رقعات اور دوسری تصنیفات بھی سراج الدین آرزو اور مخلص کے تعلقات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ میر شرف الدین پیام کے ساتھ بھی دوستانہ روابط تھے مرآۃ الاسطلاح، رقعات اور چمنستان سے مخلص کے معاصرون کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتے ہیں۔ مخلص مدت تک نفث الدم میں مبتلا رہ کر ۱۱۷۷ھ میں چل بسا۔

مخلص کا ذکر تقریباً سب تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ مخزن الغرائب بھی جس کے متعلق بجا طور پر یہ شکایت ہو سکتی ہے کہ وہ ہندو شاعروں کا ذکر کم کرتا ہے مخلص کو باقاعدہ اپنے شعر کی فہرست ملے دیو۔ لکھا ہے کہ ۱۱۷۳ھ میں آرزو کی خواہش اندر کوشش سے مخلص کو رائے رایان کا خطاب ملا۔ یہ صحیح نہیں بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ دیکھو خزائن عامرہ نیز نثر عشق ج ۱، ق ۹۲۔ تذکرہ آرزو مخزن الغرائب میں لکھا ہے کہ مخلص بوجہ فرہبی کے خود کام نہ کر سکتا تھا اس لیے اس نے اپنا کام ایک اور شخص کے سپرد کر دیا تھا ۱۱۷۳ھ نثر عشق (رق پنجاب یونیورسٹی) ج ۱، ق ۹۲۔ تذکرہ میر ۸۹

میں داخل کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلص اپنے معاصروں کے لیے شمع محفل تھا۔ علم و شعروں قدرت رکھنے کے علاوہ اہل علم کے لیے لجاو ماویٰ بھی تھا۔ سید غلام علی نسیم امر وہوی نے ایک شعر مخلص کے متعلق خوب لکھا ہے۔

اے سپہر سخوری مخلص فخر عرفی و انوری مخلص

آرزو کا قول ہے کہ "مخلص از منتخبان روزگار ست" درانشا و فن شعر کتب متعددہ دارد۔ اشعارش نہایت مرغوب<sup>۱</sup>، والہ داغستانی کا قول ہے کہ "برابر فکر اور درہنہ و کسی نیست" اور حق یہ ہے کہ نہایت مناسب اور موزوں تعریف کی ہے۔ غلام علی آزاد نے خزانہ عامرہ میں حکیم حسین شہرت کا قول نقل کیا ہے کہ "دو مخلص اندیکے کاشی، دوم ماشی"

مخلص کی عجائب پسندی | مخلص کی طبیعت کی افتاد کچھ ایسی تھی کہ وہ عجائب و غرائب کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔

لُغت جیسی ٹھوس اور جادہ چیز کو وہ نہایت دل چسپ بننے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں کامیاب ہوتا ہے۔ لطائف، نکات وغیرہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ طبیعت نہایت شگفتہ تھی۔ قبوہ کا استعمال عام کیا کرتا تھا اور بزم کا اتنا شائق تھا کہ دہلی میں شام کے وقت ایک چار یا تھوڑے کی دکان پر اپنے احباب سمیت جا بٹھتا اور خوش وقت ہوتا۔ امیرانہ زندگی بسر کرتا اور اپنے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرتا تھا۔

مخلص کی فارسی | جس ملک کی علمی زبان اجنبی ہو وہاں ایک ایسے شخص کو جس کا مبلغ علم صرف چند کتابوں اور بعض اہل زبان کے

ساتھ گفتگو تک ہی محدود ہو، زبانیں داں ہونے کا دعویٰ کرنا اور زبان دانوں کے ساتھ مقابلہ کرنا بہت کم ممکن ہو سکتا ہے اور اس حیثیت سے مخلص کا اول ہندستانی ہونا اور پھر ہندو ہونا اس امر کی ایک وجہ ہو سکتی تھی کہ اس کو زبان کے ٹھیکہ روزمرہ محاورات میں زبان دانانہ دعویٰ نہ ہو سکتا لیکن مخلص کے حالات معلوم کرنے سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ مخلص ادبی مذاکروں میں اہل زبان کے ساتھ صرفانہ اور ہم چشمانہ گفتگو کر سکتا تھا۔

مخلص زبان دانوں کے اشعار پر تنقید بھی کیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات خان آرزو کے ساتھ بعض محاورات کی صحت و سقم کے معاملے میں اختلاف ہو جاتا تھا حالانکہ خان آرزو کی بزرگی کو سب تسلیم کرتے تھے۔

زوالِ سلطنتِ مغلیہ کے وقت فارسی زبان میں بھی کافی زوال آچکا تھا۔ انشا پردازی میں مختلف قسم کی غشیں اور نزاعیں پیدا ہو گئی تھیں۔ چنانچہ انھی میں سے ایک نزاع "استعمالِ الفاظِ ہندی در فارسی" کے متعلق تھی۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ فارسی میں ہندی الفاظ کی آمیزش، فصاحت میں فرق پیدا کر دیتی ہے، اور دوسری جماعت کا یہ خیال تھا کہ جب ترکی، تورانی وغیرہ زبانوں کی آمیزش اس رنگ کو بد مزہ نہیں کر سکتی تو ہندی جو بہت حد تک فارسی سے متحد الاصل ہو کس طرح اس الزام کا شکار ہو سکتی ہو۔ اس گروہ کے امام سراج المتحققین خان آرزو تھے۔

مخلص اس بارے میں خان آرزو کا پیرو تھا۔ مرآۃ الاصطلاح میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ اعتقاد بعض عرب زبان است کہ الفاظِ ہندی در اشعار فارسی آدھون درست نیست الا لاسلم ایں چیز ہا برلے خاتمان و مبتدیان مضائقہ دارد، اہل قدرت و استعداد فخرانہ بعینہ اسی طرح کا خیال چمنستان میں ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہندی الفاظ

کا استعمال قادر الکلام لوگوں کے لیے جائز ہے۔

**مخلص کا انداز تحریر** | مخلص کی نثر کی خصوصیات کے متعلق ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں۔ اس نے فارسی میں ایک نیا انداز نکالا ہے۔ نثر عشق

میں لکھا ہے "در فارسی روش مخصوص بدست آورده"۔ مخلص کے طرز انشا میں زیادہ تکلف نہیں لیکن وہ مشکل نویسی کے الزام سے بالکل بری نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بعض اوقات عبارت میں وہی رنگ نمایاں ہو جاتا ہے جو اس زمانے کے اکثر شاعر سپند انشا پردازوں کی خصوصیت تھی اور درحقیقت اس زمانے میں ہر شخص کا منہ تائے نظر یہی تھا۔

کسی واقعے یا منظر کا صحیح نقشہ کھینچنے میں مخلص کمال کر دکھاتا تھا۔ کلام میں متانت اور روانی تھی، اس کو زبان پر کافی قدرت حاصل تھی، وہ انشا میں بلا تکلف اہل زبان کے محاورات استعمال کرتا ہے۔ نثر کے کچھ فقروں کے بعد شعر لاتا ہے اور بر عمل لاتا ہے، وہ عبارتوں میں ہندی الفاظ کو بھی کبھی کبھی استعمال کرتا ہے۔ چمنستان کی نثر سادہ اور شگفتہ معلوم ہوتی ہے۔ چمنستان اور رقعات کے علاوہ مخلص کی انشائے نثر کا جو نمونہ ہمیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اس کی بنا پر یہ امر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مخلص فارسی کے بلند پایہ ادیبوں میں سے تھا اور ادبیات فارسی کی کوئی تاریخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

**مخلص کی شاعری** | اب ہم مخلص کی شاعری کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس اس کا دیوان موجود نہیں لیکن مجمع النفائس

میں اس کے کلام کا نمونہ درج ہے۔ رقعات میں بھی اس کی کچھ غزلیں، ایک دو

لہ نثر عشق (ظہی پنجاب یونیورسٹی) ج ۲، ص ۳۲ ب لہ مجمع النفائس، قلمی

قطعے ایک آدھ مختصر مثنوی ہے۔ خزانہ عامرہ اور مخزن الغرائب میں بھی اس کے کلام کا نمونہ موجود ہے۔ نشتر عشق میں بہت سے اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم مخلص کے کلام پر اس وقت تک مجموعی حیثیت سے کوئی جامع تبصرہ نہیں کر سکتے جب تک کہ پورا کلام پیش نظر نہ ہو۔

مخلص نے مرزا بیدل سے اصلاح لی ہے مگر اس کا کلام سادگی اور روانی سے متصف ہے۔ متاخرین میں "طرز خیال" کو جو مقبولیت

طرز خیال

حاصل ہوئی ہے اس کا اثر ہمارے شاعر پر پورے طور پر نہیں پڑا، ورنہ اس زمانے میں علو فکر اس امر کے مرادف تھا کہ شعر میں وہ دقیق خیال پیدا کیا جائے کہ اس کا سمجھنا عام افہام و ادہان سے باہر ہو۔ نظم را بحد اعتدال رسانیدہ "نشتر عشق کا منقولہ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس کا کلام سلاست کی طرف مائل ہے۔ غلام علی آزاد لکھتے ہیں کہ "سخن اندرام قشقتہ قبول برجیں دارد" اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مخلص کے کلام میں تمثیل زیادہ ہے اور اس چیز سے اس کے کلام میں ایک شوخی پیدا ہو گئی ہے اور آزاد کہتے ہیں کہ "اشعارش نہایت مرغوب" دیوان کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے لیکن اس کے علاوہ کہیں پتا نہیں چلتا۔ گل رعنا میں ہے کہ مخلص کا دیوان دس ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ انڈیا آفس لائبریری میں جو نسخہ ہے اس میں رباعیات بھی ہیں، اُس نسخے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مصنف کی زندگی میں لکھا گیا تھا اس لیے کہ اس کی تاریخ کتابت ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۵۷ھ ہے۔ غلام علی آزاد نے بھی مخلص کا دیوان اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور کلام کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ مجمع النفائس سے نقل کیا ہے۔ ہم اب مخلص کے کلام کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

لے نشتر عشق ایضاً ۵۷ خزانہ عامرہ ص ۲۲۵ ۵۷ مجمع النفائس ایضاً ۵۷ انڈیا آفس

لائبریری کی لاگ، عدد ۱۰۷۵ دیکھو فہرست باگی پور ۳۲۱۸ نشتر عشق میں بھی یہی تعداد ابیات کی

دی ہے۔

غریبے درد مندے کیسے آزدہ جانے را  
 بیائے گلبنے دیدیم شبت استخوانے را  
 سفر دور و دراز آمدہ در پیش مرا  
 کرد در خانہ آئینہ نظر بند مرا  
 نہ شرم آب گشتیم خاک بر سر مرا  
 تنہا گزاشتید دریں گشتاں مرا  
 نگذاشت فصل گل بچمن باغباں مرا  
 بولے خوں آید از فائے ما  
 بندہ پرورد ہنوز آخارست  
 از تو مخلص نالہ و از یاد نشین لبست  
 گریہ گویند اثر داشتہ است  
 بہار از جانب ما عذر خواہ است  
 بعد ازیں اختیار یارانست  
 بگزارید کہ سودا دارد  
 گر نشد امروز فردا مے شود  
 چو آن آبے کہ وقت شام در گزارے گردد  
 عندلیباں ہمہ یکجا شدہ فریاد کنند  
 بندہ پرورد! سر بازار سلامت باشد  
 ایں پس قالم مقام حضرت مجنون شود  
 صد بہار آخر شد و من ہچاں دیوانہ ام  
 کہ ایں رعنا جواں بسیار مے ماند بیارمن

ۛ میا زارای محبت باز چوں من نانوائے را  
 ز حال بلبل مسکین ندارم اطلاع آتا  
 ۛ برو سودے سر زلف تو از خویش مرا  
 ۛ حسن در قید تماشاے تو افکند مرا  
 ۛ گزشتی از نظر سبے تو زندہ ایم ہنوز  
 ۛ ای بلبلان کہ در وہ سفر جانب قفس  
 با بلبلان شریک فغاں مے شد مے ولے  
 ۛ قصہ کوہ کن بود گویا  
 ۛ از خطت بشور در جہاں افتاد  
 ۛ ماجراے بلبل و گل شاہ احوال ماست  
 ۛ ماندیدیم بچشم خود آہ  
 ۛ گر فم ارتکاب مہ گناہ است  
 ۛ توبہ شوم است فصل گل گفتیم  
 ۛ نبود قابل صحت مخلص  
 ۛ از قدش بر من قیامت در جہاں  
 ۛ سیمستانہ اشک من بکونے یار مے گردد  
 ۛ خوش نشینان چمن بار سفر مے بندند  
 ۛ گر مناسب نبود آملخ در کویت  
 ۛ چون منجم دید طالع نامہ ام خندید و گفت  
 ۛ بلبل شوریدہ چوں من ندارد ایں چمن  
 ۛ از اں ہر لحظہ در بر میکشیم سر و گلستان را

۷۔ عکس چشم خوشتر در آئینہ است یا شنائے کند در آب آہو  
 ۸۔ حقوق صحبت گل ہر توبیہ راستای بلبل مبادا از چمن غافل در آیام غم غراں باشی  
 استاد محترم پروفیسر شیرانی صاحب کے کتب خانے میں مخلص کی رباعیات محفوظ ہیں۔ یہ نسخہ شاید خود مصنف کے قلم سے لکھا گیا ہو۔ اس کے ایک صفحے کا عکس موجود کتاب میں شامل ہے۔

مخلص کی تصنیفات | آئندہ لکھتے ہیں کہ ”در انشا و فن شعر کتب متعددہ دارد“  
 افسوس کہ آئندہ ”کتب متعددہ“ کی تفصیل نہیں لکھی۔  
 ہمیں اپنی کوشش سے صرف ذیل کی کتابوں کا پتہ چل سکا ہے:-

۱۔ مرآۃ الاصطلاح

۲۔ چمنستان

۳۔ رفعات

۴۔ ہنگامہ عشق

۵۔ کارنامہ عشق

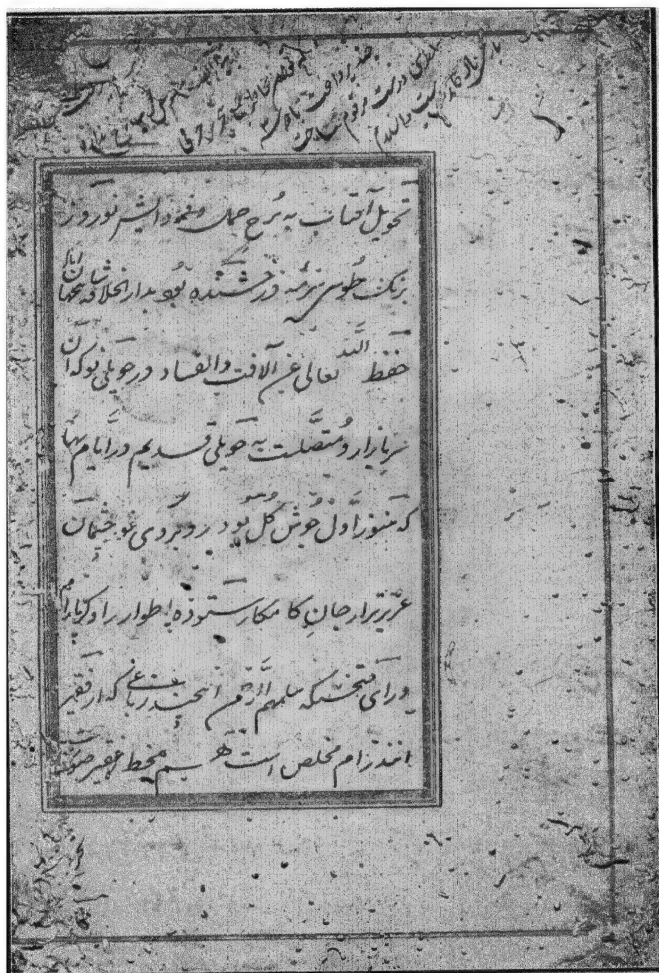
۶۔ تذکرہ

۷۔ پری خانہ۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ایک کتاب ”مرقع تصویر“ ہے  
 ہمارا خیال ہے کہ پری خانہ اور مرقع تصویر ایک ہی چیز کے دو حصے ہیں۔  
 ۸۔ دیوان نظم

ان میں سے بعض تصنیفات کا ذکر پہلے آچکا ہے یہاں ہم صرف مرآۃ الاصطلاح

کو لیتے ہیں جو بلحاظ قدر و قیمت مخلص کی تصنیفات میں سب سے اہم ہے۔

مخلص کے آخری عہد حکومت میں صحیح اور مستند فارسی کا معیار  
 مرآۃ الاصطلاح | تلاش کرنا پڑتا تھا، خود ہندوستان کے مسلمان بھی صحیح فارسی کے



رباعیات مخلص کے ایک خود نوشتہ نسخے کا ایک ورق  
 (پنجاب یونیورسٹی شہرانی کا ایکشن)





لیے سند نہ سمجھے جانتے تھے، اس لیے کہ فارسی کا اصلی ماہر صحیح معنوں میں ایک ایرانی ہی ہو سکتا ہے نہ کہ ہر سلطان۔ اس عہد میں صحیح فارسی کا معیار قائم کرنے کی مزید ضرورت اس لیے بھی تھی کہ شاہی دفاتر کے ملازمین کی زبان صاف نہ تھی اور اسی نا صاف اور غیر شستہ زبان کا رواج مُصنّفین تک بھی جا پہنچا تھا۔ اس ضرورت کی بنا پر اس عہد میں بے شمار لغت نویں پیدا ہوئے جن میں خان آرزو، ہمارا مُصنّف، وارستہ اور ٹیک چند بہار قابل ذکر ہیں۔

ان لغات کی ایک بڑی ضرورت یہ تھی کہ عام لوگ صرف کتابی فارسی سے آشنا ہوتے تھے اور ان روزمرہ و محاورات سے جو نئے لوگوں میں ایران کے ائمہ رائج ہوتے تھے محض ناواقف ہوتے تھے۔ چنانچہ قلیل نے اپنی تصنیفات میں اس کا بارہا ذکر کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر ہندستانیوں میں سے کسی کو ایرانیوں کے ساتھ گفتگو کا موقع ہوتا تو افہام و تفہیم سے بھی قاصر رہتا۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کئی ایسی لغات لکھی گئیں جن میں صرف ان الفاظ کا اندراج ہوا جن سے ہندستانی فارسی داں نا آشنا ہوتے۔ اس کام کی تکمیل کے لیے لغت نویں کو زبان دانوں کی کتابوں اور ان کی گفتگو سے استناد کرنا پڑتا چنانچہ مصنف نے خود دیا چے میں بیان کیا ہے۔

”برخلاف فرہنگ نویسیاں کہ بتحریر لغات قدیم مصروف

بودہ بتحقیق مصطلحات فارسی گویان تازہ تو بچے نمودہ آید..... واز

خدمت زباں دان معتبر بپایہ تحقیق رسید“

تاریخ تصنیف | تصنیف کی تاریخ خود مصنف نے دیا ہے میں لکھی ہے جو کہ  
تحقیق اصطلاحات کے اعداد کے برابر ہے یعنی ۵۸ ہجری

بانکی پور لائبریری کا فہرست نگار لکھتا ہے کہ کتاب کے آخر میں ۵۱۵ھ ہجری کی بجائے ۵۱۵ھ ہجری مرقوم ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخے میں ایسی کوئی عبارت نہیں ملی کتاب میں جا بجا واقعات کو سنوں کے ساتھ مقید کیا گیا ہے چنانچہ ۵۱۵ھ کا ذکر بھی کتاب میں موجود ہے مثلاً ورق ۹۹ بذیل خلعت۔

**کتاب کے مآخذ** مصنف نے دیباچے میں اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے "واذ خدمت زباں دانان معتبر بپایہ تحقیق رسید" مصنف نے شذت کے ساتھ اس امر کی پابندی کی ہے کہ اپنے زمانے کے تازہ گو لوگوں کے اشعار اور عبارات کو بطور سند پیش کرے۔ سراج الدین آرزو سعید اثر فصاحت علی خاں راضی، شرف الدین پیام، علی حزیں، صائب، رضی دانش، مرزا خجات وغیرہ کے اشعار عام طور پر ملتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ مصنف نے نہایت دقت نظر کے ساتھ اختیار کیا ہے اور کتاب کی غرض اصلی اسی امر کی متقاضی تھی مخلص خود ایک مقام پر لکھتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس طرز عمل پر اعتراض ہے "صاحبان این فن بر راقم خورده گیرند کہ این چہ قسم اسناد است کہ گاہ از ظفر خاں بنوید و گاہ از عنایت خاں" پھر اس کا جواب یوں دیا ہے معلوم باد کہ یکے اینہا اہل ایراند و زباں داں ہستند، دوم آں کسان اند کہ مثل مرزا صائب و طالب کلیم و قدسی و سلیم رفیق شاہ بودند۔

مخلص نے اپنے مسلمات کی بنیاد تو زباں دانوں کے اشعار پر رکھی ہے

لے فہرست بانکی پور ج ۹-ص ۳۱-عدد ۱۰۰۵۷ ذرا کم بر سر فولاد پھی نرم شود کی شرح میں مخلص نے ایک قفقہ دیا ہے جس کا آغاز یوں ہے "حالا کہ سال ۱۱۵۷ است" مگر چنتاں میں اسی واقعہ پر ۱۱۵۸ھ لکھا ہے۔ بذیل چوب دست بھی ہے "دریں روز ہاک سال ہجری ۱۱۵۷ است"

یاد ان کی کتابوں پر بیان کی گفتگو پر، چراغ ہدایت، امثال مرزا محمد فروتنی، سراج اللغہ، حجت ساطع، مذا ساطع، تحفہ سامی، تذکرہ طاہر نصر آبادی، فرہنگ جہانگیری، واقعات بابری وغیرہ کا ذکر کتاب میں آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخلف نے زیادہ تر سراج اللغہ، حجت ساطع اور امثال مرزا محمد فروتنی کی طرف توجہ کی ہے۔

**ترتیب** لغات کو حروف تہجی کی بنا پر مرتب کیا ہے، صرف محاورات اور متعابلات وغیرہ کا اندراج کیا گیا ہے۔ ہر ردیف کے آخر میں مثالوں کو پیش کیا گیا ہے جن میں سے بعض مصرعوں اور شعروں کی صورت میں ہیں جن کو "امثال موزوں" کہا گیا ہے اور کچھ نثر میں ہیں ان کو "امثال غیر موزوں" کے نام سے تعبیر کیا ہے بعض اوقات الفاظ کے ضمن میں بعض اور چیزوں کا ذکر آ جاتا ہے جن کا بظاہر اس ردیف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مثلاً نیشکر ایک لفظ ہے اس کے ضمن میں خوش نویسی کا ذکر آ گیا ہے اور ساتھ ہی ہدایت اللہ خوش نویس کا تذکرہ ہے۔ بعض اوقات الفاظ کی تشریح کے طور پر کہا نیوں اور لطیفوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جن میں گاہے گاہے اپنے تجربات پیش کیے ہیں۔ غرض کتاب کی ترتیب و تدوین میں یہ انوکھی طرز ملحوظ رکھی گئی ہے جو اس کو دوسری لغات سے ممتاز کرتی ہے۔

**مرآۃ الاصطلاح کی خصوصیات** اگرچہ یہ تہار کی طرح تفصیلی لغت نہیں اور صرف بعض اصطلاحات تک ہی محدود

ہے تاہم اس کی دل چسپ طرز ترتیب اس کے لیے باعث امتیاز ہے۔ مرآۃ جہاں ایک لغت کی کتاب ہے وہاں ایک بیاض بھی ہے جو ہر مذاق کے آدمی کے لیے جاذب توجہ ہے۔ مصنف کے ذاتی حالات بھی اس کتاب سے بکثرت مل سکتے ہیں۔ سراج الدین

آرزو کے ساتھ اس کے تطقات کا حال اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اکثر حقائق اس سے منکشف ہوتے ہیں جن سے مخلف کے واقعات زندگی کی

ترتیب میں فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

۳۔ یہ کتاب اس کی کو کسی حد تک پورا کرتی ہے جو ہماری سیاسی تاریخوں میں موجود ہے۔ معاشرتی حالات کا ملنا اس قدر دشوار ہے کہ ان کے متعلق معمولی واقعات کا معلوم کر لینا بھی غنیمت ہے۔ انتظامات سلطنت، ہندوستانیوں کے رسوم اور دیگر مسائل کا حال ہمیں دوسری تاریخوں سے بہت کم ملتا ہے اور اسی کمی کو مرآۃ الاصطلاح کسی حد تک پورا کرتی ہے۔ ہم ذیل میں مثال کے طور پر بعض چیزوں کو پیش کرتے ہیں تاکہ اس سے ہمارے مقصد کی تشریح ہو جائے۔

۱۔ ضوابط۔ یعنی تمام وہ رواج جو حکومت کا دستور العمل تھے، ان کے متعلق کتاب میں جا بجا منتشر طور پر ذکر آیا ہے منصب کی تفصیل (رق ۱۵) بذیل منصب) جاگیر کی اقسام مثلاً خالصہ شریفہ، صرف خاص، جاگیر منبول، برگ بہا اور ان میں فرق (ق ۱۲، اقطاع) احوال دستور اعظم (ق ۱۷) احوال دستور اعظم) احوال تنخواہ (ق ۱۶) احوال تنخواہ) وزیر کے تقرر کا قانون عالمگیر کے عہد سے وزیر کے تقرر کے لیے کوئی ضابطہ نہ تھا (ق ۱۷) احوال دستور اعظم) دیوان تن کا ذکر اور اس کے منصب کی تشریح۔ القاب و خطابات کا تفصیلی حال۔ وکیل مطلق کے خطابات (ق ۱۷) احوال القاب) سلطنت مغلیہ کے بعض اُمرا کا حال (ق ۱۸) القاب نواب آصف جاہ) تنخواہ کا چک جس کو برات کہتے تھے (ق ۳۶، ہیات) ہندستان میں سرکاری خط و کتابت کے متعلق مختلف ضوابط (ق ۲۷، تعلیق) ہندستان میں دفتر تنخواہ کو دفتر تن کہتے ہیں تنخواہ کے متعلق بعض قوانین و ضوابط (ق ۴۵: تنخواہ) درباروں میں لباس کی تفصیص (ق ۸۱: چار قب) داروغہ۔ خان، صدر کا

مفہوم، خان ساماں میر ساماں کا منصب (رق ۹۳: خان ساماں) بادشاہوں کی طرف سے اُمر اکو جو "بالا پوش" یعنی خلعت ملتی ہر (رق ۹۹: خلعت) زنجیر عدالت کا حال (رق ۱۲۲: زنجیر عدالت) کوٹے کے متعلق ضابطہ (رق ۱۲۲: سرنشین قافلہ) میر توزک اول، میر توزک دوم کا بیان (رق ۱۵۵: صحبت سیادل) طغر یعنی فرمان نویسی کے مختلف طریقے (رق ۱۶۱: طغر) شاہی عیصے وغیرہ کے متعلق بیان (رق ۱۶۲: طناب قورق) درخواست یا عرضداشت کا ضابطہ (رق ۱۶۵: عرضداشت) فرمان بالمشافہ (رق ۱۷۰: فرمان بالمشافہ) لباس کی تخصیص شاہی درباروں میں (رق ۱۷۰: قرقاول) میر شکار کا عہدہ (رق ۱۷۰: قرقاول) غرض اس طرح کے حالات منتشر صورت میں ملتے ہیں جو مغلیہ سلطنت کے عہدِ آخر کے درباری نظم و نسق پر خاطر خواہ روشنی ڈالتے ہیں۔

ب - رسوم کا تذکرہ، مثلاً "بیڑہ وپان" کے زیر عنوان شادی کی رسوم پر تبصرہ (رق ۴۴) "بیضہ الوان" کے زیر عنوان جشن نوروز کا حال (رق ۴۴)۔ سویمیر کا حال (رق ۶۱: ترنج طلا) ہندستان میں یہ رسم ہو کہ جس دروازے سے آتے ہیں اس سے واپس نہیں جاتے۔ یہ بادشاہوں کا طریقہ ہو (رق ۶۲: تغیر دادن راہ) سالگرہ کی رسم (رق ۱۲۷: سالگرہ) بام مارگیوں کی رسوم (رق ۱۳۵: شرب البہود) "ستی" کا ذکر (رق ۱۲۹: ستی) وغیرہ۔

ج - مفید معلومات: شیشے کے آلات پٹنے میں نہایت عمدہ بنتے ہیں (رق ۲۹: بادۂ شیار) نیشکر کا حال، قلم نیشکر اور خوش نویسی پر تبصرہ (رق ۳۸: بستہ نیشکر) تخت طاؤس کا مفصل حال (رق ۵۸ تا ۶۰: تخت طاؤس) قلم فرنگی یعنی پنسل پر دیکھ پ تبصرہ (رق ۶۸: قوتیا قلم) جمعہ بازار کی کیفیت (رق ۷۷: جمعہ بازار) خط شکستہ کا حال (رق ۸۹: زربفت) زربفت احمد آباد

میں نہایت عمدہ تیار ہوتا تھا (ق ۱۲۰: زر بفت) نمک کی کانیں ہندستان میں (ق ۱۲۷: سنگ نمک) گھٹنا پھری کا شکار۔ نہایت عمدہ حال (ق ۱۲۷: شکار قمرغ) فن تصویر کشی (ق ۱۵۷، ۱۵۸: صورت جادو) عطر گلاب پشاور میں بکثرت ہوتا تھا (ق ۱۶۵: عطر گلاب) تہوہ کا دلچسپ بیان (ق ۱۷۴، ۱۷۵: تہوہ) پھولوں کی مختلف اقسام جو اُس وقت ہندستان میں موجود تھے (ق ۱۹۷، ۱۹۸: لالہ عباسی) فن مینا کاری (ق ۲۰۵: مینا کار) اس زمانے کے لباس کا مختصر حال (ق ۲۱۹: پیاراہن)

۴۔ چوتھی خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں معاصرین کا حال بھی ملتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ حالات اتنے زیادہ تفصیلی نہیں جتنے کہ دوسرے تذکروں میں ملتے ہیں مگر ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک لغت کی کتاب اس قدر تفصیل کی متحمل بھی نہیں ہو سکتی اور جو سرسری حالات مرآۃ میں ملتے ہیں وہ بوجہ معنی ہونے کے نہایت ہی مُستند اور معتبر سمجھے جانے کے قابل ہیں ذیل کے حالات اس کتاب سے ملتے ہیں۔  
ذکر بعض اُمراءِ سلطنت بضمن مقدمہ (ق ۱۱۸: القاب نواب آصف علیہ)

قرلباش خاں اُمید کا حال (ق ۱۹: اُمید) راجا دیارام عم مصنف (ق ۲۰: انگشتر زہار) زاہد علی خاں ستی (ق ۳۱: ب) پائے خود گرفتار، ہدایت اللہ خوش نویس کا حال (ق ۳۸: بستہ نشین) راجا ہر دی رام والد مصنف کا تھوڑا سا حال (ق ۵۶: تحت الخنک) مرزا صاحب کا مختصر حال (ق ۶۹: تہ کردن) راجا ہری سنگھ تیر انداز (ق ۷۱: تیر) محمد احسن سماع (ق ۷۹: جنون دوری) شکستہ نویسوں کا حال (ق ۹۸: خط شکستہ) رائے زادہ ہر کرن (ق ۱۰۸: دشت لائے) راجا جی سنگھ کا حال (ق ۱۲۰: زر بفت) جہان آرا بیگم (ق ۱۲۱: زر گل) اولاد خاں (ق ۱۲۲: زلو) معزز خاں آفسر (ق ۱۲۴: زیر وزیر)

ہاشم خاں مخزوم (ق ۱۳۲: سرخ شدن) محمد علی خاں (ق ۱۴۸: شکارگر)  
 مرزا عبدالغنی بیگ قبول و پسرش گرامی (ق ۱۵۱: شیر حاجی) میر  
 شرف الدین پیام حشمت (ق ۱۵۶: صندل رنگ) دو مصوروں  
 کا حال جن کے نام گوردھن و چرن داس تھے (ق ۱۵۸: صورت نویسی)  
 نعمت اللہ خاں مرحوم (ق ۱۶۳: طویار و اسلات) محمد خاں دیوانہ انیونی  
 (ق ۱۹۰: کوکنار) اس فہرست میں اکثر لوگ مخلص کے معاصر ہیں۔

(۵) اس کی ترتیب انوکھی ہے جس کا تھوڑا سا حال پہلے آچکا ہے۔  
 بہار عجم نے مخلص کی لغت سے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اکثر الفاظ بہار عجم نے  
 بالکل صرف بہ حرف نقل کر لیے ہیں مثلاً چورسغد وغیرہ بعض اوقات بہار مخلص  
 کی عبارت نقل کرتا ہے اور اپنی طرف سے بھی معلومات کا اضافہ کرتا ہے البتہ مخلص  
 کے بعض الفاظ کو حذف کر دیتا ہے۔

بہار عجم کی آخری ایڈیشن میں (۱۹۱۶ء نوکشتور دیا چہ صفحہ ۳ پر) مآخذ  
 میں اندرام مخلص کی بجائے مخلص کاشی کا ذکر آتا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں مخلص کاشی  
 کا کوئی رسالہ لغت میں ہم تک نہیں آیا اور نہ مخلص آنا متاخر ہی ہے کہ بہار نے  
 اس کو اپنے آخری ایڈیشن میں استعمال کیا ہو لیکن ابتدائی نسخوں میں اس کا  
 ذکر تک بھی نہ کیا ہوا۔ اس کی تردید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بائبل پور لاٹری  
 میں اندرمن کا جو خلاصہ بہار عجم موجود ہے اس میں صاف طور پر ”اندرام مخلص“  
 مرقوم ہے۔ نیز خود صاحب بہار عجم کتاب کی اثنا میں اندرام کے فرہنگ کا ذکر  
 کرتا ہے پس ان حالات میں محولہ بالا عبارت طباعت کی غلطی سے زیادہ کیا حیثیت  
 رکھتی ہے۔

وآرستہ اس کتاب کا ذکر نہیں کرتا اور کوئی تعجب نہیں کہ وارستہ نے



دیدہ و دانستہ اس کے ذکر سے اعراض کیا ہو۔ ان لغات کی تقابلی حیثیت پر ہم بہار کے ذکر میں روشنی ڈالیں گے۔

## سیالکوٹی مل و آرتہ

### مصطلحات و آرتہ

**حالات زندگی** | و آرتہ، سیالکوٹی مل، سیالکوٹ کا رہنے والا تھا۔ بعض مصنف اُسے لاہوری بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اس کا مقام پیدائش لاہور تھا۔ و آرتہ کا نام ہی اس کے مقام پیدائش پر دلالت کرتا ہے۔ ہندوؤں میں سیالکوٹی مل، پشاور مل، امرتسری لال وغیرہ ناموں کا رواج عام ہے لہذا اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سیالکوٹی مل کا یہ نام اس کے سیالکوٹ میں پیدا ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہوگا۔

و آرتہ کے تعلیمی، خاندانی اور دیگر حالات پر تاریکی کا ایک پردہ چھایا ہوا ہے۔ و آرتہ کی تصنیفات سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ میر محمد علی راج سیالکوٹی اس کے استاد تھے۔ میر محمد علی رحمۃ اللہ علیہ میں فوت ہوئے اور بقول سرخوش اپنے وقت کے اچھے شاعروں میں سے تھے۔ ان کے حالات خزانہ عامرہ اور تذکرہ سرخوش اور نشر عشق میں مل سکتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ و آرتہ نے میر محمد علی سے کس شعبہ علم میں استفادہ کیا، شاید شعر و شاعری کا ذوق ان سے پایا ہو اس لیے کہ باقی اصناف علم میں ان کو کوئی خاص شہرت حاصل نہ تھی۔

لے گل رعنا ربانی پور لائبریری فہرست۔ ج ۲ ص ۱۳۳ لے موبد برہان ص ۲۰

لے بوخن کنٹر بوشنر ص ۳۰ لے مثلاً مصطلحات و مطلع السعدین

عمر کا آخری حصہ و آرتھ نے ڈیرہ غازی خاں میں بسر کیا اور اسی مقام پر  
سنہ ۱۸۸۵ء میں چل بسا۔

سیاحتِ ایران | رسالہ معارف میں ایک مضمون کے سلسلے میں و آرتھ کے  
متعلق یہ درج ہو کہ وہ تیس سال تک ایران میں رہا جہاں  
وہ ارباب علم و فضل کی صحبت سے علمی فائدہ اٹھاتا رہا۔ اسی طرح بلوچمن صاحب نے  
کنسٹر بیوشنر میں و آرتھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہو کہ اس نے ایران کی سیاحت کی  
اور وہاں عرصہ دراز تک قیام پزیر رہ کر محاورات کی تحقیق میں مصروف رہا۔ ہم اس  
بارے میں کوئی حتمی رائے پیش نہیں کر سکتے۔ سید سلیمان صاحب نے اپنے بیان کا  
تأخذ نہیں بتایا۔ اسی طرح بلوچمن صاحب نے بھی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔  
”مصطلحات الشعراء و آرتھ“ کے دیباچے کے ان الفاظ سے شبہ پیدا ہو سکتا ہو۔  
”ناچار رجوع بزبان دانانِ ایران دیا نمودم و پچندہ سال

دریں تلاش بسر نمودم“

لیکن ہمارے خیال میں ان الفاظ سے و آرتھ کی سیاحتِ ایران پر استدلال  
نہیں کیا جاسکتا۔ کون نہیں جانتا کہ ہندستان میں رہ کر بھی محاورہ دانانِ ایران سے  
بعض محاورات کے بارے میں استصواب کیا جاسکتا تھا اس لیے کہ اس وقت  
یہاں ایرانیوں کی بہت بڑی تعداد مقیم تھی۔ غرض یہ کہ ہماری رائے میں و آرتھ  
کے ایمان جانے کا بیان معتبر نہیں کم از کم ہماری نظر سے کوئی معتبر حوالہ نہیں گزرا۔  
حالات کی کمی کی وجہ | تعجب کا مقام ہو کہ و آرتھ کے حالاتِ زندگی بہت  
کم ملتے ہیں صرف ”گل رعنا“ میں مختصر سا تذکرہ ہو۔  
باقی تذکرے اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہو کہ و آرتھ

شاعری میں بلند پایہ نہ رکھتا تھا چنانچہ اس کے کلام کا کوئی نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ اس کی سب سے بڑی فضیلت اس کی انشا پر دازی اور محاورہ دانی ہو۔ اکثر تذکرے چونکہ شعر کے حالات پیش کرتے ہیں اس لیے ان میں وارستہ کا ذکر نہ آتا بالکل قدرتی امر معلوم ہوتا ہے۔ وارستہ کے مشہور نہ ہو سکنے کی وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وارستہ نے اپنی عمر پنجاب ہی میں بسر کی ہے اور مراکز علمی مثلاً دہلی و لکھنؤ میں اُسے آنے کا کم اتفاق ہوا ہے اس لیے تذکرہ نویسوں کی نگاہ سے اوجھل ہی رہا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جب تذکرہ میں معمولی معمولی لوگوں کے حالات مل سکتے ہوں تو وارستہ جیسا محقق اور انشا پرداز اس طرح پردہ گمنامی میں رہتا۔ اُسے جس قدر بھی شہرت حاصل ہوئی وہ مصطلحات کی بنا پر ہے۔

**حزین کی پیروی** شیخ محمد علی حزیں جب ہندستان میں وارد ہوئے تو کچھ سفر کی تکالیف اور کچھ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر ہندستان کی ہجو میں مصروف ہو گئے یہاں کے شعرا کی مذمت کی، اور بقول داغستانی باوجود منت سماجت و نہایتش کے بھی اس مشغے کو نہ چھوڑا۔ ان کی اس حرکت سے ہندستان کے اہل علم و فضل میں اُن کے خلاف غیظ و غضب کا ایک طوفان بپا ہو گیا۔ شیخ محمد علی حزیں نے محمد افضل ثنابت کے کلام پر بھی مخالفانہ نکتہ چینی کی تھی اس پر ثنابت کے بیٹے ثنابت نے برا فروختہ ہو کر حزیں کی شاعری پر صدمہ اعرض کیے۔ خان آرزو نے بھی حزیں کے دیوان میں سے سقیم اشعار نکال کر ان پر سختی کے ساتھ جرح کی ہے۔ حزیں چونکہ علم و فضل کے علاوہ نہاد و تقویٰ میں بھی لاثانی تھے اس لیے خود ہندستان میں اُن کے بہت سے عقیدت مند پیدا ہو گئے تھے چنانچہ وارستہ بھی کسی حد تک ان کی سلک ارادت میں منسلک تھا۔ اُس نے

خان آرزو کی کتاب تنبیہ الغافلین کے مقابلے میں "رحم الشیاطین" نام ایک رسالہ لکھا جس میں خان آرزو کے اعتراضات کی تردید کی ہے۔ اس بات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دارستہ کے نزدیک ایرانی شعرا زیادہ قابلِ سند تھے۔ بہ نسبت ہندستانیوں کے خواہ وہ خان آرزو کا منصب ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ "ایرانیست پسندی" کے جوش میں دارستہ مصطلحات میں خان آرزو اور دوسرے ہندستانی شعرا کے اشعار بطورِ سند پیش کرنے میں احتیاط سے کام لیتا ہے۔ تاہم اپنی دوسری کتاب مطلع السعدین میں کہیں کہیں "سراج المحققین" کے قول کو تسلیم کرتا ہے اور "منہم" کا ذکر بھی کرتا ہے۔ (دیکھو مطلع السعدین ص ۳۶)

**دارستہ کا علمی ماحول** | دارستہ ایک ایسے شہر میں پیدا ہوا تھا جو اپنی علمی سرگرمیوں کے لحاظ سے عہدِ اکبری سے لے کر سلطنتِ مغلیہ کے خاتمے

اور زوال تک پنجاب بھر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اکبر کے زمانے میں مولانا کمال الدین حسین اور شاہ جہاں کے زمانے میں مولانا عبدالحمید اور ان کے فرزند مولانا عبداللہ کا علم و فضل تمام طلبہ علم کے لیے باعثِ کشش رہ چکا تھا۔ اس کے علاوہ سیالکوٹ کے مہن سگھی جمریری اور جہانگیری کا غد بھی مشہور تھے۔ دارستہ کے استاد میر محمد علی رائج بھی سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ دارستہ کی ابتدائی تربیت پر اس ماحول کا اثر ضرور پڑا ہوگا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ دارستہ کی طبیعت میں سطحیت کی بجائے عمق اور تنگ خیالی کی بجائے وسیع النظری موجود ہے جو عام منشیوں کے حصے میں کبھی نہیں آئی۔

**قوتِ تنقید** | دارستہ اپنے زمانے کا بہترین محقق تھا اس کی قوتِ تنقید بے نظیر ہے محقق رشیدی نے علم لغت میں جو راستہ تجویز کیا تھا دارستہ

نے اس راستے پر چل کر اس کی تکمیل کی کوشش کی۔ متاخرین و آرتھہ کو استاد تسلیم کرتے ہیں۔ علم شعر کو وارتھہ نے نئی ترکیب سے مدون کیا چنانچہ ”مطلع السعدین“ کے ذکر میں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ وارتھہ انشائیں خاص قسم کے خیالات کا پابند تھا وہ ”تصرف“ کو شعر میں جائز نہ سمجھتا تھا۔ نعمت خان عالی نے محاصرہ حیدرآباد میں جو انداز اختیار کیا ہے وارتھہ اس کا مخالف تھا۔ چنانچہ مطلع السعدین (ص ۶۸) میں لکھا ہے: ”خان عالی شرے کہ متضمن جہل ملائی انشا کردہ قابل وثوق نیست“..... الخ

شہری نمونہ | ہم اس کی کتاب ”صفات کائنات“ سے اس کی نثر کا نمونہ پیش کرتے ہیں:-

”در صفت روز جمعہ: جمعہ بادشاہیست نامور کہ در مساجد  
خطبہ بنامش خوانند و در مدارس خط آذای بفرمائش می نگارند  
نے نے۔ ریاضت کیلئے ست کہ مدام آیہ سجدہ سے خواند، سورۃ توبہ  
بمذہبان می راند آدینہ بازار لیست کہ یک بدر متاع در راستہ اش  
جہتیا ست و از کثرت اسباب کرامت رشک بازار مینا از سطوت  
احتشاش پیاہ زنداں پڑ و پیا نہا خالی ست“ (صفات کائنات  
ص ۱۳)

دیوان نہیں | اس کے دیوان کا کہیں ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب  
دیوان نہیں تھا۔ اس کے کچھ اشعار مصطلحات میں ملتے ہیں لیکن وہ  
نمونے کا کام نہیں دے سکتے اس لیے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔  
و آرتھہ کی تصنیفات یہ ہیں:-

(۱) مصطلحات الشعر

(۲) مطلع السعدین

(۳) صفات کائنات یا عجائب وغرائب

(۴) جواب شافی یا رجم الشیاطین

(۵) جنگ رنگارنگ یا تذکرہ وارستہ

اس مقام پر ہم صرف مصطلحات کا ذکر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔ نمبر ۳ تا ۵ کے لیے حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۱۱۶۸ھ میں لکھی گئی اس میں فنِ انشا و شعر کی مختلف شاخوں پر بحث کی گئی ہے  
**مطلع السعدین** | اس فن پر رشید الدین و طواط کی کتاب "حوائی السمر" سے لے کر فارستہ تک

جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں و طواط کی پیروی کی گئی ہے۔ و طواط نے جو اشعار تیشی طور پر بیان کیے ہیں سب نے انھیں اشعار کو قائم رکھا۔ وارستہ کی حدت آفریں طبیعت نے اس میدان میں بھی جدت کو مد نظر رکھا اور اس نے مطلع السعدین میں متاخرین کے اشعار کو بطور سند پیش کیا۔ مطلع السعدین کے مطالعے سے ہماری یہ رائے اور بھی مضبوط ہوتی جاتی ہے کہ فارستہ کی نظر تقلید اور کو مانہ پیروی کے خلاف ہے۔ وہ ہر محلے میں اپنی رائے رکھتا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اسلاف کی رائے کے مطابق ہی ہو۔ یہ کتاب مشتمل ۸ میں طبع ہو چکی ہے اور اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

ہندستان کے فارسی انشا پردازوں کی تصنیفات سے مختلف مواقع اور مختلف  
**صفات کائنات** | تعاریف کے مطابق نشر کے نمونے نکال کر ایک جامع کر دیے ہیں۔ ان میں وارستہ  
**عجائب وغرائب** | کی اپنی نشر بھی ملتی ہے۔ اندرام مخلص کی نشر کے مجموعے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

ہریان "در صفات" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ اس کتاب کا مختصر سا حال ریونے بھی دیا ہے لیونج ۳

ص ۱۰۰۶ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

(تقریب حاشیہ صفحہ ۱۴۸ پر ملاحظہ کیجیے)

**مصطلحات الشعرا** جدید محاورات اور جدیدہ مصطلحات کا مجموعہ ہے کہیں کہیں مفردات بھی ہیں لیکن بالعموم اصطلاحات اور محاورات ہی کو جمع کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۸۵۷ء میں ختم ہوئی۔ یہ تاریخ کتاب کے نام سے نکلتی ہے۔ مؤلف دیباچے میں لکھتا ہے کہ "میں عہد طفلی سے فصحا اور شعرا کے دواوین کا مطالعہ کرتا رہا اس سلسلے میں فارسی کے نادر اور غریب الاستعمال محاورات کا علم ہوا جن کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا میں نے لغت کی کتابوں کو دیکھا بھالا لیکن کوئی خاص امداد نہ تھی۔ بالآخر مجبور ہو کر ایرانی زبان دانوں کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس شغل میں پندرہ برس گزر گئے۔ اس کے بعد یہ مجموعہ تیار ہوا، بعض محاورے اگرچہ پہلی لغتوں میں موجود تھے لیکن اس خیال سے کہ ان کا فائدہ عام ہوان کو بھی شامل کر لیا گیا۔ وہ الفاظ جنہیں جدید محاوروں میں متروک قرار دیا گیا ہے شامل نہیں کیے گئے۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷

**جنگ رنگارنگ** اس کا حال ہمیں اودھ کٹیا لاگ (سپرنگر ص ۱۲۶) سے معلوم ہوا ہے سپرنگر لکھتا ہے کہ یہ دارستہ کی بیاض ہے جس میں مختلف شعرا کے عمدہ اشعار جمع ہیں۔ مضامین کے لحاظ سے ۲۰ عنوان مقرر کیے گئے ہیں شعرا کے سوانح کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ گل رعنا (بائگی پور ج ۸ ص ۱۳۳) میں غالباً اسی کتاب کو "تذکرے" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

**رجم الشیاطین** خان آرزو کی کتاب تنبیہ الغافلین کا جواب ہے۔ اس کتاب میں اُن اعتراضات کی تردید کی گئی ہے جو خان آرزو نے علی حوزی کی شاعری پر کیے ہیں۔ گل رعنا میں "جواب شانی" نام ایک کتاب دارستہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ رجم الشیاطین اور جواب شانی ایک ہی کتاب کے دو نام ہوں۔ **لے** اصل عبارت فارسی میں ہے:

مُصطلحات کے مآخذ یہ ہیں :-

فرہنگ چہنگیری، کشف اللغات، مؤید الفضلا، مدار الافاضل، تقاموس،  
"تاج المصادر"، شرح دیوان خاتانی از شادی آبادی، شرح قصائد النوری از فرہانی،  
لغاتِ مثنوی معنوی، صراح، مجملۃ ابراہیم شاہی، منتخب اللغات۔ ان کے علاوہ  
"محاورہ داناں ایران" سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر ریو کا خیال ہے کہ "محاورہ داناں  
ایران" بھی لغت کی کوئی کتاب ہے جس کا مصنف معلوم نہیں۔ ہماری رائے میں یہ کسی  
کتاب کا نام نہیں بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ مختلف محاورہ داں علماء سے بعض  
محاورات کے بارے میں تصویب کیا گیا ہے۔ اور بس۔

مُصطلحات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے دیباچے میں اپنے سامنے  
مآخذ کا نام نہیں لیا۔ بہارِ نجم اور سراج اللغہ کا ذکر کتاب میں باہر آتا ہے۔ کوئی تعجب  
نہیں کہ وارستہ نے مرآۃ الاصطلاح مختص کو بھی دیکھا ہو۔ لیکن جہاں بہارِ نجم اور  
سراج اللغہ درخورِ اعتنا نہیں وہاں مرآۃ الاصطلاح کا کیا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ  
رسالہ نجوم طوسی، تاریخ عالم آرائے عباسی، ظفر نامہ شرف الدین یزدی، تذکرۃ  
دولت شاہی، واقعاتِ بابری، آئین اکبری، تصنیفاتِ ملا منیر و ملا ظہوری  
وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ ایک کتاب "لُغَتِ ترکی" سے بھی فائدہ حاصل کیا ہے۔  
یہ امر قابلِ تعجب ہے کہ وارستہ نے منتخب اللغات (عربی) اور قاموس کو  
بھی اپنے مستقل مآخذ میں شامل کیا ہے۔ حالانکہ بظاہر ان کتابوں سے کوئی فائدہ  
حاصل نہیں کیا۔

مُصطلحات کی خصوصیت | وارستہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ متاخرین میں محقق اور نقاد کی حیثیت سے



بہت شہرت رکھتا ہے۔ رشیدی نے لغت میں سب سے پہلے تنقید و جرح کا قاعہ نکالا۔ خان آرزو نے بھی اس طریقے کو استعمال کیا ہے اور یہ ہمارے مُصنّف کا بھی وصف خاص معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف محاورات اور اصطلاحات کو ادھر ادھر سے جمع ہی نہیں کرتا بلکہ ہر ہر لفظ، ہر محاورے پر ایک نظر ڈال لیتا ہے اس کے بند بند کو جدا کرتا ہے، ٹھیکہ اور خالص ایرانی کے نقطہ نگاہ سے اس کو پرکھتا ہے۔

اس کے بعد کتاب میں شامل کرتا ہے۔ ہمارے خیال میں وارستہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تحقیق کا شہساز اور تنقید کا عادی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مُصطلحات میں فارسی محاوروں پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے وہ بزرگوں کے ذخیرہ علم کو لیتا ہے، کہیں ان کے مسلمات پر اعتراض کرتا ہے، کہیں اُن کو قبول کرتا ہے لیکن نئے زمانے کے مطابق اس پر اضافہ کرتا ہے، کہیں تردید کرتا ہے، کہیں تائید بغرض اسی طرح ایک خاص معیار کے مطابق نقد و جرح کا حق ادا کرتا ہے۔ ہم ذیل کی سطور میں وارستہ کے اس وصف خاص کے مختلف پہلوؤں کی تشریح کرتے ہیں۔

**چراغِ ہدایت سے مقابلہ** | وارستہ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے کئی سندیں لاتا ہے مثلاً ہم یہاں چراغِ ہدایت کے ساتھ وارستہ کا مقابلہ کرتے ہیں:-

## چراغِ ہدایت وارستہ

<p>آب برآئینہ زدن و ریختن: رسمے مست کہ در قفائے شخصے کہ بسفر می رود، آب بر آئینہ بریزند کہ بسلاست باز آید و این را شگون دانند۔</p>	<p>چوں کہ بغزم سفر از خانہ برآید کس در کوے او چند برگ سبز بر آئینہ گزاشته آب بر آں ریزند و این را شگون زدودہم سیدنا دانند (محاورہ و انان ایران)</p>
--	---

## چراغِ ہدایت

## دارستہ

ظفر ہے

کوئے تو منز لگہ است در سفر آشنا  
بر رخ آئینہ آب از پڑ بیگانہ ریز  
(اس کے بعد تاثیر کا شعر دیا ہے)

نظام دستِ غیب ہے

دیدہ را ترکم از اشک چو رفتی از بزم  
در قفلے سفرے آب بر آئینہ زنند  
ظفر ہے

کوئے تو منز لگہ است در سفر آشنا  
بر رخ آئینہ آب از پڑ بیگانہ ریز  
گر بیتن آئینہ و چشم ترکردن آئینہ از پی  
داشتن و آب از پی ریختن ہمانست -

صائب ہے

کیست آں کس کہ براحوال مسافر گرید  
چشم آئینہ بدنبال مسافر گرید

ہم اور است ہے

چناں افتادم از طاقِ دل بد صحبتاں صائب  
کہ وقت رفتنم آئینہ چشم تر نے سازد

سنجر کاشی ہے

سکندر از پیم آئینہ داشت حینِ وداع  
جہم ز بادہ جنیبت کشید وقتِ شدن  
یجلی کاشی رباعی ہے

آنانکہ بدامانِ حیات آویزند





اور عالی کے اشعار پیش کیے ہیں)

عالی، محسن، تاثیر کے اشعار پیش کیے  
ہیں۔ اس کے بعد اعتراض کیا ہے کہ (و بعضے  
اعزہ کہ ماجرا را جزو محاورہ فہمیدہ اند  
غربت دارد۔

چراغ ہدایت میں "آب شیراز" کے  
دو معنی درج ہیں :- (۱) نہر شیراز  
(۲) شراب شیراز۔

وآرستہ کہتا ہے کہ آب شیراز را نام نہر  
گفتن آب در میان دارد زیرا کہ جمہور  
ایرانیہ از اس منکرند۔

چراغ ہدایت میں وایہ کے معنی "میعاد  
ہر روزہ" لکھے ہیں اور وحید کے اس  
شعر سے استدلال کیا ہے کہ  
گر کام و حید از تو طلب کرد، زنجی  
جز سوختن خویش دگر وایہ ندارد

وآرستہ کہتا ہے کہ "بخلاف اہل لغت وایہ  
بمعنی میعاد گفتن و بشعر مذکور کہ بمعنی مراد  
دراں درست می شود بہتمسک شدن پر  
غریب است" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ  
اس شعر میں "مراد" زیادہ صحیح ہے۔

چراغ ہدایت نے "ماجی" کے معنی میں  
یہ عبارت لکھی ہے "خراجی نیز ہمشیرہ و  
خواہرواں از اہل زباں تحقیق پیوستہ"

وآرستہ اس پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے  
"کہ باج گزار و کنانیہ خواہر نیز لیکن از  
ثقافت ایران مسموع شد کہ اس لفظ  
مخصوص بخطاب خواہر است و الا  
مرادف نیست"

بعض صورتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ وآرستہ کا بیان زیادہ معتبر اور زیادہ

پُر از معلومات ہوتا ہر مثلاً

چراغِ ہدایت : بُتِ اشتر فی صورتِ نیست  
کہ بر اشتر فی سگہ کنند و ظاہر اُمراءِ اشتر فی  
"ہون" است کہ راجِ دکن است ہا اگہ  
مطلق طلائے مسکوک را اشتر فی خوانند  
اشتر ف ۛ

اشتر ف از حرص چہ چسپی بزرو سیم مگر  
چوں بُتِ اشتر فی از بہر زرت ساختہ اند  
اشتر ف از حرص چہ چسپی بزرو سیم مگر  
چوں بُتِ اشتر فی از بہر زرت ساختہ اند  
طغرا ۛ

رخسار بُتِ زر کہ نبودش مژدہ یک مو  
تا کشتہ نظر کردہ آں رؤ مژدہ دادو  
واشتر فی کہ ہر دور رؤیش صورتِ مسکوک  
باشد آں را دوتی گویند صادق دست  
غیب ۛ

از سگہ مہر شان بیازار و فا  
قلم چو طلائے دوتی گشت عزیز

یہاں مؤلف کی جہانگیری کے ۱۱۴ھ، ۱۰۳۷ھ کے اُن طلائی اور  
نقرئی سکوں سے مراد ہے جو بروج دوازدہ گانہ کی تصاویر کے حامل ہوتے  
تھے۔ اس قسم کے سگے احمد آباد اور اگرہ کی ٹکسالوں سے زیادہ بچھے ہیں۔

ۛ ان معلومات کے پیش فاضل اجل پروفیسر شیرانی صاحب کا ممنون ہوں۔

اس کے علاوہ بعض شہری سکوں پر خود چھانگیر کی اپنی تصویر بھی ہوا کرتی تھی۔ خان آرزو اس کو ”ہون“ کا مرادف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ دکن میں رائج تھا۔ ہمارے خیال میں وارسہ کا بیان بمقابلہ خان آرزو کے زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے کچھ سکے استاد محترم پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی کے پاس بھی ہیں۔

وارسہ اور خان آرزو ہم نے اب تک وارسہ کی حیرت انگیز قوت تنقید کو ثابت کرنے کے لیے اس کا چراغ ہدایت کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ اب ہم بعض اور پہلوؤں سے اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وارسہ نے تنقید کے سلسلے میں سب سے زیادہ سراج اللغہ اور بہارِ عجم پر توجہ کی ہے۔ خان آرزو اگرچہ مقتدائے روزگار تھے لیکن وارسہ کی محققانہ نظر سے خان آرزو بھی نہیں بچے۔ وہ نہایت بے تکلفی سے سراج اللغہ کا نام لیتا ہے، اس کے بیانات کو توڑتا ہے، ان پر جرح کرتا ہے۔ سراج اللغہ کے بیانات کو تسلیم نہ کرنے کی ایک وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وارسہ کے نزدیک ہندوستانی زبان فارسی کے لیے سند نہیں مانے جا سکتے۔ وہ خان آرزو کے اشعار کو مثال کے طور پر پیش کرنے سے بالعموم احتراز کرتا ہے۔ ایک جگہ ”خط آتش خواں“ کے بیان میں خان آرزو کا ایک شعر سند پیش کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ لکھ دیا ہے کہ در اشعار شعرے دلایت دیدہ نشد۔ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ ”ای کاش بشعرے ایرانی کہ زبان دانی حق ایشان ست، نسک می جست تا تردد از میان برخاست“ افسوس ہے کہ ہمارے پاس سراج اللغہ موجود نہیں ورنہ ہم آسانی سے وارسہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کر سکتے۔ مجبوراً خود وارسہ کے بیانات پر اعتماد کرتے ہوئے وہ الفاظ پیش کیے جاتے ہیں جن کے سلسلے میں وارسہ نے خان آرزو کے بیان پر اعتراض کیے ہیں۔

”روزگار است“ کے زیر عنوان ”آرزو“ کی تشریح پر نکتہ چینی کرتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آرزو نے سالک یزدی کے اس شعر پر شرح گلستاں میں اعتراض کیا ہے۔

سالک منشیں بنا مرادی نو مید مباحش روزگار است

آرزو کو لفظ نامرادی پر اعتراض ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ”سلب بلفظ ‘نا‘ و موضع است کہ محمول بطریق موافات باشد۔“ و آرتہ اس کے جواب میں لکھتا ہے ”گوئیم چوں باشد کہ کلام پیشینیاں کہ امام فن ایشان اند بھت آں دال است حکم بلفظ کہ دن از اغلاط فاحش است“

”آں“ کے زیر عنوان لکھتا ہے ”کہ صاحب سراج اللغۃ در فصل میم، دفتر دوم تقریب می شیراز نوشتہ کہ شراب خصوصیتہ بہ شیراز ندارد، بل شیشہ خوب، در آں جا بہم می رسد، بر نشا یاب بادۂ سخن پیدا است کہ جمیع شعراے ایران دیار تو صیفا شراب شیراز تر زبان گشتہ اند چنانچہ ..... (اشعار بطور سند) ..... الم فعلی ہذا التقدید، نفی خوبی شراب شیراز بخلاف جمہور از مردم ہندی الاصل غایت دارد۔“

و آرتہ اور بہارِ عجم | اس لیے اس کو بہارِ عجم کی پہلی ایڈیشن سے فائدہ اٹھانے

کا کافی موقع ملا ہوگا مقابلہ بتاتا ہے کہ و آرتہ نے بہارِ عجم کو بطور ماخذ استعمال کیا ہے لیکن بہارِ عجم کے بیانات اور تشریح کو نہایت تنقیدی نظر سے دیکھا ہے۔ ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ و آرتہ محاورے سے زیادہ واقف ہے اور اہل ایران کے اطوار و عادات سے بخوبی آشنا ہے۔

بہارِ عجم نے لفظ ترک کی تشریح میں لکھا | بندہ و آرتہ اتقاات ایران شنیدہ کہ ہو کہ بعضے شارحین در معنی بیت مذکور | چوں کسے خواہد خود را بدگیرے بشناسد



کلاہ را از مقدم سر کیس کند و بموخر  
سر برساند و این کنایہ است از پیدا  
کردن سر و روئے خود و گوید ہاں مرا  
بشناس کہ من باین بزرگی و شجاعت  
در شعر حکیم شفاعی تبصریح دیدہ شد  
واللہ اعلم بالصواب

شیخ گنج [یعنی] ہ  
ز سر ترک برداشت گفت سامنم  
ہز بری کہ زین گو نہ شیر افگنم  
نوشته اند کہ وقت خوشی و مغافرت  
کلاہ از سر برداشتن رسم ولایت است  
اما این معنی از شیخ کتاب ظاہر نیست  
بل آنچہ دیدہ شد ہنگام تواضع از فرنگیان  
چنین رسم سرے زندہ بہتر است کہ  
کلاہ از سر مخالف برداشتن بود، یعنی  
کلاہ از سر خصم مقتول برداشتہ ہر دم  
منو کہ از من چنین کار بوقوع آمدہ و  
این از راہ مغافرت باشد انتہی کلام

ہمارے خیال میں وارستہ کا بیان زیادہ صحیح ہے اور اس معاملے میں بہارِ عجم  
کی بے خبری کا پتہ چلتا ہے۔ حالانکہ یہ قاعدہ عرب (اور شاید عجم میں بھی) ازمنہ قدیم  
سے موجود ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ حجاج نے ذیل کا شعر کوٹنے کے منبر پر پڑھا تھا

اَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الشَّنَايَا  
اِذَا اُضِيعَ الْعِمَامَةُ تَعْرِفُونِي

لالہ طیک چند بہار نے جب دوسری ایڈیشن تیار کی تو اس وقت  
وارستہ کی مصطلحات سے بہت فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ خود دیباچہ بہارِ عجم میں  
لکھتے ہیں کہ مجھے رسالہ میر افضل ثنائیت، مصطلحات وارستہ اور رسالہ مخلص

لے ان معلومات کے لیے میں پرنسپل محمد شفیع صاحب کا ممنون ہوں۔

بیک پہلی ایڈیشن تیار کر چکنے کے بعد رسائی ہوئی۔ بلوخن کنٹر بیوشنر میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے اس کتاب کو کاملاً بہار عجم میں شامل کر لیا یہی وجہ ہے کہ ہر سالہ زیادہ مشہور نہیں ہو سکا" ہم نے خود بھی بہار عجم کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بہار بالعموم و آرتھہ کی تمام عبارتوں کو حرف بہ حرف بہار عجم میں نقل کر لیتا ہے اور بہت کم اس پر تنقید کرتا ہے۔ ذیل میں ہم بعض الفاظ و محاورات پیش کرتے ہیں جو ہمارے و آرتھہ سے حرف بہ حرف نقل کیے ہیں۔

و آرتھہ: آب از آتش بروں آوردن دبر کشیدن امر غریب غیر ممکن بظہور آوردن شفیق اثر ہے

در گداز دل عجب دستی ست مرگان ترا آب از آتش بروں آرد برنگ شیشہ گر

میر معری ہے

من چو خواہم کرد فریاد آب از آتش کرشم اد چو خواہد خورد و تشویر آتش افروز و ذاب

بہار عجم، ایضاً

و آرتھہ: آبی شدن معاملہ: برہم شدن معاملہ و از نظام افتادن۔ کار

نعمت خان عالی در محاصرہ حیدرآباد گوید "فقرہ" طائفہ را بمقتضائے فَأَعْرَضْنَا هُمْ فِي الْيَمِّ۔ معاملہ چن داں آبی شد کہ دست از حیات مستعار شستند،

بہار عجم، ایضاً

اس کے علاوہ یہ اصطلاحات حرف بہ حرف بہار عجم اور و آرتھہ میں

(متناظر الف مع منظر الف) ملتی ہیں۔

آب دادن تیغ و خنجر، آب برسیاں بستن، آبدانی، آبلہ پستان، آتش تاک، آتش ناک، آتش کش، آتش گیر، آتش گیرہ، آتش خوردن، آچار، آخر ندارد، آدم بہ آدمی رسد، آزاد درخت، آستین از چشم برواشتن و از قرہ جدا کرط،

آستین برخ کشیدن، آستین بر چیزے زدن، آستین بر گزگر یہ سودن، آستین بر چشم و جبین و دیدہ و دل کشیدن، آستین نداشتن، آستین از دور برداشتن، آسیائے فلاں باب چشمہ خضر و از آب طلا می گردو، آسیائے فلاں از بے آب روی داری است، آفتابگر آفتاب مغربی، آگلی، آوردن آب چیزے را، آواز با و از رانیدن، آہار، آئینہ حبابی، آئینہ بر پیشانی بستن، آیات متشابہات، آیات محکمات، آئینہ پیش نفس بر نفس داشتن و پیش لب بر گفتن، آئینہ طاموس آئینہ آتشال دار، آئینہ تصویرنا، آئینہ بر انگشتی نشانیدن، آئینہ دار، آئینہ حجابی و حجاب وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ بہارِ عجم نے کہیں کہیں کاٹ چھانٹ بھی کی ہے بعض اوقات وارتہ کی نسبت زیادہ اشعار سند میں پیش کیے ہیں اور کبھی کبھی وارتہ سے مختلف بیان بھی دیتا ہے تاہم ہمیں یہ کہنے میں تاثر نہیں کہ بہار نے مصطلحات وارتہ کو کاملاً بہارِ عجم میں شامل کر لیا ہے۔ بہار نے وارتہ کے بیانات اور معانی پر بہت کم تنقید کی ہے اور جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں محاورات کی فہرست دے کر واضح کر دیا ہے بہار نے وارتہ کی کتاب کو حرف بہ حرف نقل کیا ہے۔ بلاشبہ بہارِ عجم زیادہ ضخیم ہے اور بہت زیادہ محاورات و مصطلحات کی حامل ہے تاہم وقت نظر، صحت الفاظ، تشریح و تنقید کے اعتبار سے ہم وارتہ کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ ہم اس مسئلے پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بہارِ عجم کے بیان میں روشنی ڈالیں گے۔

”فرہنگ جہانگیری“ وارتہ کے منتقل مآخذ میں شامل ہے اور ہندستان میں لغت کی ایک نہایت ہی مستند اور معتبر کتاب خیال کی جاتی ہے۔ مولف نے ایک مقام پر فرہنگ جہانگیری کے بیان کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔

پیرنپہ: فراہانی از صاحب اصطلاحات نقل نمود کہ اس علاقے  
سست کہ کنار مرزوعات تعبیه کنند تا بطور برمند۔ کمال السعیل ۷

در خانقاہ باغ نہ صادر نہ وارد است      تا پیرنبہ کشت حریف کران برف  
ایضاً

اگر نیست اندر چمن پیرنبہ      چرا زاغ را بد کند ہر شگوفہ  
پر نہادن پس سرگردن و آوارہ ساختن و صاحب فرہنگ  
جہانگیری معنی ”پیرنبہ“ پرے کہ در تمام بدنش موئے سیاہ نامزدہ  
باشد، نوشتہ و بیت اول آورده۔ مگر فہم در بیت مذکور متکلف اس  
معنی راست تو اس لمود لیکن در بیت دوم اصلاً درست نے  
شود۔ فلما محالہ قول شارح انوری صحیح ست قاتل۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ صاحب جہانگیری نے اس شعر کے اندر زرا  
متکلف کے ساتھ یہ معنی پیدا کیے ہیں در نہ دوسرے معنی نہایت با موقعہ اور مناسب ہیں  
وآرستہ کے بعض اور پہلو | اس کی تنقیدی قابلیت ہے۔ مصطلحات میں اس صفت  
کو ہم بوجہ اتم جلوہ گر پاتے ہیں۔ اس کی نظر بہت وسیع ہے، اس کی معلومات بہت  
زیادہ ہیں اور پھر اس کا تنقیدی مطالعہ ہماری نظروں میں اس کی وقعت کو اور  
بھی زیادہ کر دیتا ہے۔ مصطلحات میں مختلف پیشہ وروں کی اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔  
جو ”زبان“ میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک صاحب علم اہل زبان اور  
غیر اہل زبان میں یہی فرق ہوتا ہے کہ اہل زبان کو اپنے ملک کی تمام اصطلاحات،  
عام لوگوں کے محاورات، آلات و مصنوعات، تشبیہات و کنایات کا علم ہوتا ہے جو  
فارسی زبان کا روزمرہ سب زندہ زبانوں کی طرح کچھ مدت کے بعد تبدیل ہو جاتا  
ہے۔ ایک اہل زبان کو اس متروک زبان کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ایسے  
محاورات و الفاظ کے استعمال کرنے سے احتراز کرتا ہے جنہیں ملک نے متروک

قرار دیا ہو اُسے اہلِ حرفہ کی اصطلاحات اور ان کے خاص الفاظ پر عبور ہوتا ہو بخلاف اس کے غیر اہلِ زبان کو صرف کتابی فارسی سے واقفیت ہوتی ہو اس لیے وہ علمی زبان کے سوا کوئی اور محاورہ نہیں جانتا۔ وارتہ نے ہندوؤں کی اصطلاحات کا خاص خیال رکھا ہو منشیوں، پہلوانوں، بازی گروں وغیرہم کے خاص الفاظ و اصطلاحات بھی موجود ہیں جن کی تفصیل کو ہم بخوفِ طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

**ہندی الاصل محاورات** | وارتہ نے ہندی الاصل محاورات کو بالکل تسلیم نہیں کیا اور اپنی ان معلومات کی بنا پر جو اس کو ایرانیوں کے اختلاط سے حاصل ہو گئی تھیں وہ ہندی الاصل محاورات کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتا ہی یہی وجہ ہو کہ وہ ہندستانی شعرا کے اشعار کو بھی بطورِ سند نہیں پیش کرتا اس لیے کہ اس کے نزدیک استعمالِ ہند، بلاغت اور فصاحت کے خلاف ہو اور یہ چیز ہندستانی شعراے فارسی کے ہاں بہت زیادہ ہو۔

**نادر محاورات** | مرزا محمد حسن قزق نے چار شہریت میں نادر محاورات فارسی کی ایک فہرست پیش کی ہو اور لکھا ہو کہ یہ محاورے ہندستان میں بہت کم لوگوں کی زبان پر ہیں حالانکہ ایران میں ان کو شیوع حاصل ہو۔ مثلاً ہند رفتن حنا، آب بدست و پائے کسے رنجبتن، آب آئینہ رنجبتن، آبی شدن معالہ، آب گردش چشمہ سلسبیل، بانگِ خلیل الہی وغیرہ ان میں سے اکثر محاورات ہمیں وارتہ کی مصطلحات میں ملتے ہیں۔

**ہندی یا پنجابی مرادفات** | بعض الفاظ کی تشریح کرتے وقت وارتہ ہندی مرادفات لاتا ہو۔

جامہ ناشوی = کورا

تفتان = پراٹھا  
مثلاً:-

چارسو = چوہٹہ	فازہ = جنبائی
چاہ مبرز = سڈاس	
چراغ ہند و افروختن = دوالیہ	کچھ = چہلہ
جوق = پنجالی	لوطی = بانگہ
خط جواز = دستک	قزاز = پٹوہ
وغیرہ -	

**بعض لطیفے** | وارتہ نے جن الفاظ میں تنقید کی ہوں ان میں بلاغت کا ایک خاص رنگ ہے۔ ہم یہاں ایک دو فقرے بطور تفتن پیش کرتے ہیں:-  
اہل لغت کے ایک گروہ نے "آب شیراز" کے ایک معنی "نہر شیراز" بھی لکھے ہیں اس کے متعلق وارتہ لکھتا ہے:-

آپ شیراز کا نام نہر گفتن "آب درمیان دارد" بعض لوگ "دودکش" کو ہندی فارسی کہتے ہیں۔ وارتہ کو اس خیال سے اختلاف ہے چنانچہ لکھتا ہے: وایں را فارسی ساختہ اہل ہند گفتن، دوداز ہند و فارسی بر آوردن ست

**بعض خامیاں** | مصطلحات وارتہ میں بعض محاورات کی تشریح بہت تشنہ ہوتی ہے۔ علی الخصوص جبکہ وہ الفاظ و اصطلاحات کسی تاریخی واقعہ یا جغرافیہ کے ساتھ وابستہ ہوں مثلاً حروفی کی تشریح بہت ناقص ہے "حروفی فرقہ ایست کہ احداث عقائد کنند، المحروفیون المحدثون"۔ وحید سے

ایں رقصیاں بنام صوفی یا نقطوی اند یا حروفی یہ نہیں بتلایا کہ یہ فرقہ کونسی قوم اور ملک میں پیدا ہوا؟ ان کو حروفی کیوں کہتے ہیں؟ ان کے عقائد کیا ہیں؟ وارتہ نے جو بیان دیا ہے اس سے تو مطلق کسی بات کا پتا نہیں چلتا۔ حسن بن صباح کے متعلق لکھتا ہے:-

”نام مرقوریت کہ تفصیل مکاری اور درکتب توارخ مفصلاً و دزدکرہ دولت شاہی مجملہ مسطور است نعمت خاں عالی در محاصرہ حیدرآباد گوید فقرہ۔ کفایت خاں کہ در امور ملکی رسیدنش از حسن صباح بیش ست دہقانان را طلبیدہ گفت کہ اَنْتُمْ تَزِدُّوْنَ اَمَّ مَحْنُ الدَّارِ عَوْنٌ“ یہ امر قابل تعجب ہے کہ حسن صباح کا حال نعمت خاں عالی کے فقرے کے ذریعے کس طرح اور کیوں بیان کیا۔ یہ ایک تاریخی چیز تھی اس کی تشریح کتب توارخ سے ہونی چاہیے تھی نہ کہ عالی کے فقرے سے۔ اسی طرح بعض جغرافیائی الفاظ کی ادب کی کتابوں سے تشریح کی گئی ہے حالانکہ ان کے لیے کتب توارخ و جغرافیہ کو استعمال کرنا چاہیے تھا۔

**دراستہ کا علمی تہ** | بہر حال مصطلحات و ارستہ لغت کی کتابوں میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ خان آذرو کے بعد جو لغت کی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں تنقید اور تحقیق کے نقطہ نگاہ سے ہمارے مصنف کو صفِ اول میں جگہ حاصل ہے۔ اگرچہ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن بقول بوخمن اُسے ”ہم اور یجبل“ کہہ سکتے ہیں۔ یہ ”بقامت کہنہر بقیمت بہتر“ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ بعد کے آنے والے لغت نویسوں نے وارسہ کی کتاب کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔ قتیل نے اپنی کتابوں میں وارسہ سے استناد کیا ہے۔ آغا احمد علی مؤید برہان میں لکھتے ہیں کہ ”مصطلحات در بیان لغات و محاورات تازہ گویا نیست، از سیا کوٹلی مل لاہوری و این دانش پڑوہ نخست پانژوہ سال از زبان دانان ایران و یا محاورات اخذ کردہ“..... الخ (مؤید برہان ص ۸) صاحب اکصف اللغات لکھتے ہیں ”کتابے ست مختصر و مفید در تعریف مصطلحات فارسی پابند ست و خال خال مفروات را ہم ذکر می کند، ترتیب الفاظ مسلسل

نیت کہ اکثر پیشیاں اعتنا بایں نے فرمودند۔ وارستہ بہ تحقیق الفاظ مذاق خاص وار دتا لیفش اگرچہ مختصر است لیکن خیلے مقبہ (آصف اللغات ج ۱ ص ۱۲) ان کتابوں کے علاوہ بہارِ عجم، فرہنگ اندراج، ہفت خزیم وغیرہ کی ترتیب میں مصطلحات وارستہ سے بے حار فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اس قبول عام سے صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مصطلحات کی تحقیق کو تمام علماء و فضلا وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

## منشی ٹیک چند بہار

### بہارِ عجم

**سوانح حیات** | سب سے آخر میں بہارِ عجم کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بہارِ عجم کو ہندستان میں بہت قبول عام حاصل ہوا لیکن رائے ٹیک چند بہار کے حالات کم ملتے ہیں۔ ہم عصر تذکرہ نویس بھی نہایت ہی معمولی اور مختصر واقعات دے رہے ہیں اور ہم ان سب کی ورق گردانی کے بعد بھی کسی حد تک تاریکی میں رہتے ہیں۔ تاہم بہار کے حالات منتشرہ کو ہم یہاں ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رائے ٹیک چند بہار دہلی کا باشندہ تھا۔ سراج الدین آردو اور شیخ ابوالخیر خاں دہلوی کے شاگردوں میں سے تھا وہ بہارِ عجم میں اول الذکر کو سراج المحققین اور ثانی الذکر کو خیر الموفقین کے نام سے یاد کرتا ہے۔

فتح علی حسینی گردیزی کے ساتھ بہار کے تعلقات و روابط دوستانہ تھے۔

۱۔ بہار کی زندگی کے کچھ اور واقعات مجموعہ تغریبات مذکورہ شعرائے اردو میر قدرت اللہ قاسم سے

ملے ہیں۔ انگریزی مضمون میں غلطی سے رہ گئے ہیں۔ ۲۔ دہلی ہندوئی لٹریچر ج ۱ ص ۲۸۱



میر تقی میرؒ بھی اُسے دوستوں میں شمار کرتا ہے۔  
 تذکرہ گلزارِ ابراہیم کے مصنف کا بیان ہے کہ بہار نے ایران کی بھی سیاحت  
 کی تھی۔

بہار کو دربارِ دہلی کی جانب سے رائے یارا جا کا خطاب بھی ملا تھا۔ گمان غالب  
 یہ ہے کہ یہ فاضل و پیرِ صالحہ عین دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔  
 میرؒ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں:-

**تصانیف** | "از مستعدان روزگار شاعر فارسی بود۔ از اصطلاحات

فارسی بسیار خبر داشت از یاران سراج الدین علی خان صاحب  
 بود۔ تصانیف بسیارے داشت"

لیکن کاش وہ اپنی اختصار پسندی سے غموڑا سا ہٹ کر ذرا "تصانیفِ بسیار" کی فہرست دے دیتے۔ ہم صرف ذیل کی کتابوں سے واقف ہیں:-

(۱) بہارِ عجم

(۲) جواہرِ الحروف

(۳) نواور المصادر

(۴) ابطال ضرورت

(۵) جواہر الترتیب

ایک اور مصنف کا بیان ہے کہ "بہار ہندی، اژدہ اور خصوصاً فارسی  
 میں بہت سی کتابیں چھوڑ کر مرا"۔ لیکن بد قسمتی سے مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ  
 کوئی اور کتاب بہار کے ذکر میں نہیں مل سکی۔ اب ہم بہارِ عجم پر تبصرہ کرتے ہیں۔  
 بہارِ عجم بخونِ صاحب کی رائے ہے کہ "بہارِ عجم ایک آدمی کے قلم سے نکلی  
 ہوئی سب سے بڑی لغت ہے" یہ متواتر بیس سال کی کوششوں کے بعد بھی گئی ہے۔  
 یکے بعد دیگرے سات نسخے اصلاح و ترمیم کے بعد شائع ہوئے۔ پہلا نسخہ ۱۱۵۶ھ

۱۱۵۶ھ نکات الشعر ص ۱۲۱ سے پیرنگر ص ۲۱۱ تک تذکرہ میر حسن ص ۶۰ تک تذکرہ کریم الدین

۵۶ کنزری بیوشتر ص ۲۸

میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور آخری نسخہ ۱۷۸۲ء میں چھپا جو اندر من کا تصحیح کردہ ہو۔ آج کل جو نسخے بازار میں بکتے ہیں وہ اسی اندر من کے ہیں جس نے پہلے سارے نسخوں کے مقابلے کے بعد اسے ایک خلاصے کے طور پر شائع کیا ہو۔ بہار نے ایک موقع پر شکایت کی ہے کہ اس کے ایک شاگرد نے اس کی کتاب کے مضامین کا سرفہ کر لیا تھا اور مصنف کو ساری شہرت سے محروم کرنے کا عزم کر لیا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون سا شاگرد تھا جس نے اپنے استاد کا حق خدمت اس طریق سے ادا کیا تھا اور غالباً وہ کتاب بہار عجم ہی تھی۔ ..... جسے اس حق ناشناس شاگرد نے اپنانے کی کوشش کی تھی۔

بہار عجم کے مآخذ مصنف نے دیباچے میں سو سے زیادہ کتابیں گنائی ہیں جو مصنف کے زیر مطالعہ رہی ہیں اور ان سے وقت ضرورت استناد کیا گیا ہو۔

ان میں بہت سے دوا دین و شروح اور بے شمار کتب انشا و تارخ درج ہیں۔ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ پہلے ایڈیشن کے شائع ہو چکنے کے بعد اسے بعض اور کتابیں بھی دستیاب ہوئیں مثلاً مصطلحات الشعراء، رسالہ مخلص اور ایک اور رسالہ۔ ان کے علاوہ تنبیہ الغافلین اور رسالہ میر افضل ثابت سے بھی کافی فائدہ اٹھایا گیا ہو۔

ترتیب۔ کتاب کی ترتیب میں کوئی خاص جدت نہیں۔ ”استعمال متاخرین“ کے نمونے پیش کرنے کی خاطر عموماً جامی کے بعد کے شعرا کے اشعار بطور سند لائے گئے ہیں۔ اگرچہ متقدمین کے اشعار بھی بالکل نظر انداز نہیں کیے گئے۔ ایک ایک اصطلاح کے ماتحت کئی کئی اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

ہمارا مصنف عام طور پر متقدمین اور متاخرین کے مسلمات پر تنقید کرتا ہو۔ ان

۱۔ رسالہ مخلص سے مراد مرآۃ المصالح ہے بعض کتابوں میں مخلص کا شی لکھا ہوا ہے یہ صحیح نہیں۔

کے اقوال کی صحت کو پرکھتا ہے۔ اپنے معیار پر ان کو لاتا ہے اس کے بعد انھیں کتاب میں درج کرتا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں خان آرزو کو اپنے فاضل شاگرد کی اس حیثیت کا اعتراف ہی چنانچہ لکھتا ہے:-

”دہبار غم وغیرہ کہ از یاران فقیر آرزو ست و مثل او دین  
عصر ہم نرسیدہ و دریں کتاب گاہے با وصلح است و گاہے  
جنگ است“

مصطلحات و آرتھ اگرچہ ایک مختصر مجموعہ محاورات ہے لیکن اس کے اور بچل ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ بہار کا اپنا بیان ہے کہ یہ رسالہ پہلے ایڈیشن کے ختم ہونے کے بعد دستیاب ہوا اور دوسرے ایڈیشن میں اس کو تمامہ شامل کر لیا گیا ہے۔ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار جن مصطلحات کو آرتھ سے لیتا ہے انھیں بہت کم تبدیلی اور تغیر کے ساتھ نقل کر لیتا ہے۔ اگر ہمارے پاس بہار غم کا پہلا ایڈیشن ہوتا تو ہم زیادہ متیقن اور وثوق کے ساتھ اپنے اس خیال کو پیش کر سکتے۔ اگر آرتھ کے مضامین اس میں شامل نہ ہوتے تو بہار غم مقابلہ ناقص کتاب ہوتی۔ بہر حال چونکہ پہلا ایڈیشن ہمارے پاس موجود نہیں اس لیے ہم بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اکثر محاورات کی تشریح بہار غم اور آرتھ میں یکساں ہے ممکن ہے کہ ان ہر دو مصنفوں کا مآخذ ایک ہی ہو۔

افسوس ہے کہ بہار غم کے سارے ایڈیشنوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہم ہر نسخے کی خصوصیتوں، ابتدائی نسخوں کے نقائص اور خامیوں اور مصنف کی آزاد معلومات کی پُر در پُر تبدیلیوں سے پورے طور پر واقف نہیں ہو سکتے۔ یہی ایک چیز تھی جو مصنف کی حقیقی عظمت اور کتاب کی اصل حقیقت کو ہماری

بچا ہوں میں متعین کر سکتی تھی۔ ان حالات میں ہمارے لیے بجز اس کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا کہ ہم اپنی تفصیلی رائے کو کسی ایسے وقت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑیں۔ جب اندرون ملک یا بیرونی دنیا کا کوئی کتب خانہ بہار کے سارے نسخوں کو بے نقاب کئے۔ بہار کی جامعیت۔ موجودہ معلومات کی بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہار عجم مصطلحات و محاورات کی ایک جامع لغت ہو جو قدما و متوسطین و متاخرین کے مختلف مجموعوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہو۔ بلوخرن صاحب کی رائے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ”یہ ایک فرد واحد کے قلم سے نہلی ہوئی سب بڑی لغت ہے“ غالباً بہار کی جامعیت ہی اس کے لیے ایک طرہ امتیاز ہے اصف اللغات کے مصنف نے اس کتاب پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے:-

”مفردات چند و مرکبات بسیار شامل، و اکثر الفاظ از نظائر متعدده متقدّمین و متاخرین سدر گرفته کہ اکثر اں مرکبات تازه را نشان می دهد طرفہ ترتیبی داد کہ اصطلاحات بسیار در شیرازہ این کتاب مضمّن باشند و بیان اکثر استعمالات بروں از بیان و در خفای نظائر پنهان است۔ اکثر تمثیلات بر خلاف اصطلاح بتینہ منظر آمدہ۔ من وجہ جامعیتش پیدا است کہ بیاے از کلام اساتذہ در یک شیرازہ جمع فرمودہ است“

بہار اور قوت تنقید۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اپنے تمام معاصرین میں دادستہ ایک ایسا شخص ہے جو زبردست تنقیدی نظر کا مالک ہے اور ہم اس خیال کی طرف مائل ہو رہے ہیں کہ بہار اس کے مقابلے میں پست درجہ رکھتا ہے۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ بہار اس جوہر سے سرسبز خالی تھا۔ وہ

بقول خان آذر واپسے مسلمات پر اصرار کرنے والا اور دوسروں کے اقوال و آرا کو پوری تنقید کے ساتھ قبول کرنے والا شخص ہے۔

بہارِ عجم کی خصوصیت: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی خصوصیتیں ہیں جن کی بدولت بہارِ عجم کو اقرانِ دامن میں اتنا امتیاز حاصل ہوا اور بعد میں آنے والے لوگوں نے اسے قبولِ عام کی عزت بخشی؟ ہمارے خیال میں سب سے بڑی خصوصیت بہارِ عجم کی جامعیت ہے۔ ہمیں بہارِ عجم کے علاوہ کوئی ایسی کتاب معلوم نہیں جس میں فارسی کی اصطلاحوں کو اس استیعاب و احاطہ کے ساتھ جمع کیا گیا ہو۔ آرتھ اعلیٰ ناقد ہی مگر تھوڑے سے جدید و قدیم محاورات کی چھان بین اسے ایک جامع لغت کا رتبہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اس پر طرہ یہ کہ آرتھ تقریباً سارے کا سارا بہارِ عجم کے صفحات میں آگیا ہے جس شخص کے پاس بہارِ عجم ہو اسے آرتھ کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے؟ گویا دوسرے الفاظ میں یہ ایک بڑا دریا ہے جس میں سب چھوٹے دریاؤں کا پانی مل جاتا ہے۔ بہارِ عجم تیس سال کے طویل زمانے تک تحقیق و تنقید و جمع و ترتیب میں مشغول رہا اور بقول بعض اس نے ایرانِ تک کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں جا کر جدید محاورات فراہم کر سکے۔ یہ تمام واقعات اربابِ نظر سے چھپے ہوئے نہ رہ سکتے تھے۔ بہار نے کتاب کی ترتیب سے بہت پہلے اپنے علمی شوق اور ذوقِ جستجو کا سکھ لوگوں کے دلوں پر بٹھالیا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑے عرصے میں بہارِ عجم کا شہرہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

اس کتاب کو اتنی شہرت عام حاصل ہوئی کہ ہم اپنے اس خیال کو بغیر کسی تذبذب کے پیش کر سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں اس کتاب کے علاوہ کسی ہندو اہل قلم کی اور کوئی قلمی کوشش موجود نہ ہوتی تو بھی بہارِ عجم سارے فارسی پڑکچر

میں اپنی جگہ تلاش کر ہی لیتی اور اس کی بنا پر ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ گراں قدر سمجھا جاتا۔

اکشف اللغات کے مصنف نے اپنی لغت کی ترتیب میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ بعض صورتوں میں بہار عجم کی عبارتوں پر جرح کرتا ہے اور بہار عجم کے مسلمات کی تردید کرتا ہے۔ علاوہ انہیں بعد کے آنے والے جملہ مصنفین نے اس لغت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

## اس عہد کے شعرا

ہم مندرجہ بالا سطور میں لکھ آئے ہیں کہ اس عہد میں بہت سے شاعر پیدا ہوئے جن میں سے بعض کا نام دنیا بے ادب میں خاص عزت و امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہم ذیل میں تمام شعرا کی فہرست پیش کرتے ہیں ان میں سے اکابر شعرا کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔

(۱) جسونت رائے منشی (۱۲۲۴ھ) یہ صاحب دیوان تھا اس کے دیوان میں غزلیات اور رباعیات ہیں۔ ایک مثنوی سنی پنوں کے نام سے سہر نگرنے اس کی طرف منسوب کی ہے۔ اسی شاعر نے ”گلشن بہار“ کے نام سے ایک کتاب فن انشا لکھی ہے۔ دیوان کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں موجود ہے۔ شاعر کی وفات سنہ ۱۲۴۰ھ میں واقع ہوئی۔

(۲) سبقت علیہ - لالہ دھن راج برہا پوری (۱۲۲۶ھ پیدا ہوا) کالیہ

(۳) بے تکلف۔ لالہ سداوند عم بند را بن داس خوشگو (متوفی ۱۱۳۹ھ) صاحب دیوان اس کے آبا و اجداد لکھنؤ ہی کے رہنے والے تھے اور دارا شکوہ کی سلک ملازمت میں تھے۔ بہار شاعر زیب بانو بیگم زوجہ شاہ زادہ محمد اعظم کا ملازم تھا۔  
 (۴) بنیم۔ سوامی بہوپت رائے بیراگی از قانون گویان پنجاب متوطن پٹن از سرکار جموں (متوفی ۱۱۳۲ھ) اس شاعر کا حال ایک مستقل مضمون کی صورت میں سپرد قلم کر چکے ہیں (ضمیمہ الف میں ملاحظہ ہو)

(۵) ہاتھ۔ (۱۱۳۶ھ میں بقید حیات تھا) رائے راجی نام قوم کھتری کن انبالہ  
 (۶) اخلاص۔ کشن چند کھتری دہلوی ولد اچل داس کھتری (۱۱۳۶ھ) تذکرہ ہمیشہ بہار اسی شاعر کی تصنیف ہے۔ عبدالغنی بیگ قبول کشمیری کا شاگرد تھا صاحب مخزن الغرائب لکھتا ہے ”ہندوے بود در دہلی از معقولیت نبودہ“ شفیق نے گل رعنا میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(۷) بہار۔ اودھ بھان دہلوی تلمیذ کشن چند اخلاص (۱۱۳۶ھ) ہمیشہ بہار (سپرنگ ۱۱۹) روز روشن میں اس کا یہ شعر درج ہے

با وجود آنکہ ہر کف غیر نقد جاں بود بر سر بازار سودائے دکا نے داشت  
 (۸) سبق۔ لالہ سکھ راج کا بیٹہ (متوفی ۱۱۳۸ھ) بڑا ہمدان فاضل تھا۔ شاعری میں مرزا بیدل کا شاگرد تھا۔ سید اسد اللہ خاں المعروف بہ نواب الادلیا اور امیر الادلیا سید حسین علی خاں کی ملازمت میں عمر بسر

لے سفینہ خوشگو (بانکی پور ج ۲ ص ۹۲) گل رعنا (بانکی پور ج ۲ ص ۸۰) ۱۱۳۹، نشر عشق

(قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری) ج ۱- ق ۸۹، ہمیشہ بہار (سپرنگ ص ۱۳۰)

۱۱۳۹، روز روشن ص ۲۹، مخزن الغرائب (قلمی ملوکہ پریس فیضان)

۱۱۳۹، نشر عشق (قلمی) ج ۱- ق ۲۳۲

کی۔ آخری عمر راجا گردھر بہادر گجراتی کے ہاں کاٹی اور وہیں کسی معمولی  
چپقلش کی بنا پر راجا کے ساتھ جنگ کی اور قتل ہو گیا۔ بیگنہ نہ تھی، کئے نام  
سے ایک مثنوی سید حسین علی خاں کے اعزاز میں شاہ ندم کی طرز پر لکھی۔  
تین صدی منصب رکھتا تھا۔ علم صرف، تاریخ، عروض، معانی، طب، ریاضی،  
تصوف و علم اصطلاحات تصوف میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ نشر عشق میں  
اس کے اشعار کا یہ نمونہ دیا گیا ہے۔

چہ نگوں کہ درد دل قمری نہ کردہ ظالم      ببارغ رفتی و شمشاد سرود قد برخاست  
چو نقش پا بسر کوئے انتظار کسے      نشستہ ام کہ شوم خاک رگزار کسے  
بہ بزم وصل بتاں بہ کہ شمع ساں بخت      کنیم نقد دل و جان خود تار کسے  
(۹) بانیہ۔ بہویت رائے (متوفی ۱۱۳۹ھ)

(۱۰) مخلص۔ گلاب رائے (متوفی ۱۱۳۹ھ)

(۱۱) حیا۔ لالہ شو رام کالیتمہ (متوفی ۱۱۴۲ھ) رائے بھکتی مل (یا بھکتی مل)  
کا دوسرا لڑکا تھا۔ مرزا بیدل کا شاگرد اور اسد خان وزیر عالمگیر کے ملازمین  
میں سے تھا۔ شاعر ہونے کے علاوہ نثر میں طرز خاص کا مالک تھا۔  
”گلگشت بہار ارم“ نام کتاب مہتمم کی توصیف میں اور چہا و عنصر مرزا  
بیدل کی طرز پر لکھی۔ ہمیشہ بہار کے بیان کے مطابق وہ صاحب دیوان  
تھا۔ نشر عشق میں اس کے یہ اشعار دیے گئے ہیں۔

بیاد چشم تو داریم می پرتی ہا      رساندہ ایم بہ گردوں دماغ مستی ہا

لہ گل رعنا ظلی (باکلی پور ج ۸ ص ۱۳۰) سفینہ خوشگو (باکلی پور ج ۸ ص ۹۷)

لہ سفینہ خوشگو۔ ج ۳ (باکلی پور ج ۸ ص ۹۷) لہ ایضاً ص ۹۹۔ نشر عشق (رقمی)

ج ۱۔ ق ۱۵۹، گل رعنا (باکلی پور ج ۸ ص ۱۳۰) سمیت بہار (سیرنگر ص ۱۲۱)



تنہا نہ ہمیں برسرِ مرقان تراید از ہر بن مویم چو عرق اشک بر آید  
 (۱۲) امانت۔ لالہ امانت رائے (۱۱۴۵ھ) بڑا بزرگ شاعر تھا۔ بھگت مالہ،  
 بھگوت یا جلوتہ ذات، ترجمہ منظوم زائین، مثنوی، نایک، وید وغیرہ اسی  
 کی تصانیف ہیں۔ اکثر کتابیں مذہبیات و تصوف سے متعلق ہیں۔ بہشت  
 شاعر بہت بلند پایہ نہیں رکھتا۔ اس کی ایک مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے۔  
 ای رفیقانِ قصہ فی بشنوید نالہ درد دل دی بشنوید  
 اسے پڑھ کر مولانا رومؒ کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔  
 بشنو از فی چوں حکایت می کند وز جلاسیہا شکایت می کند  
 تذکرہ حسینی میں امانت کے یہ اشعار دیے گئے ہیں۔  
 راست کیشاں راغنی از انقلاب دہر نیست  
 در نگینِ حرفِ الف از راستی داژوں نشد

بسکہ خوں در جگر از دست نگارے دارم  
 در دل خود چو خنا جو شش بہارے دارم  
 در متنائے تو ای سرورِ رواں بر لب جو  
 ہم چو ساحلِ تہی از خویش کنارے دارم

دل پُچھ سوزِ خود از سینہ گر بیروں بر اندازم  
 درونِ خرمنِ آنام مردمِ اعگر اندازم

صاحب نشتر عشق نے من رجبہ ذیل اشعار کا انتخاب کیا ہے۔  
 نے گرد و بلند از خاک ہم گرد مزار ما کہ بنشیند مبادا بردل خواباں غبار ما

خاک بر سرے کنیم از روزگار ما پس گر دبا دیم از عروج و اعتبار ما پس  
 (۱۳) فرحت۔ لالہ خوش حال چند (متوفی ۱۱۴۷ھ) عم لالہ دولت رائے بیدار  
 (۱۴) بیدار۔ منشی باون لال (رائے) تلمیذ مظہر جان جاں (متوفی  
 ما بعد ۱۱۴۷ھ) مصنف تذکرہ عشقی کا بیان ہے کہ بیدار نے پٹنے میں وفات  
 پائی اور ایک فارسی دیوان یادگار چھوڑا۔

روز روشن میں یہ اشعار بطور نمونہ درج ہیں:-

پیوستہ چوں مسافر دیا کنارہ جوست در عشق او کسے کہ بود آشنائے ما  
 بفرزدان مروم دل غلط بستم، نداشتم کہ ہرگز دیگرے مالک نگر دوستمیں را  
 مگر بود خورشید روے در نظر تار و زحشر مے قواں بے آب و نال مانند میلی زیتن  
 (۱۵) تمیز۔ صاحب دیوان سری گوپال برہمن (۱۱۴۷ھ) المعروف بہ  
 آفتاب زادہ۔ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں ماہر تھا۔ مہترا کی  
 تعریف میں ایک مثنوی لکھی یہ شعر اس کے ہیں:-

رفتی و جلوة تو نہ رفت از برم ہنوز یک خرمن گل است زپا تا سرم ہنوز  
 یک جبرے می بیاد تو خوردم بزرگ گل خون بہارے چکد از ساغرم ہنوز

لے گل رضا (باکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۱۳۲)

لے روز روشن۔ ص ۱۱۳ سفینہ خوشگو۔ ج ۳ (باکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۱۳) تذکرہ عشقی رہبر

ص ۲۱۲ گل رضا (باکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۳۰)

لے روز روشن۔ ص ۱۳۵ خوشگو۔ ج ۳ (باکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۱۳)

(۱۶) مخلص۔ انجے داس (۱۳۷۷ھ) اردوہ ساکن لاہور۔ بٹائے میں نواب  
ابوالبرکات خان صوفی کا منشی تھا۔

(۱۷) اُلفت۔ لالہ اجاگر چند کا سیتھ (۱۳۷۷ھ) عظیم آبادی۔ پہلے غربت  
تخلص کیا کرتا تھا اس کے اشعار پر میر محمد عالم تحقیق نے نظر ثانی کی زشت عشق  
میں یہ اشعار اس کی طرف منسوب ہیں:-

گشت گل جام شراب و شد دل بلبل کباب      کیست یارب درچمن امروز مہمان بہار  
در آمد شام غم در سینہ حسرت نام نہانے      ز داغ دل کشید مہربے تکلف پیش او خوانے  
(۱۸) شہزاد۔ بابو بالکند، (۱۳۷۷ھ) رائے عالم چند کا رشتہ دار تھا اور مانک پور  
الہ آباد کا رہنے والا تھا۔ خوشگو نے اپنے میں اس سے ملاقات کی خان آرزو  
شہزاد کی تمیز اور دانشمندی کی بہت تعریف کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا ہے:-  
مکن اشک مرا بے قدر و مگر گاہ ترے      بریں طفل غذا پروردہ خون جگر دے  
(۱۹) حضور۔ گزنش (۱۳۷۷ھ) میر معصوم مشرب کا شاگرد تھا۔ آخر میں  
مرزا بیدل کی شاگردی اختیار کی۔

(۲۰) ندرت۔ لالہ حاکم چند (۱۳۷۷ھ) بڑا شاعر تھا۔ بھگوت کا منظوم ترجمہ  
مثنوی ذرہ و خورشید اور ساقی نامہ اس کی تصانیف ہیں۔

(۲۱) موزوں۔ راجا رام تراین عظیم آبادی (مثنوی ۱۱۷۷ھ) شاعر اور شعر کا

لے خوشگو۔ ج ۳ رباعی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۱۲، گل رعنا رباعی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۳۲

لے خوشگو رباعی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۱۳، گل رعنا رباعی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۳۹، روز روشن۔ ص ۱۶۸

نشر عشق (قلمی) ج ۱، ق ۲، لے خوشگو، ایضاً، مجمع النفاس (قلمی) ص ۴۸، گل رعنا رباعی پور

ج ۸۔ ص ۱۳۱، لے خوشگو ایضاً، گل رعنا ایضاً، روز روشن۔ ص ۱۸۱، لے خوشگو گل رعنا

لے ایضاً، نشر عشق (قلمی) ج ۲۔ ق ۵، گلزارِ ابراہیم قلمی (سہرگڑھ) ص ۲۵۷

قد روان تھا۔ کہتے ہیں یہ شعر اسی کا ہے  
مردم ماند از تو لب تشنه حسین      اک آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند  
یہ اشعار بھی اسی کے ہیں:-

خون در جگر نماند و خدنگ تو می رسد      حیف است این کہ تشنه رود بہمان ما  
ضعیف نالیم آخر بکار من آمد      کہ یار از اثر نالہ ام شناخت مرا  
می خواستم کنم دل و جان را نثار دوست      حیف است این کہ ہر دو نیاید بکار دوست  
(۲۲) خاکستر منشی سرب سکھ کا لیتھ (۱۱۴۷ھ)

(۲۳) مخلص۔ اندرام (متوفی ۱۱۶۲ھ) اپنے زمانے کا بہت بڑا فاضل تھا۔  
اس کا حال مرآۃ الاصطلاح کے بیان میں لکھ آئے ہیں جس میں اس کی  
شاعری پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ مخلص ایک متوسط درجے کا شاعر تھا اور ہم  
اسے دوسرے درجے کے شعراء فارسی میں شمار کر سکتے ہیں مرآۃ الاصطلاح  
فن لغت میں اس نے خوب لکھی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اورنٹل کالج  
میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء)

(۲۴) عشرت۔ جو کشن (۱۱۶۳ھ) از شاگردان خان آردو۔ آردو کہتا ہے:  
”خیلے جوان اہلست“ مثنوی سیتا رام“ اس کی تصنیف ہے۔ ایک  
ساقی نامہ بھی اس کی طرف منسوب ہے۔ ایک قصیدے میں لکھتا ہے:-  
”گرچہ ہندویم بود لبریز عشق او دلم“

یہ شعر اس کے ہیں:-

عشرت ز تو صیاد طمع کردہ رہائی      بر ساد گیش خندہ زدو چاک قفسہا

لہ خوشگو بیضا

کمتر ایک قطرہِ نوحہ بچشمِ روزگار سے تو انہم دل شدن عشقِ اردہ پہلو مار

دہین منت بخت خود کم کہ دہیم عمر بکو سے بادہ فروشاں مرا گدا کر دہ است

دست شوقم ہوس جیبِ دریدن دارد جامہ از بہر من بی سرو پا قطع کنید

(۲۵) خوشگلو۔ بندایں داس (متونی سنہ ۱۱۵۰) از شاگردان سرخوش تذکرہ خوشگلو

اسی کی تصنیف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی ابتدائی تعلیم کے

بعد جو بنیم بیراگی اور سدا نند "بے تکلف" کے پاس حاصل کی۔ ملازمت

اختیار کر لی تھی۔ اس حیثیت سے اس نے ہندستان کے بہت سے بڑے

بڑے شہروں میں قیام کیا اور وہاں کے تمام شعرا سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔

اس کے تذکرے کی یہی خوبی ہے کہ شاعر نے اپنے اکثر معاصرین کے حالات

اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر لکھے ہیں۔ خان آرزو مجمع النفائس میں لکھتے

ہیں "بہر حال شعرا و بسیار خوب می گوید و نبض تازگی معنون بدست

اوقات وہ"

خوشگلو کا اپنا بیان ہے کہ وہ حکیم شفا کی طرز کا متبع ہے چنانچہ سفینہ

میں لکھتا ہے "خان صاحب و قبلہ آرزو منداں مدظلہ درایام گزرانیدن

مشق شعر بفقیر اقم خوشگلو مقرر فرمودند کہ طبیعت تو بطور شفا کی متابعت

تمام دارد۔ بہتر ازیں سر مشقے نخواہی یافت و بارہا مبالغہ از حد گزرانیدہ

بر مسودات فقیر نوشتہ کہ صائبانہ چرامی گوئید؟ شفا کی! شفا کی! شفا کی!

چوں فقیر اکثر تشیع دیوان حکیم نمودہ، ازیں جہت اور او ستاد خود می

داند" شفا کی کی شاعری کی خصوصیت استعارہ ہے چنانچہ خوشگلو اپنے

لے مجمع النفائس (قلمی) ص ۱۹۸: محل دفن ایضاً: مخزن الغرائب (قلمی) مولو کہر و فیض شیرانی صاحب

روز روشن ص ۱۲۰: انیس السائقین (قلمی) پنجاب یونیورسٹی) ج ۱: ص ۱۶۶

سفینہ میں لکھتا ہے ”حکیم شفا فی سرخیل قافلۃ استعارہ بندان است۔ طرز استعارہ رابعش اکمال رسانیدہ“ خوشگو کا کلام ہمارے پاس موجود نہیں اس لیے ہم کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ شاعر چونکہ خان آرزو کا شاگرد تھا اس لیے ان کی رائے اس بارے میں خاص وقعت رکھتی ہے۔ وہ اپنے تذکرہ جمع النفائس میں فرماتے ہیں:-

”بندار بن داس خوشگوار ماہران لب و لہجہ ارباب

لسان است“

ہماری رائے میں خوشگو کی شہرت کا دار و مدار صرف اس کے تذکرے پر ہے جو جامع اور مفصل ہونے کے علاوہ بہت حد تک صحیح بھی ہے نہ کہ شاعری پر خوشگو کی شاعری کا نمونہ یہ ہے:-

دہلی خوش است یک زیار این چنین خوش است

یار این چنین خوش ست و دیار این چنین خوش ست

برائے یار تعظیم رقیباں ہم ضرور افتد      بشوق بُتِ نخستیں سجدہ پیش برہن کُن

آوازِ مِشیہ امشب در بے ستوں نیاید      شاید بخواب شیریں فرما در فتنہ باشد

موجود گر نبودیم، معدوم ہم نبودیم      امروز از کجا سیم گر در عدم نبودیم  
(۲۶) شوق۔ لالہ تن سکھ رائے (رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۷) موبد۔ پنڈت زندہ رام (متوفی ۱۷۳۳ھ) صاحب دیوان

(۲۸) آرام۔ سنداس (متوفی بعد از ۱۱۷۴ھ) مصنف مثنوی سستی پنوں

(۲۹) امتیاز۔ راجا دیال سنگھ (۱۱۷۴ھ)

(۳۰) ثروت۔ جگل کشور (۱۱۷۴ھ) وکیل ناظم بنگالہ

(۳۱) عزت۔ سنگم لال (۱۱۷۴ھ)

(۳۲) نشاط۔ رائے بھکینی مل (۱۱۷۴ھ)

(۳۳) معنی۔ رائے بھو مل (۱۱۷۴ھ) برادر دیال امتیاز

(۳۴) عاشق۔ شیورام (متوفی ۱۱۷۹ھ) نورالین واقف ایک خط میں اس

کی تعریف کرتا ہے۔

(۳۵) موزوں۔ راجا مدن سنگھ ٹاڈی کالیتم (متوفی ۱۱۷۹ھ) نشر عشق میں

یہ اشعار اس کی طرف منسوب ہیں:-

بے جا کند غمز دگاں شکوۂ فلک موزوں چہ فتنہ ہاست کہ در چشم یا نیست

آشنائے گریہ بے اختیارم کردہ اند بے تکلف روکش ابر بہارم کردہ اند

مر دے ست کہ گردید از جہاں فارغ دے نشد ز ہوا دارے بتاں فارغ

از انگر و سپند طمیدن غریبہ ایم از آبشار و آب چکیدن حریبہ ایم

بیان حال دل خویشتن چگونہ کنم ز بے دماغی آں کجکلاہ مے ترسم

(۳۶) تازہ۔ لال جی (۱۱۸۱ھ)

ایں کہ می گوید بگوش ماصدائے نوبتے عمر شاہاں می زند ہر لحظہ کوس رحلتے

۱۔ پور قلعہ لاہور دی کی انگریزی فہرست از پروفیسر ترا۔ ص ۱۰۷ مقالات الشعرا

(سپرنگر۔ ص ۱۵۴) ۲۔ ایضاً ۳۔ مقالات الشعرا (سپرنگر۔ ص ۱۵۸) ۴۔ مقالات الشعرا

(سپرنگر۔ ص ۱۶۰) ۵۔ ایضاً (سپرنگر ص ۱۵۹) ۶۔ گل رعنا (ہانکی پور۔ ج ۲۔ ص ۱۳۲)

۷۔ ایضاً ۸۔ گل رعنا (ہانکی پور۔ ج ۲۔ ص ۱۳۰) ۹۔ دوز روشن ص ۱۲۲

- (۳۷) دبیر۔ لالہ دولت رائے برہانپوری (۱۱۸۱ھ)  
 (۳۸) قدرت۔ لالہ مشتاق رائے کھتری (۱۱۸۱ھ)  
 (۳۹) ذہین۔ لالہ روپ نراین (۱۱۸۱ھ) آزاد بگرا می کا شاگرد تھا۔  
 (۴۰) مشرقی۔ بھورے سنگھ اکبر آبادی (متوفی بعد از ۱۱۸۱ھ)  
 (۴۱) منشی۔ لالہ فتح چند برہانپوری (۱۱۸۱ھ) صاحب مثنویات در  
 تلمیح شوکت بخاری۔

- (۴۲) ہنر۔ گیان رائے (متوفی ۱۱۹۰ھ) آزاد بگرا می کا شاگرد تھا۔  
 (۴۳) انیس۔ موہن لعل صاحب دیوان، صاحب انیس الاجا } ۱۱۹۶ھ شاگردان  
 (۴۴) دیوانہ۔ لالہ سرب سکھ } مرزا فاکر مکیں  
 (۴۵) ولی۔ پنجاب رائے

۱۱۹۶ھ شاگردان مرزا فاکر مکیں

- (۴۶) فحار۔ سیتل داس  
 (۴۷) مطیع۔ رام بخش  
 (۴۸) بسمل۔ بھگوان داس  
 (۴۹) عزیز۔ شتاب رائے  
 (۵۰) ہیار۔ میدنی لال  
 (۵۱) مائل۔ مٹھو لال  
 (۵۲) رفیق۔ داتا رام  
 (۵۳) سائل۔ دیبی پرشاد

۱۔ گل رعنا ایضاً ۲۔ گل رعنا (بانکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۳۲) ۳۔ گل رعنا دوز روشن  
 ص ۲۳۔ ۴۔ خزن الغرائب قلی ۵۔ گل رعنا (بانکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۳۳) ۶۔ گل رعنا ایضاً  
 ۷۔ گل رعنا (بانکی پور۔ ج ۸۔ ص ۱۳۴) ۸۔ انیس الاجا بحوالہ سپرنگر



سرب سکھ دیوانہ (نمبر ۴۴) اُردو، فارسی اور ہندی کا اچھا شاعر تھا۔ میر حیدر علی حیران اور جعفر علی حسرت اس کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اس کے تین دیوان ہیں عشقیہ، دردیہ، شوقیہ کہتے ہیں مغنی وضع کو بہت پسند کرتا تھا۔ عام رائے یہ ہے کہ ۱۲۱۴ھ میں دنیاے فانی سے چل بسا۔ یہ اشعار اس کے ہیں:-

گفتند از زبان تو بامن پیام وصل      باور نیایم کہ پیام از زبان تست  
 بمن تو وعدہ نکر دی و ساد گیم بہین      کہ عمر من برہ انتظار مے گزرد  
 من و دل ہر دور را ہے ز ضعف افتادہ در ساعت

گئے من دست دل گیرم گئے دل دست من گیرد  
 محبت است این کہ بااں ہمہ ربطا کشای      چو بہ بنیہم نہ پرسد چہ کسی و از کجای  
 از جفایت تا بگو از دیدہ خوں بارد کسے      آخر از کجای جان کسے رنجے کہ جاں وارد کسے  
 (۵۴) خوش - انند کہن (۱۲۰۹ھ) ساکن کپنیل (اکبر آباد) فارسی اور  
 ہندی میں ماہر تھا۔ باپ کی وفات کے بعد بندرا بن میں مقیم ہو گیا۔  
 جہاں اس نے بھگوت اور راماین کا منظوم فارسی میں ترجمہ کیا اس نے  
 ایک اور مثنوی بھی لکھی جس کا نام "کجکلاہ" ہے۔ (۱۲۰۹ھ) حوسات  
 جلدوں میں منقسم ہے۔ اس کی دوسری جلد انڈیا آفس لائبریری میں ہے۔  
 ہمارا شاعر احمد شاہ درانی کے حملے میں مارا گیا۔

۱۔ روز روشن۔ ص ۲۲۵: انیس العاشقین (قلمی) ج ۱۔ ق ۱۸۴: مخفائے جاوید۔ ج ۳

۲۔ شعر الہند: گلشن ہندی لطف ص ۱۰۲۔ سپرنگ ص ۲۲۱: ہانگی پور۔ ج ۲۔ ص ۱۳۰:

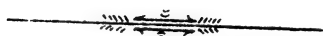
دستاسی۔ ج ۱۔ ص ۴۲۶۔ تذکرہ شعرائے اردو کریم الدین۔ ص ۲۸۱

یہ شعروں نزع اس کی زبان سے نکلا ہے  
 ای۔ خم نصیبان ترا عار زمرہم قربان سرتیغ تو یک زخم دگر ہم  
 (۵۵) بہجت۔ لالہ ٹکارام (۱۲۱۲ھ) اس کے اکثر اشعار مذہبیات سے متعلق ہیں۔

(۵۶) شفیق۔ لچھی زراہن اورنگ آبادی کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ جہاں ہم نے اس کی مورخانہ حیثیت پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا۔ شعر و شاعری میں وہ آزاد بلگرامی کے تلامذہ خاص میں سے تھا۔ اردو شعر کی اصلاح میر عبد القادر جہان سے لیتا تھا۔ شفیق بحیثیت شاعر بہت شہرت رکھتا ہے۔ اس کی شاعری کا نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں اس لیے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ آزاد بلگرامی اور دیگر ارباب علم کی آرا کی بنا پر ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ شفیق کا رتبہ شاعری میں بہت بلند ہو گا۔ اگرچہ اس کی مورخانہ حیثیت شاعرانہ حیثیت سے اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ مخلص کی طرح شفیق بھی دوسرے درجے کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے اور فارسی کے ہندو شعرا میں بلند ترین لوگوں میں سے ہے۔ کچھ اشعار تذکرہ میں ملتے ہیں جن میں سے بعض یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

بر لب نازک او بوسہ توں داد شفیق کہ مرا یاد کند باز بہ دشنامے چند  
 شنیدہ ام کہ بسوئے شفیق می آئی بیا بیا کہ دل و جاں نثار خواہم کرد  
 ز خار ہائے مغیلاں پرست وادی عشق شفیق آبلہ پامی روی خدا حافظ  
 جو اشعار نظر سے گزرے ہیں ان میں شیرینی، روانی اور لطافت کافی حد تک موجود ہے۔

# پانچواں باب



مُغل تہذیب کا دم واپس

(از ۱۲۲۱ء تا عہدِ حاضر)



# پانچواں باب

## مغل تہذیب کا دم واپس

(از ۱۲۲۱ھ تا عہد حاضر)

اسلامی حکومت کا آخری دور | گزشتہ باب میں ہم نے ۱۲۲۱ھ سے لے کر ۱۲۲۱ھ تک کے طرہ کچھ کا ذکر کیا تھا۔ اب ۱۲۲۱ھ سے لے کر موجودہ زمانے تک کے ادب پر تبصرہ کریں گے۔ اس عہد کے سیاسی حالات یہ تھے کہ اودھ کی حکومت اپنی پُرانی شان و شوکت کو کھو چکی تھی اور انگریز ملکی انتظام میں پیش از پیش ذلیل ہو رہے تھے۔ تاہم ۱۸۵۶ء میں ملک اودھ انگریزی مقبوضات میں داخل ہو گیا اور ۱۸۵۷ء میں تیسویں خاندان کا مظمتا ہوا چراغ بھی گل ہو گیا اور دہلی اور اس کے مضافات بھی سرکار انگریزی سے متعلق ہو گئے۔

مسلمانوں کے ہندو ملازم | جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں شاہان اودھ مغلیہ سطوت اور طاقت کا پائنگ بھی نہ تھے۔ تاہم حکومت کے خاتمے تک ان کے درباروں میں ہندو منشیوں اور مہتمموں کی بھرمار رہی۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی ہمیں ان درباروں میں بعض اعلیٰ درجے کے انشا پرداز ملتے ہیں۔ حیدر آباد، بھادلوپور، بھوپال، ٹونک اور دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بھی یہی حالت رہی۔ بلکہ بعض ریاستوں میں تو آج سے بیس سال

قبل تک فارسی زبان کا رواج رہا اور ہندو منشیوں کو بعض اہم مناصب ملتے رہے،  
**سکھ اور فارسی** | انگریزوں کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ  
 سکھ قوم کے متعلق بھی کچھ اشارات کر دیے جائیں۔ یہ نہایت  
 ہی تعجب کا مقام ہے کہ سکھوں میں بہت کم لوگ ایسے نکلے جنھوں نے فارسی  
 زبان میں کچھ کتابیں لکھی ہوں۔ بدھ سنگھ منشی اور اس قسم کے ایک دواؤدی تو  
 ملتے ہیں مگر جہاں تک ہمالا خیال ہے اس قوم میں فارسی زبان کی زیادہ اشاعت  
 نہیں ہوئی۔ اس کے وجوہ ظاہر ہیں۔ سکھوں نے ابتدائے کار ہی سے پنجاب  
 کی زبان کو اپنا نام شروع کیا اور گورو گرنتھ صاحب کی زبان ہی ان کے نزدیک  
 محبوب ترین زبان رہی۔ سیاسی تنازعات کی وجہ سے سکھوں اور مسلمانوں میں  
 یک گو نہ منافرت بھی موجود تھی لہذا فارسی جو کہ مسلمان حکومت کی زبان تھی  
 ان میں کیسے مقبول ہو سکتی تھی۔ مزید برآں سکھ مذہب زیادہ تر پنجاب کی  
 دیہاتی آبادیوں میں پھیلا۔ جہاں کے لوگ اکثر زمیندار اور زراعت پیشہ تھے  
 اور تعلیم و تعلم ان کا کوئی محبوب مشغلہ نہ تھا۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فارسی کے ساتھ  
**ظفر نامہ گورو گو بند سنگھ** | سکھوں کا سلوک شروع سے ہی معاندانہ تھا  
 گورو نانک جی نے اپنے کلام میں فارسی الفاظ کا بکثرت استعمال کیا ہے اور دو تین  
 اشعار تو خالص فارسی کے ہیں۔ گورو گو بند سنگھ صاحب کی فارسی واقفیت  
 اچھی خاصی معلوم ہوتی ہے۔ ظفر نامہ کے نام سے ایک رسالہ ان کی طرف منسوب  
 کیا جاتا ہے جس میں فارسی کے اشعار ہیں۔ اگرچہ باعتبار شعر اکثر اشعار وزن اور قافیہ  
 کے مطابق صحیح نہیں مگر فارسی کی نثری قابلیت کا ان سے کچھ نہ کچھ اندازہ ہوتا ہے  
 لہذا دیکھو گورو نانک صاحب کی فارسی تعلیم دیکھو ضمیمہ ب

مہاراجا رنجیت سنگھ اور فارسی کی ویران بنیادوں پر کھڑی کی گئی تھی

اس لیے مہاراجا رنجیت سنگھ نے گزشتہ روایات کو بہت حد تک برقرار رکھا۔ مہاراجا کا مدبار ہندو مسلمان اہل علم کا مرجع تھا اور اس سلسلے میں مہاراجا کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔ حکیم عزیز الدین انصاری، فقیر نور الدین، مصطفیٰ رام، دیوان امر ناتھ اکبری، دیوان دینا ناتھ، دیوان گنگا رام وغیرہ اس دربار کے اکابر علمائے سے ہیں۔ دقری کا دوبار فارسی میں انجام پاتا تھا۔ روزنامے اور واقعات کی مسلیں فارسی میں مرتب ہوتی تھیں اور اسی زبان میں انگریزی حکومت کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوتی تھی اور معاہدے لکھے جاتے تھے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں جو روزنامے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت حد تک مغلوں کی وقائع نویسی کے طریقے کو برقرار رکھا گیا ہو سکوں پر فارسی عبارت کندہ ہوتی تھی جتنا سنگھ کلال نے اپنے سکوں پر یہ عبارت کندہ کرائی تھی۔

سنگھ زور جہاں بفضل اکال ملک احمد گرفت جتنا کلال سکھوں کے عہد میں مہاراجا رنجیت سنگھ کا دوبار اہل علم کے لیے جاذب توجہ رہا یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے علاوہ بعض اچھے ہندو مصنف بھی پیدا ہوئے مثلاً منشی سوہن لال مصنف عمدۃ التواریخ، دیوان امر ناتھ اکبری، پنڈت کاچر (مصنف مجمع التواریخ)، منشی دیارام دور، کرنل مہان سنگھ، دیوان کرپارام اور دیوان اننت رام آخری دو تین مصنف کشمیر سے متعلق ہیں دیوان بمخت مل سکھوں کے زمانے کا ایک بلند پایہ مصنف تھا۔ ریاست جموں نے

بھی ایک دو ہندو مصنف پیدا کیے ہیں جن کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔ دیوان  
اجودھیا پر شاد نے بھی وقائع جنگ سکھاں کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

انگریزوں کی حکومت | سکھوں کے زوال اور خاتمے کے بعد انگریز تمام  
پنجاب پر قابض ہو گئے اور ان کی سلطنت پشاور

سے راس کمارئی تک اور بلوچستان سے برہمک پھیل گئی۔ ہم پچھلے باب میں کہ  
آئے ہیں کہ انگریز فلسفہ کی توجہ اور عرصہ افزائی کی وجہ سے اکثر ہندو منشیوں  
نے رنج اور دوسرے فنون پر کتابیں لکھیں لیکن اس زمانے میں فارسی کا زوال  
اور خاتمہ ہوا اور اس کے بجائے انگریزی زبان کی سرپرستی کا آغاز کیا گیا اس لیے  
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اسباب و علل کا مختصر تذکرہ کیا جائے جو اس انحطاط  
میں ممد و معاون ہوئے۔

تعلیمی حکمت عملی | ہم سب سے پہلے حکومت انگریزی کی تعلیمی حکمت عملی پر  
نظر ڈالتے ہیں۔ ہرولڈ نے ”برطانوی ہندستان میں تعلیم“  
کے موضوع پر لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ ”تعلیم کو ابتدائے کار میں بالکل نظر انداز کر دیا  
گیا۔ بعد ازاں اس کی مخالفت کی گئی اس کے بعد غلط بنیادوں پر جسے سب  
عقل آج غلط کہہ رہے ہیں، شروع کی گئی اور آخر کار اس انداز پر اسے لایا گیا  
جس پر آج ہو۔“ یہ حقیقت میں انگریزوں کی تعلیمی حکمت عملی کی ایک مختصر گرجامع  
تعریف ہے۔ ۱۸۳۷ء تک تعلیم، حکومت کے فرائض میں متصور نہ ہوتی تھی۔  
لارڈ مینٹون نے ۱۸۳۷ء میں اور لارڈ مورتھ نے ۱۸۵۷ء میں ڈائرکٹران کمپنی کو  
اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ کیا۔ ۱۸۶۷ء میں ڈائرکٹران نے اس ضرورت کو تسلیم



کیا اور ادھر ادھر کچھ کالج اور سکول کھولے گئے جن میں فارسی، عربی اور سنسکرت کی تعلیم دی جاتی تھی جن کی تفصیل فشر صاحب کے روزنامے میں ملے گی۔

فارسی کی درسگاہیں | لیکن اس سے بہت قبل بعض زندہ دل اور بہادر دانشوران کپہنی نے اپنی ذمہ داری پر (اور بعض اوقات اپنے

صرف پر) ہندوستانیوں کی تعلیم کی طرف توجہ کی۔ ۱۸۷۱ء میں دارن ہیمنگٹون نے کلکتہ میں ایک مدرسہ، مدرسہ عالیہ کے نام سے کھولا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمان نوجوانوں کو فارسی عربی کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ حکومت کے مناصب اور عہدوں میں حصہ لے سکیں جن پر ہندو بوجہ اپنی ہشیاری کے فائز ہو رہے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں ولیم ڈکن نے بنارس میں ہندو سنسکرت کالج کا افتتاح کیا جس میں سنسکرت کے علاوہ فارسی کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ ۱۸۷۸ء میں سر ولیم جونز نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی بنیاد رکھی جس کی غرض یہ تھی کہ مشرقی علوم میں تحقیق و تدقیق کے شوق کو ترقی دی جائے۔ ۱۸۷۸ء میں لاڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کھولا جس میں ملازمین کپہنی کو فارسی، عربی، ہندستانی اور بعض اور علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کالج کے مشہور اساتذہ میں ڈاکٹر گلکرائسٹ، جان بیلی، ولیم کرک پیٹرک، فرانسس گلیڈون اور ولیم بنجامن ایڈمانٹن تھے جن میں سے ہر ایک ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔

۱۸۱۲ء سے لے کر ۱۸۳۵ء تک کا زمانہ مشرقی علوم کی حوصلہ افزائی کا زمانہ تھا۔ فارسی، عربی، سنسکرت کی تعلیم کے لیے ایک خاص رقم علیحدہ کر دی گئی تھی جس سے طلبہ کو وظائف دیے جاتے تھے اور ان زبانوں کی مشہور کتابوں

۱۸۵۷ء ایضاً ص ۱۸۵

کو طبع کرایا جاتا تھا۔

اگرہ کالج اور دہلی کالج | اس زمانے میں جو کالج کھولے گئے ان میں سے ہم صرف دو کا ذکر کریں گے یعنی اگرہ کالج اور دہلی کالج۔ اس لیے کہ ان کالجوں میں بعض ہندو طلبہ نے فارسی زبان کی تعلیم پائی اور بعد ازاں وہ مصنف بنے۔ اگرہ کالج ۱۸۲۲ء میں گنگا دھر پنڈت آنجنہانی کے عطیے سے کھولا گیا۔ کمیٹی نے تجویز کی کہ اس کالج میں فارسی، عربی اور سنسکرت کی تعلیم دی جائے۔ ۱۸۲۷ء کے قریب انگریزی کی ایک جماعت بھی کھول دی گئی۔ یہ کالج لمبا طویل علمی بہت مشہور رہا۔ ہر سال چند مصنف تفریح العمارات اور مانک چند مصنف عمارات الاکبر اسی کالج کے نونہال تھے۔ دہلی کالج ۱۸۲۷ء میں کھولا گیا۔ اس کالج سے بھی قابل طلبہ نکلے۔

فارسی کے دو حریف | ان حالات میں ایسے دو حریف میدان میں اتر پڑے جن کے مقابلے کی تاب فارسی نہ لاسکی اور آخر اسے زوال کی آفت سے دوچار ہونا پڑا۔ ہماری مراد ایک تو انگریزی زبان سے ہر اور دوم ورنیکلر زبانوں سے بعض سیاسی مقتضیات نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ فارسی کی بجائے ان زبانوں کی ضرورت اور اہمیت زیادہ ہوتی گئی۔ کیونکہ انگریزی پسند اصحاب کا منشا یہ تھا کہ فارسی کو عدالتی زبان کے طور پر برقرار نہ رکھا جائے اور مشرقی علوم کی بجائے مغربی علوم کی ترویج ہو اور ان دونوں صورتوں میں انگریزی کو ذریعہ اظہار خیال قرار دیا جائے۔

چارلس گرانٹ نے ۱۸۹۲ء میں ہندوستان میں کی اخلاقی حالت کی

لے سلیکشنز ص ۱۸۵ دابعد ۱۸۵۱ء

۱۸۵۱ء اس کے لیے دیکھو مولانا عبدالحق کی کتاب مرحوم دہلی کالج، ۱۸۵۱ء سلیکشنز ص ۱۸۵ دابعد

زبونی پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستانیوں میں انگریزی تعلیم کو رائج کیا جائے کیونکہ ”تاریکی کا علاج روشنی ہے اور جہالت کا مارا و علم“ مگر اس وقت اس تجویز پر توجہ نہ کی گئی۔

۱۸۱۳ء سے لے کر ۱۸۳۳ء تک انگریزی پند اور مشرق پسند اصحاب میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہا لیکن اس جھگڑے کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ ملک میں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو چاہتی تھی کہ مشرقی علوم کی بجائے انگریزی تعلیم کو رائج کیا جائے۔ راجا موہن رائے (جو خود فارسی غربی کے عالم تھے) اس گروہ کے پیشوا تھے۔ جب حکومت نے کلکتے میں ایک ہندو سنسکرت کالج کے افتتاح کا خیال ظاہر کیا تو راجا موہن رائے نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور درخواست کی کہ سنسکرت اور دیگر مشرقی علوم کی بجائے انگریزی کو رواج دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسیحی مبلغوں نے بھی انگریزی کو رواج دینے کے لیے بہت سے کالج کھولے۔

۱۸۳۳ء میں حکومت نے جو ”کیٹی آف پبلک انٹرکشن“ قائم کی تھی وہ بھی کوئی زیادہ تعلیمی کام نہ کر سکی۔ اس لیے کہ اس کا کان میں مشرقی اور مغربی علوم کے مسئلے کے متعلق زبردست اختلاف موجود تھا۔ لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں اس کیٹی کی صدارت قبول کی لیکن اس سے بوجہ اس اندرونی اختلاف کے کوئی خاطر خواہ کام نہ ہو سکا۔ آخر معاملہ حکومت کے سامنے پیش ہوا جس کے سلسلے میں لارڈ میکالے نے اس بحث پر وہ شذرہ لکھا جسے بے حد شہرت حاصل ہو۔ اس نے اس ”نوٹ“ میں انگریزی تعلیم کے رواج پر زور دیا اور تعجب کی بات یہ ہو کہ اس ضمن میں اس نے مشرقی علوم و فنون کا بھی استخفاف کیا۔ بالآخر میکالے کی مکرر فصاحت نے فیصلہ کن اثر ڈالا اور انگریزی تعلیم حکومت کے مقاصد عظیم

میں داخل ہو گئی۔

۱۸۲۹ء میں فیصلہ ہوا کہ فارسی کی بجائے انگریزی کو فارسی کا اخراج دفترِ زبان قرار دیا جائے اور عدالتوں میں اسی کو رائج کیا جائے لیکن اس پر جلد عمل نہ ہو سکا تا آنکہ ۱۸۳۳ء میں فارسی کو اس حیثیت سے محروم کر دیا گیا۔

اسی کے ساتھ ہی وزنیگر زبانوں کو آہستہ آہستہ بہت ترقی ہوتی گئی اور غیر سرکاری حلقوں میں بھی نجی معاملات کو فارسی کی بجائے اردو یا ہندی میں سرانجام دینے کی طرف رجحان پیدا ہو گیا۔

ہندوؤں نے انگریزی حکمت عملی کے منشاءے اصلی کو پالیا اور ان حکام کے صادر ہوتے ہی انگریزی کی جانب متوجہ ہوتے گئے چنانچہ اس عہد کے اکثر مصنفین انگریزی زبان سے واقف نظر آتے ہیں۔ آگے چل کر ہم بتلائیں گے کہ ان کی تصنیفات میں کہاں تک انگریزی تعلیم کے اثرات موجود ہیں۔

اگرچہ ۱۸۳۳ء کے بعد فارسی رؤبہ انحطاط ہو گئی لیکن شعرو شاعری کا ذوق فارسی ادب اور تاریخ کے ساتھ وابستگی اکثر کالیستھ اور برہمن خاندانوں میں موجود رہی۔ ہندو طلبہ ۱۹۰۰ء تک اختیاری مضامین میں سے فارسی کو ترجیح دیتے تھے۔ آزملڈ صاحب ۱۸۵۷ء میں پنجاب کی تعلیمی حالت پر رپورٹ کے دوران میں رقمطراز ہیں:-

کہ "فارسی اور قرآن" کے مدارس ملک کی حقیقی تعلیمی درسگاہیں ہیں۔ ان درسگاہوں میں مسلمانوں کی نسبت ہندو طالب علم زیادہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔"

پھر لکھتے ہیں:-

”کہ ہندوؤں کا اتنی کثرت کے ساتھ فارسی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُن سکولوں میں داخل ہونا تعجب خیز ہے۔“

**دورِ آخری کے فاضل ہندو** | ۱۸۵۷ء سے لے کر اس وقت تک ملک میں فارسی داں اصحاب کی پھر بھی کمی نہیں۔ عہدِ حاضر میں لالہ ترن ناتھ سرشار، برج نرائن چلیست (متوفی ۱۹۲۸ء)، سوامی رام تیرتھ (متوفی ۱۹۰۸ء)، لالہ بانکے دیال دہلوی (متوفی ۱۸۵۷ء)، پنڈت راج ناتھ (متوفی ۱۸۴۲ء) منشی پیارے لال روتی (تمیز داغ)، راج نرائن ارمان دہلوی منشی دوار کا پرشاد اونی، مہاراج بہادر برقی، پنڈت نرائن پرشاد بتیاب ڈراما نویس، منشی پریم چند، پنڈت برج موہن داتا تریہ کتھی، لالہ تلوک چند محروم، منشی نوبت رائے نظر، منشی دورام کوثری، پنڈت تر بھون ناتھ ہجر (مدیر اودھ پنچ)، لالہ سری رام ایم۔ اے، پنڈت جوالا پرشاد برقی، منشی درگا سہائے سرور منشی اقبال رام نسیم، منشی دیبی پرشاد نسیم، منشی جگت موہن لال رواں، پنڈت دیانرائن نکم (مدیر زمانہ) وغیرہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو اُردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں سے واقف ہیں۔

پنڈت موتی لال نہرو نے ۱۹۲۹ء میں کانگریس کے اجلاس کلتے میں جو خطبہ صدارت پڑھا تھا اس میں فارسی کے بہت سے اشعار پڑھے۔ سر تیج بہادر سپرو جو ہندستان کے لبرل لیڈر ہیں، فارسی زبان کے ماہر ہیں۔ ان کے علاوہ رائے بہادر راجا نرندرا ناتھ اور ڈاکٹر گوکل چند نارنگ بھی فارسی سے خاص شغف رکھتے ہیں۔

لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے اور بہت ممکن ہے کہ فارسی آئندہ بیس پچیس سال تک ہندو تو کیا مسلمانوں کے گھروں سے بھی نکل جائے اس لیے کہ مغرب کے علوم و فنون بڑی تیزی کے ساتھ ملک میں پھیل رہے ہیں اور خود مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کا یہ خیال ہے کہ فارسی یا دیگر مشرقی زبانوں میں وقت صرف کرنا بیکار ہے۔ **فَالْاَيَّامُ نَدَاوْلُعَا بَنَيْنَ النَّاسِ** فارسی رخصت ہو رہی ہے۔ اُردو کا خدا حافظ!

ہندوؤں میں فارسی کا بیج اکبر اور ٹوڈرل نے بویا۔ یہ درخت مسلسل تین سو سال بھولتا پھلتا رہا۔ اسی کے باغ بے غزاں سے میں نے اس کتاب میں گل و لالہ اکٹھے کیے ہیں مگر دنیا سراسے فانی ہے یہاں کسی شے کو بقا نہیں، فارسی کو کیا بقا ہوتی۔ تقریباً تین صدیوں کے بعد اس باغستان کو دائمی پت جھڑ کا سامنا ہوا ہے جس کے بعد آمد بہار کی توقع امید موموم ہے۔

**منشی نوکشور** | ان بے شمار قابلِ قدر خدمات کے پیش نظر جو منشی نوکشور اور ان کے مطبع نے فارسی زبان کو زندہ اور عام کرنے میں انجام دی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منشی نوکشور اور ان کے مطبع کا بھی یہاں کچھ ذکر کیا جائے۔

منشی نوکشور کی ولادت موضع ساسنی ضلع علی گڑھ میں ہوئی منشی جناداس بہارگو ان کے والد ایک خوش حال زمین دار تھے جن کے نوکشور کے علاوہ چار بیٹے تھے۔ نوکشور کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہوئی اس کے بعد انھیں اگرہ کلج میں داخل کیا گیا جہاں انھوں نے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی انھوں نے اسی زمانے میں اخبار اگرہ سفیر میں بہت سے اصلاحی مضامین لکھے۔ جن

۱۔ یہ حالات سیر المصنفین حصہ دوم اور قاسم الشاہ میر حصہ دوم سے لیے ہیں۔

کے صلے میں حکومت نے ان کو وظیفہ عطا کیا۔

کالج سے فارغ ہونے کے بعد نوکشور لاہور آ گئے اور ”کوہ نور“ پریس میں ملازم ہو گئے جس کا کردگی اور معاملہ فہمی کے طفیل منشی ہر سکھ رائے مالک مطبع کا کافی اعتماد حاصل کر لیا اور تھوڑے عرصے میں مطبع کے مختار کل بن گئے۔ کچھ عرصے کے بعد منشی نوکشور لاہور کو چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے وہاں انھوں نے اپنا مطبع قائم کیا۔ ان کا تجربہ اس قدر وسیع تھا کہ وہ تھوڑے دنوں میں بہت وسیع کاروبار کے مالک ہو گئے۔ ان کے مطبع کی شاخیں اطراف ملک میں قائم ہو گئیں۔ لاہور، کانپور اور لکھنؤ میں ان کا کام بہت بڑے پیمانے پر تھا۔ آپ نے حکومت ہند کے بہت سے اعزاز حاصل کیے۔ جب امیر عبدالرحمن مرحوم والی افغانستان ہندستان میں وارد ہوئے تو انھوں نے منشی نوکشور کو بھی اپنے پاس بلایا اور بہت محبت کا اظہار کیا۔

اس زمانے میں فارسی علوم میں انحطاط آچکا تھا اور فارسی پڑھنے والے کتابوں کی کمی سے بد دل ہو کر اس کو چھوڑ رہے تھے بلکہ اس زمانے سے بہت قبل اللہ میں لارڈ منٹون نے اپنی تعلیمی یادداشت میں اس علمی انحطاط اور فقدان کتب پر بڑے زوردار انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔

ہندستان میں پریس کا رواج ہو چکا تھا جس کی وجہ سے قلمی کتابوں کی کتابت وغیرہ خارج از استعمال ہو رہی تھی۔ عربی فارسی کتابیں کچھ تو انگریز اہل علم کے ہاتھوں یورپ پہنچ رہی تھیں اور بعض بے علم مالکان کتب کے ہاتھوں ضائع ہو رہی تھیں۔ ایسے زمانے میں منشی نوکشور کو فارسی کو زندہ کرنے کے ارادے سے یہ خیال پیدا ہوا کہ عربی فارسی کتابوں کو زورِ طبع سے آراستہ کریں اور ارازاں اور دیدہ زیب نسخے طول و عرض ہند میں پھیلا دیں۔ حقیقت

یہ ہر کہ منشی نو لکھنور کا یہ اقدام عملِ فارسی زبان کے حق میں بے اندازہ مفید ثابت ہوا انھوں نے سینکڑوں کتابوں کو تلف ہونے کی آفت سے بچالیا اور فارسی کے تین بے جان میں زندگی کی عارضی سی روح پھونک دی۔

**اس دور کا ادب** | اگرچہ اس زمانے میں ہر قسم کا انحطاط شروع ہو چکا تھا مگر دورِ انحطاط کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں مفید اور اعلیٰ درجے کا لٹریچر کم اور بے کار تصنیفات بہت زیادہ لکھی جاتی ہیں چنانچہ اس دور میں بھی بے شمار شعر و مودِخ پیدا ہوئے اور بہت سی انشائیں لکھی گئیں۔ لیکن اعلیٰ درجے کی تصنیفات بہت کم ہیں۔

ہم نے اس باب میں پینتیس<sup>۳۵</sup> مودِخین کا ذکر کیا ہے جن میں سے صرف ذیل کے اسما کو کچھ امتیاز حاصل ہے:-

کلیان سنگھ	مُصَنَّف	خلاصۃ التواریخ
سدا سکھ نیاز	مُصَنَّف	منتخب التواریخ
بداون لال شادان	مُصَنَّف	امیر نامہ
منشی سوہن لال	مُصَنَّف	عمدۃ التواریخ
رائے کرپارام	مُصَنَّف	گلزار کشمیر

باقی فنون کی تفصیل بشرح ذیل ہے:-

سوانح	۷
قصص	۷
مترجمات	۱۵
علومِ طبعیہ	۲۲
طب	۷



موسیقی ..... ۱

انشا ..... ۲۶

لُغت ..... ۹

بعض خصوصیاتِ علومِ طبعیہ | اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علومِ طبعیہ پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان کتابوں کے مضامین میں مغربی علوم کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس زمانے میں اکثر ہندو مُصنِّفین نے مغربی علوم سے واقفیت پیدا کر لی تھی جس کے اثر سے ان کی کتابیں خالی نہ رہ سکتی تھیں۔ فلسفہ، نجوم، ہیئت، ریاضی اور طب کے متعلق بعض مفید کتابیں لکھی گئیں۔ اشکی، فلسفی، زنجی، قتیل، بھٹول، تمکین، لالہ کا بھٹی مل وغیرہ اس عہد کے بہترین مُصنِّفین میں سے ہیں۔ لالہ کا بھٹی مل کی کتاب "خزانۃ العلم" ان کتابوں میں سے ہے جو حکومت کے طرف پر طبع ہوئیں۔ اس میں مغربی علوم کی معتد بہ آمیزش ہے۔

تقابلِ مذاہب | مغربی تعلیم کا پہلا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں ذہنی کشمکش پیدا ہوئی۔ یورپ کی زندگی کو ایک کامل نمونہ قرار دیا گیا، خیالات میں انقلاب پیدا ہوا اور خود سری کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہندو مُصنِّفین اسلام، عیسائیت اور دیگر مذاہب پر اعتراض کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور میں مغربی اصول اور مغربی طرزِ زندگی کی روشنی میں ہند اپنے اندر اصلاح کے کام کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں جس کا پہلا مرحلہ بُت پرستی کی مخالفت ہے۔ راجا رام موہن رائے مصنف تحفۃ الودیدین۔ دیوان کرپارام مُصنِّف مدنیہ التحقيق و دیوان انت رام مُصنِّف حقیقۃ تناسخ اس تحریکِ اصلاح کے علمبردار سمجھے جاسکتے ہیں۔

**انشا اور شاعری** | یہ یاد رہے کہ انشا اور شاعری اس زمانے میں کوئی دشوار چیز نہ سمجھی جاتی تھی۔ ہر شخص ایک تخلص کے ساتھ کچھ غزلیں لکھ لینے سے شاعروں میں شمار ہو سکتا تھا۔ خطوط اور مکتوبات کے مجموعے کا مرتب کر لینا بھی چنداں وقت طلب امر نہیں تھا یہی وجہ ہو کہ اس عہد میں بے شمار منشی اور شاعر ایسے موجود ہیں جو صرف صاحبِ تخلص ہونے کے الزام میں شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے غزلیات کا دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے مگر ان میں بمشکل تمام دو تین ہی ایسے ہوں گے جنہیں صحیح طور پر اعلیٰ منشیوں اور شاعروں میں شمار کیا جاسکے۔ ”دستور الصبیان“ سالہا سال تک ہندستان کے مکاتیب میں پڑھائی جاتی رہی ہو اور حقیقت میں یہ ایک مفید کتاب ہو۔ منشی خیالی رام کے منشیات کو بھی ملک میں خاصی مقبولیت حاصل رہی ہو مگر ان منشیات کے فائدے کا دائرہ بہت محدود ہو۔ اس لیے کہ پُرانی انشاؤں کے ان دو اوصاف سے کہ ان میں زبان اور تاریخ ہر دو موجود ہوتی تھیں متاخرین کی انشائیں خالی ہیں۔

شعر میں بھی برہمن، مخلص، شیخ، اور منوہر کے پاسیہ کا کوئی شاعر نہیں۔ قتل ایک ممتاز شخصیت ہو مگر اسے مسلمانوں میں شمار کرنا زیادہ موزوں ہو اس لیے کہ وہ ابتدائے عمر میں مسلمان ہو گیا تھا تفتہ، زخمی، ذوقی رام حسرت، محیط، شعلہ، خاموش اور اندرمن البتہ قابل ذکر شعرا ہیں۔

**صحافت** | ہندستان میں صحافت اور اخبار نویسی منظم طریق پر سن ۱۸۵۸ء سے کچھ قبل شروع ہوتی ہو۔ سن ۱۸۵۸ء تک اس فن میں کافی

ترقی ہو چکی تھی۔ کھنتہ اخبار نویسی کا مرکز تھا۔ پہلے پہل جو اخبارات شائع ہوئے ان میں سے بعض فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ ذیل کی فہرست سے معلوم ہو گا کہ اکثر اخبارات ہندو اہل قلم کی زیر ادارت شائع ہوتے تھے۔

(۱) جام جہاں نما۔ ہفتہ وار اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ ایڈیٹر سائیکھ۔

(۲) مرآۃ الاخبار۔ مالک و نگران راجا رام موہن رائے۔

(۳) شمس الاخبار (اردو و فارسی) منی رام ٹھاکر

(۴) بنگال ہیرلڈ (انگریزی، بنگالی، فارسی اور ناگری) ہراتوار کو شائع ہوتا تھا۔ یہ بھی راجا رام موہن رائے، دوار کا ناتھ ٹیگور، پرسنکار ٹیگور وغیرہ کی زیر نگرانی شائع ہوتا تھا۔

## مفصل تبصرے

اب ہم برفن کی کتابوں کی مفصل فہرست پیش کرتے ہیں اور اہم کتابوں پر مختصر تبصرہ بھی کریں گے۔

## تاریخ

(۱) مخزن الفتوح (۱۲۲۲ھ) بھگوان داس۔ لارڈ لیک اور مرہٹوں کی جنگ کے حالات ہیں۔ طرز بیان منشیانہ ہے۔ نشر کے ساتھ بے شمار اشعار بھی لکھتا ہے۔

(۲) خلاصہ نامہ (۱۲۲۲ھ) دیوان بخت مل۔ سکھوں کے آغاز سے لے کر

۱۲۲۲ء تک کی تاریخ ہے۔ اس کا ایک نسخہ راجا نریندر ناتھ صاحب کے پاس لاہور میں محفوظ ہے۔

(۳) وقائع ہکر (۱۲۲۳ء) موہن رائے یا موہن سنگھ۔ ملہار راؤ ہکر کے حالات زندگی ہیں۔

(۴) مرآۃ دولت عباسیہ (۱۲۲۴ء) دولت رائے۔ بھاول خاں بانی دولت عباسیہ بھاول پور کا ملازم تھا۔ اس کتاب میں عباسی خاندان بھاول پور کے حالات ہیں۔

(۵) چارچمن (۱۲۲۵ء) ریو ج ۳۔ ص ۱۰۵۸۔ یہ بھی اسی مُصَنِّف کی کتاب ہے اور ہندستان کی عمومی تاریخ ہے۔ اس میں چارچمن اور سات بہاریں ہیں۔ پہلے تین جمنوں میں دہلی کا ذکر، ہندوؤں کے ملیوں کے حالات، ان کے مقدس مقامات کا تذکرہ، راکوں اور راکنیوں پر تبصرہ اور شاعروں اور شرنکاروں کی زندگی کے حالات ہیں۔ اولیا کے سوانح بھی ہیں اور امرائے مغلیہ کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ جمن چہارم میں شاہان ایران و سلطنت انگلشیہ ہند کا بیان ہے۔ کتاب اگرچہ کافی ضخیم ہے اور مضامین کے اعتبار سے کافی متنوع ہے لیکن سب کچھ سرسری اور سطحی ہے۔ زبان بھی نا صاف ہے اور مشکل۔ پنجاب پبلک لائبریری میں ایک نسخہ محفوظ ہے۔

(۶) عمارات الاکبر (۱۲۲۵ء) منشی چھترل۔ اس میں اکبر آباد (اگرہ) کی عمارتوں کا حال ہے۔ منشی چھترل نے ”دیوان پند“ کے نام سے ایک عمدہ کتاب سیاق پر لکھی ہے۔

(۷) شیر و شکر (۱۲۲۸ھ) منشی دیارام در ولد نراین پنڈت - مصنف نے شیخ غلام حیدر نامی ایک استاد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر اور میں اپنے بھائی نندرام پنڈت کے پاس چلا گیا جو راجا کا ملازم تھا۔ وہاں مقوڑا عرصہ مقیم رہنے کے بعد وہ دہلی چلا آیا اور مہاراجا رنجیت سنگھ کے پاس ملازم ہو گیا۔ مہاراجا نے اسے دیوان لنگارام کے ماتحتوں میں شامل کر دیا جو اس وقت ایک بااثر درسونخ عہدہ دار تھا۔

"شیر و شکر" ۱۲۲۸ھ میں مرتب ہوئی جب کہ مصنف دیوان لنگارام کے ساتھ حملہ و تسخیر پنجپہ میں شامل ہوا۔ یہ سکھوں کی مختصر سی تاریخ ہے اور زیادہ تر مہاراجا راجپت سنگھ کے عہد حکومت سے متعلق ہے۔ اس رسالے میں عہد رنجیتی کے بعض اکابر و علماء کے حالات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی خصوصیت نہیں۔

منشی دیارام کا ایک دیوان بھی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ دونوں کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔

(۸) خلاصۃ التواریخ (۱۲۳۷ھ) { مہاراجا کلیان سنگھ - حال آگے آتا ہے۔

(۹) واردات قاسمی

(۱۰) منتخب التواریخ (۱۲۳۲ھ) سدا سکھ نیاز

(۱۱) تنقیح الاخبار (۱۲۳۷ھ) منوال فلسفی

(۱۲) امیر نامہ (۱۲۳۷ھ) بساؤن لال شادان

۱۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا علمی نسخہ پیش نظر تھا۔ ۲۔ دیو۔ ج۔ ۱ ص ۲۸۳ و ۲۸۴

۳۔ دیو۔ ج۔ ۳ ص ۶۱۲؛ ایبٹ ج۔ ۸ ص ۳۰۲۔ ۴۔ یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخہ

۵۔ دیو۔ ج۔ ۲ ص ۸۹

(۱۳) اشرف التواریخ (۱۲۲۱ھ) کشن دیال، یہ ہندستان کی عمومی تاریخ ہے۔  
راجا چندر لال حیدر آبادی کی خاطر لکھی گئی۔

(۱۴) وقائع شورش افغانیہ (۱۲۳۳ھ) برج نراین خیال۔ یہ حیدر آباد میں  
مہاروی افغانوں کی شورش کا حال ہے۔

(۱۵) مجموعہ فیض و گل، بیخراں (۱۲۲۱ھ) سندر لال کالیستھ۔ کول اور مضافا  
کا تاریخی حال ہے۔

(۱۶) فرح بخش جاں (۱۲۲۲ھ) رائے شو پر شاد۔ یہ نرسنگھ چتر کا ترجمہ  
ہے۔ نرسنگھ ابوالفضل کا قاتل تھا۔

(۱۷) تاریخ ہزارہ (۱۸۱۹ء تا ۱۸۲۹ء) منشی مہتاب سنگھ کالیستھ  
(۱۸) یادگار بہادری (۱۲۳۹ھ) بہادر سنگھ ولد ہزاری مل کالیستھ ساکن  
شاہ جہاں آباد۔

(۱۹) احوال شہر اکبر آباد (۱۲۲۶ھ) مانک چند۔ یہ انعامی کتاب ہے۔  
جیمز شنگٹن کے کہنے سے لکھی گئی۔

(۲۰) احوال عمارات مستقر الخلافہ (۱۸۲۶ء) سیل چند  
(۲۱) نصرت و ظفر بھرت پور (۱۸۲۶ء) شکر ناتھ ناڈر۔ راجا بلونت سنگھ  
کی تخت نشینی کا حال ہے۔

۱۔ ایلیٹ۔ ج ۸۔ ص ۲۱۱ ۲۔ سنو پرنسٹن لائبریری ۳۔ دیو۔ ج ۳۔ ص ۹۵۰  
۴۔ انڈیا آفس فہرست۔ عدد ۴۸۴ ۵۔ انڈیا آفس فہرست۔ عدد ۵۰۶ ۶۔ ایلیٹ۔ ج ۸  
ص ۳۱ ۷۔ دیو۔ ج ۳۔ ص ۹۵۸ ۸۔ انڈیا آفس فہرست۔ عدد ۱۸۲۶ ۹۔ سنو پرنسٹن لائبریری۔ مصنف  
تھے ۱۰۔ قلمی سنو پرنسٹن لائبریری صاحب: معارف ۱۹۱۸ ۱۱۔ سنو پرنسٹن لائبریری۔ مصنف  
کے حالات کے لیے دیکھو تذکرہ خوشنویسان۔ ص ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱



از آغاز تا ۱۲۵۰ھ)

(۳۴) گلاب نامہ (نزد ۱۸۵۷ء) دیوان کرپارام

(۳۵) گلزار کشمیر (۱۸۵۷ء) ایضاً

(۳۶) مہاتنی کشمیرہ منڈل (۱۹۱۳ء سموت) گلاب رام زونہ۔ یہ کشمیر کی ایک

بے ربط سی تاریخ ہے۔

(۳۷) کشمیر نامہ (۱۸۴۵ء) گنیش لال۔ یہ لارڈ ہارڈنگ کا سفر نامہ کشمیر ہے جو گنیش لال منشی نے مرتب کیا۔

(۳۸) کشمیر نامہ (انیسویں صدی) کرنل مہان سنگھ نے رنجیت سنگھ کے عہد میں

آئین اکبری کے انداز پر لکھا۔ مصنف کشمیر کے گورنروں میں سے تھا۔ . . . .

..... اس کا صرف ایک

قلی نسخہ (جو غالباً خود نوشت ہے) کپور تھلہ لائبریری میں محفوظ ہے۔

تاریخی کتابوں کی اس مفصل فہرست کے بعد اب ہم بعض نامور مؤرخوں

کا راز زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:-

## مہاراجا کلیان سنگھ

انتظام الملک انتظام الدولہ مہاراجا کلیان سنگھ بہادر تہوڑ جنگ،

راے ہمت سنگھ کا بیٹھ دہلوی کا پوتا تھا۔ اس کا باپ شتاب راے بنگالے کا

ناظم تھا (۱۸۷۷ء) کلیان سنگھ اپنے باپ کے بعد بنگالے کی نظامت پر متمکن

ہوا ریل تاریخ ہند۔ ج ۳۔ ص ۵۴۵) ہمارے مصنف اس کے اپنے بیان کے

مطابق پہلا ہندوستانی تھا جس نے انگریزوں کی ملازمت قبول کی۔ وارن ہیسٹنگز

نے قلی نسخہ پر دفیئر شیرانی صاحب نے کپور تھلہ لائبریری کیسلا لاگ از پروفیسر متر۔ عدد ۲۰



نے اس پر چونتیس لاکھ روپیہ ٹیکس عائد کیا جس سے وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کلکتے میں چوبیس سال تک کس سپرسی کے عالم میں وقت بسر کرتا رہا۔ طویل علالت نے اس کی بینائی کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا جس سے وہ ۱۲۱۸ء میں پھر بہرہ اندوز ہو گیا۔ اُس کے بعد چٹنے میں قیام پزیر ہونے کی پھر اجازت مل گئی۔ مسٹر براہم ولانڈ نے اس سے درخواست کی کہ آپ ناظمان بنگالہ کی ایک تاریخ مرتب کریں چونکہ مہنتف نیم بنیا تھا اس لیے وہ کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھا سکا لیکن حافظے سے کام لیتے ہوئے اس نے تاریخ لکھوا دی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے کا نام خلاصۃ التواریخ اور دوسرے کا نام واردات قاسمی ہے۔

حصہ اول میں مغل بادشاہوں کا تذکرہ ہے۔ اورنگ زیب سے لے کر اکبر ثانی تک حالات تفصیلی ہیں۔ واردات قاسمی خاص طور پر ناظمان بنگالہ سے بحث کرتی ہے۔ گویا یہ میر قاسم خان کی نظامت سے لے اپنی معزولی کے وقت تک کی تاریخ ہے۔ یہ کتاب اس عہد کے اہم حالات سے مفصل بحث کرتی ہے۔

## سدا سکھ نیاز

یہ ہندستان کی مفصل و مشرح عمومی تاریخ ہے جو ۱۲۳۳ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ سدا سکھ نیاز دہلی میں پیدا ہوا اور الہ آباد میں وفات پائی۔ سرکار انگریزی کا ملازم تھا جتنے برس کی عمر میں الہ آباد آیا وہاں ہی تاریخ لکھنی شروع کی۔ دس سال تک علمی کاموں میں مصروف رہا، کہتے ہیں اس نے اس عرصے میں ۱۲۵۰ اشعار اور ۵۰۰۰ صفحے نثر میں لکھے منتخب التواریخ اس کی قابل ذکر کتاب ہے۔

یہ کتاب دو قصوں پر مشتمل ہے ہر قصہ کئی ایوانوں اور محلوں میں منقسم ہے۔ غزنوی حکومت سے شروع کرتا ہے۔ کتاب کا اہم حلقہ وہ ہے جس میں اپنی معلومات کی بنا پر حالات کو قلمبند کرتا ہے۔ آخری مغلوں کی مالی فہرستیں اور بعض اور جغرافیائی تفصیل قابل ذکر ہیں۔

نیاز تاریخ فرشتہ کی مذمت کرتا ہے اس کا خیال ہے کہ قبل از اسلام کے ہندو عہد کے بارے میں اس نے شخص سے کام نہیں لیا لیکن خود اس کی مدح پیروی کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اس کے بیانات کو حرف بہ حرف نقل کرتا ہے۔

اس کا خاص انداز یہ ہے کہ وہ حکایات و قصص سے واقعات کو زیب دیتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں نے دوسرے مصنفین کی طرح بے جا مداحی اور بے جا مذمت کا طریق نہیں اختیار کیا بلکہ صحیح تاریخ نویسی میرا مقصود و منہا ہے۔ میں صلہ و ستائش کی غرض سے نہیں بلکہ نام نیک کی خاطر سب کچھ کر رہا ہوں۔ اس بلند دعوے کے باوجود وہ برٹش کی مدح میں بہت سے صفحے صرف کرتا ہے اور ان کے نظم و نسق کی مبالغہ آمیز تعریف کرتا ہے۔ ایلینٹ نے اس کتاب کی بہت مدح سرائی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے انگریزوں کی حکومت کی ستائش اور مسلم حکومت کی قدح و مذمت میں بہت زور قلم صرف کیا ہے۔

کتاب کا بہت سا حلقہ ایلینٹ صاحب نے بصورت ترجمہ اپنی تاریخ میں شامل کیا ہے۔

## منوال فلسفی

مصنف تنقیح الاخبار (۱۲۳۵ھ) کا سلسلہ نسب رائے رگھوناتھ شاہجہانی

ایک پہنچتا ہو۔ اس کتاب میں شاہان تیموری، شاہان ایران و بابل، شام و مصر اور بادشاہان فرنگستان کی فہرست بقید سنین دی گئی ہو اس کے علاوہ مُصنّف کے ذاتی حالات بھی ملتے ہیں۔ فلسفی کے بیٹے کزن لال اشکی نے باپ کی وفات کے بعد اس کو مرتب کیا تھا۔ یہ باپ بیٹے دونوں اس عہد کے بہترین مُصنّفین میں سے ہیں۔ اشکی کا ذکر آئے گا۔

## بساون لال شاداں

امیر نامہ، امیر الاولہ محمد امیر خان دالی ٹونک کی تاریخ ہو جو منشی بساون لال ولد تن شکھ رائے کا دستہ نے سن ۱۲۴۸ھ میں مرتب کی تھی شاداں امیر خان کی شجاعانہ سرگرمیوں میں اس کے ساتھ تھا اسی لیے کتاب میں چشم دید حالات بہت ہیں۔ کتاب کے چار باب ہیں جن میں اصل موضوع کے ساتھ ہم عصر امر اور دیگر قابل ذکر لوگوں کے حالات بھی دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ اس کتاب کو اہم سمجھا جاتا ہو۔ لکھنے کا انداز منشیانہ ہو۔ نثر کے ساتھ اشعار بھی لاتا ہو۔ امیر نامے کا ترجمہ ایچ۔ ٹی پرنسپ صاحب نے انگریزی میں کیا تھا جو ۱۸۳۲ء میں بمقام کلکتہ طبع ہوا۔

## منشی سیل چند

اس کتاب کا نام تفریح العمارات ہو۔ بعض لوگوں نے تعریف العمارات بھی لکھا ہو۔ یہ بھی احوال اکبر آباد کی طرح نشکشن کے اعلان انعام کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ غالباً اپنی قسم کے مضامین میں یہ سب سے اعلیٰ مانی گئی ہوگی۔ کیونکہ اس کی شہرت بہت عام ہو اور اس نے عمارات و مزارات،

مساجد و باغات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہو اور ساتھ ساتھ ان عمارتوں کے  
بانیوں کے حالات زندگی بھی اچھے انداز میں دیے ہیں چنانچہ ہم نے راجا  
ٹوڈرمل اور چندربھان برہمن کا عمدہ حال بھی اسی سے لیا ہے۔ استاد محترم  
شیرانی صاحب کے پاس جو قلمی نسخہ ہے اس میں تصاویر بھی ہیں۔

## امرناتھ اکبری

ظفرنامہ اکبری مہاراجا رنجیت سنگھ کی تاریخ ہے۔ دیوان امرناتھ بخت مل  
کا پوتا تھا لاہور کے مشہور صاحب ثروت بزرگ راجا زیندانا تھا انہی کی  
اولاد میں سے ہیں۔ اس نے مولوی احمد بخش چشتی سے تعلیم حاصل کی۔ گیارہ  
سال کی عمر میں کہ لاہور کے باغات پر ایک کتاب موسوم بہ روضۃ الازہار لکھی۔  
ظفرنامہ ۱۸۳۲ء میں رنجیت سنگھ کے حکم سے لکھا گیا۔ پروفیسر ستیا رام کوہلی نے  
چند برس ہوئے طبع کرایا ہے جس کے شروع میں ایک لمبا چوڑا دیا چھ بھی لگایا  
ہے۔ وہاں مصنف کے پورے حالات زندگی اور کتاب پر مفصل ریویو درج ہے  
ہم یہاں مختصر اشارات پر اکتفا کرتے ہیں جو زیادہ تر کوہلی صاحب کے دیباچے  
پر مبنی ہیں۔

یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ کتاب کا ضروری حصہ ہے۔  
اس میں مہاراجا کی لائف سمب ۱۸۹۳ء (۱۸۳۶ء) تک دی گئی ہے۔ دوسرے  
حصے میں باغات لاہور کا تذکرہ ہو تیسرے حصے میں ایک نظم ہے جو مرزا اکرم بیگ  
اور جرنیل الہی بخش کی زندگی سے متعلق ہے۔ چوتھے حصے میں ایک اخلاقی نظم ہے  
ظفرنامہ عہد رنجیتی کی تاریخوں میں خاص منزلت اور پایہ رکھتا ہے اور  
تاریخ پنجاب ہوئے شاہ اود سوہن لال کی کتابوں سے کیا بہ اعتبار عام دلاویزی

کے اور کیا بہ اعتبارِ صحت و ثقاہت بہتر ہو مگر افسوس کا مقام ہو کہ تاریخ مکمل نہیں۔  
 ظفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ امر ناتھ عربی اور فارسی کا اچھا خاصا ماہر تھا عربی  
 کی لمبی لمبی عبارتیں لاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات سے بھی اپنی نثر کو زینت دیتا ہے نثر  
 کے ٹکڑوں میں مناسب اور موزوں اشعار کو اس طریق سے کھیپاتا ہے کہ کلام کا  
 لطف زیادہ ہو جاتا ہے لیکن جہاں تک زبان کا تعلق ہے اکثر بے محاورہ فارسی لکھتا  
 ہے اور کتاب کے شروع سے لے کر آخر تک بعض گھڑی ہوئی ترکیبیں  
 نظر آتی ہیں جنہیں بار بار دہراتا چلا جاتا ہے۔ آمد کی بجائے  
 آورد اور بے ساختہ پن کی بجائے تکلف نمایاں ہے۔ نیز فارسی میں ”پنجابی“  
 آمیزش بھی دکھائی دے رہی ہے۔ ٹیپو کو پٹالیہ اور اسی طرح دو آبہ اور  
 رام گڑھیہ جیسے الفاظ جا بجا نظر آ رہے ہیں۔ اچکن، اچکھ، سورھنگ، ماٹی  
 اور ماتا اور اس طرح کے بے شمار ہندی یا اردو الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔

## منشی سوہن لال مصنف عمدۃ التواریخ

لالہ سوہن لال سُوری کا دادا لالہ حکومت رائے سُوری مہاراجا رنجیت سنگھ  
 کا دکیل تھا۔ خود لالہ سوہن لال اور اس کے باپ نے اسی حیثیت سے دربار  
 میں مدت تک کام کیا۔

۱۸۳۱ء میں کیپٹن ویڈ پولٹیکل ایجنٹ لدھیانہ نے فقیر عزیز الدین  
 کی زبانی اس کتاب کا حال سنا پھر مہاراجا نے خود بھی اس کی تعریف سنی  
 تو بہت خوش ہوا اور بطور صلہ مصنف کو انعام دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمدۃ التواریخ ۱۸۱۲ء سے پہلے شروع نہ ہوئی  
 تھی کتاب کے چار دفتر ہیں۔

ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ

پہلے دفتر میں سکھ مذہب کے آغاز سے مہاراجا رنجیت سنگھ کی تخت نشینی تک کا حال ہے اس حصے میں آخری مغل بادشاہوں اور پنجاب کے گورنروں کا بھی ذکر ہے۔

آخری تین دفاتروں میں مہاراجا رنجیت سنگھ اور اس کے دو جانشینوں کے مفصل حالات ہیں کتاب کی ابتدا گورونامک کی لائف اور ان کی تعلیمات سے ہوتی ہے پھر باقی گوروں کا تذکرہ ہے۔

عمدۃ التواریخ سوہن لال کے مشاہدات کا خلاصہ ہے۔ نیز ان واقعات پر بھی مشتمل ہے جو سوہن لال کے باپ نے لکھے تھے۔ اس کے علاوہ مذہب اور سکھوں کی ایسی تاریخ ہے جو زیادہ تر سکھ نقطہ نگاہ کے مطابق لکھی گئی ہے۔

قرے اور وید صاحبان نے رنجیت سنگھ کی لائف کے سلسلے میں اس کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے۔ سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور و تاریخ پنجاب اپنے ایک خط میں جو سوہن لال کے بیٹے کے نام تھا، اس کتاب کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔

کیپٹن وید کی اس کے متعلق یہ رائے ہے کہ ”سنین اور تالیفوں کے اعتبار سے نیز اس زمانے کے عینی مشاہدات کو صحت و درستی کے ساتھ ضبط کرنے کے اعتبار سے نیز اس لحاظ سے کہ اس میں اکثر واقعات کا دوسری تاریخوں کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ نئی سکھوں میں اپنے سترہ سالہ قیام کے تجربات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ مہاراجا رنجیت سنگھ کی سچی اور صحیح سوانح عمری ہے“

غلام محی الدین بوٹے شاہ کی تاریخ پنجاب زیادہ وسیع پیمانے پر لکھی گئی ہے اور بہ اعتبار درستی اور صحت بھی اس کتاب سے کم نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ سوہن لال کو بہ حیثیت وکیل دربار حالات گرد و پیش سے

اوروں کی نسبت زیادہ واقفیت ہونی چاہیے۔

انشا پرداز کی حیثیت سے مصنف کا درجہ چنداں بلند نہیں۔ اس کی نثر صاف اور واضح ہوتی ہے لیکن مشکل پسندی کے مرض میں مبتلا ہے۔ نیز اس میں پنجابی اثرات بہت نمایاں ہیں۔ "فارسی پنجابی" ترکیبیں بہت عام ہیں مثلاً کنٹھ مروارید، فرستادن ہندویاٹ، چند جوڑی کڑہا، پچکاری ہائے طلا، بازو بند و پوچھیاں مرصع، ڈیرہ سرکار عالی، تھان ہائے پوربی، دیوڑھی سرکار والا، تھان ہائے کھیس، بگی ہائے طلائی، صاحب سنگھ جگر اتیہ، نظام الدین افغان قصوریہ وغیرہ

## کنھیا لال ہندی

مُصنّف ظفر نامہ رنجیت سنگھ (نمبر ۳۲) یہ مہارا جا رنجیت سنگھ کی منظوم تاریخ ہے مگر چنداں اہم نہیں، کنھیا لال ہندی بہت طواری نوٹیں تھا، اس نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ وہ فارسی کے علاوہ انگریزی سے بھی واقف تھا اور انگریزی زمانے میں پنجاب کا پہلا انجینئر تھا اور آخر تک کٹوا انجینئر ہو کر رہے بہادر ہوا، اس نے اردو اور انگریزی میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں:-

یادگار ہندی نبیوں اور اقداروں کا تذکرہ

بندگی نامہ "نام حق" کی طرز پر ایک اخلاقی نظم

نگار میں نامہ قصہ ہیر و رانجھا

مخزن التوحید ہندی کا فارسی دیوان

گلزار ہندی اخلاقی کتاب

اگر دو میں اخلاقی ہندی، مناجات ہندی، تاریخ پنجاب، تاریخ لاہور

ارمغان، رسالہ علم حساب۔

کھنیا لال کی کتابوں میں جدید خیالات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مذہبی بے تعصبی پر جا بجا وعظ کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ذکر بہت عقیدت مندی کے ساتھ کرتا ہے۔ وحدت الوجود کا قائل ہے اور انگریزوں کے اثر صحبت سے تعدد از دواج کی مذمت کرتا ہے۔

ہندی جتنا پُر گو ہے اس قدر اس کی کتابیں عمیق اور متانت، تحقیق و تنقید سے خالی ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ وسیع لٹریچر اس کی وسعت معلومات اور تنوع پسندی پر دلالت کرتا ہے۔

## دیوان کرپا رام

مصنف گلاب نامہ (نمبر ۳۴) اس کتاب میں مہاراجا گلاب سنگھ اور اس کے آبا و اجداد کے حالات ہیں۔ دیوان کرپا رام مہاراجا رنبیر سنگھ کا وزیر تھا اس کا بیٹا انت رام بھی فارسی کا ماہر تھا، گلاب نامہ راجا رنیر سنگھ والی کشمیر کی فرمائش سے لکھا گیا۔ دیوان کرپا رام نے اس تاریخ کے علاوہ "مدنیۃ الحقیق" کے نام سے ایک کتاب ہندو مذہب کی حمایت میں لکھی ہے مصنف سکھوں کے عہد کا بہترین نثر نگار ہے۔ اس کی زبان صاف اور شستہ اور بہت حد تک بے عیب ہے۔ زبان پر قدرت ہے اور شکل نگاری کے نقص سے بھی بہت حد تک پاک معلوم ہوتا ہے۔ گلزار کشمیر (نمبر ۳۵) بھی اس مصنف کی کتاب ہے جو پنجاب کے ایک جوڈیشل کمشنر کی فرمائش پر لکھی گئی اور کشمیر کے ذخائر قدرتی، صنایع، پیداوار اور دیگر عجائبات کے حال پر مشتمل ہے۔ کتاب کے چھو "گلبن" ہیں صوبے داران کشمیر کے حالات مختصر ہیں مگر دیگر اوضاع و اطوار زندگی پر اچھی روشنی ڈالتا ہے۔



یہ کتاب اس دور کی بہت اچھی کتابوں میں شمار کرنے کے قابل ہے۔  
مورخین اور کتب تاریخ کا تبصرہ ہو چکا اب سوانح، قصص اور دیگر فنون  
کے مصنفین کی خالی خالی فہرست دی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں ہم نے زیادہ  
تفصیل سے قطع نظر کیا ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس دور کی تصانیف  
میں وہ بلند پایہ کتابیں موجود نہیں جو اس سے پہلے ادوار میں ہم نے دیکھی ہیں۔  
بائیں ہم ضرورتاً کہیں کہیں تشریحی نوٹ دے دیے گئے ہیں۔

## سوانح

(۱) حقیقتہاً بے خود۔ رام سینگ فکرت (قاموس المشاہیر ج ۱-ص ۲۵۳)  
نے اپنے پیر و مرشد شی سیتل سنگھ بیجو کی لائف لکھی ہے۔ یہ  
کتاب ۱۸۴۸ء میں بمقام لکھنؤ طبع ہوئی۔

(۲) وقائع معین الدین حسینی (۱۸۶۹ء) بابولال ابن منشی کشوری لال  
مُصنف درجہ اول الہ آباد۔ اپنے استاد مولوی عظمت علی کی فرمائش  
پر لکھی۔

(۳) انیس العاشقین (۱۲۲۵ھ) رتن سنگھ زخمی۔ یہ فارسی شعر کا تذکرہ ہے  
جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ ضیائی پر ختم ہوتا ہے۔ اسما حروف تہجی  
کے اعتبار سے ہیں۔ حالات نہایت مختصر ہیں بعض اوقات ایک دو سطر  
پر اکتفا کی گئی۔ نمونہ کلام بھی غلط ادا کیا گیا ہے۔ دیباچے میں نصیر الدین حیدر  
شاہ اودھ کی مدح کی گئی ہے۔ شاعر نے اپنا ذکر چار صفحات میں کیا ہے۔

(۴) تذکرۃ صوفیہ مصنفہ اشکی (متوفی ۱۲۴۸ھ) اس کا ایک نسخہ کتب خانہ تصفیہ

## قصص

- (۱) عجیب القصص (انیسویں صدی عیسوی) بخت سنگھ
- (۲) سنہستان (قبل ۱۲۸۵ھ) ہرگوپال تفتہ کا بیٹھہ شاعر کا حال آئندہ ادراک میں آتا ہے۔ یہ مجموعہ منظوم اخلاقی حکایات پر مشتمل ہے۔ "اردوئے معلیٰ" غالب میں اس کا ذکر ہے۔
- (۳) سدا چتر (انیسویں صدی عیسوی) گلن ناتھ سہائے۔ "کرشنا ساگر" ہندی کتاب کا ترجمہ ہے۔
- (۴) مخبر بہت (انیسویں صدی عیسوی) جی گوپال۔ شاہ مین کا افسانہ نظم میں۔
- (۵) دستور عشق ( " " " " ) جوت پرکاش۔ سستی پنوں کا قصہ ہے۔
- (۶) جہان ظفر ( " " " " ) مکھن لال ظفر (کتب مطبوعہ فارسی برٹش میوزیم) سنسکرت کتاب "رام شمدھ" کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس مصنف نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔
- (۷) قصہ بہمن و مرزبان (انیسویں صدی عیسوی) حکم چند (برٹش میوزیم) مصنف گورمنٹ سکول دہلی میں ٹیچر تھا۔ ۱۲۶۵ھ میں طبع ہوئی۔
- (۸) قصہ کامروپ۔ کوڑا مل (متوفی ۱۸۲۸ء)
- (۹) شہستان عشرت (انیسویں صدی عیسوی) بخت سنگھ (معارف ۱۹۱۸) ملکہ بدیع النجیل کا قصہ۔

۱۰ اردوئے معلیٰ (مبارک علی ایڈیشن) ص ۲۹ ۱۱ فہرست کتب فارسی مطبوعہ برٹش میوزیم

۱۲ سپرنگ۔ ص ۲۵۲ ۱۳ سپرنگ۔ ص ۲۶۰

## مترجمات و کتب ہندو

- (۱) تنبیہ الغافلین (۱۲۳۴ھ) سدا سکھ نیاڈ (ریو۔ ج ۳۔ ص ۹۱۸) نے چار مقالات میں ہندوؤں کے مختلف فرقوں اور جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔
- (۲) رام نامہ (انیسویں صدی عیسوی) منشی رام داس قابل خلف مصری رام (نسخہ پبلک لائبریری لاہور)
- (۳) حدائق المعرفت (انیسویں صدی عیسوی) کشمی نراین (پبلک لائبریری لاہور) "شکر" کا ترجمہ ہے۔
- (۴) بھگت مالا (انیسویں صدی عیسوی) منشی نصن لال بھت (پبلک لائبریری لاہور) بھگت مالا کا ترجمہ ہے۔
- (۵) ریاض المذاہب (۱۲۲۸ھ) پنڈت متھرا ناتھ مالوی۔ اس کتاب میں ہندو فرقوں کا ذکر ہے مصنف نے مسٹر جان گلن کی فرمائش پر لکھا۔ مسٹر ایچ۔ ایچ۔ ولسن نے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مصنف ایک زمانے میں ہندو کالج بنارس میں لائبریریئر تھا۔ اس کا خلاصہ مجمع الصفات کے نام سے موجود ہے۔
- (۶) کشایش نامہ (انیسویں صدی عیسوی) مٹھو لال مرتد (پبلک لائبریری لاہور) یہ نظم خدا کے ناموں کے متعلق ہے۔
- (۷) کاشی استت (انیسویں صدی عیسوی) تنن لال آفریں (پبلک لائبریری لاہور) اس میں کاشی کی مدح ہے۔
- (۸) بھگوت پران (انیسویں صدی عیسوی) کشمی نراین مترور (کتب پرنسپل)



راجا رام موہن رائے مصنف تحفۃ الموحیدین



(۱۴) کاشی کنڈ (انیسویں صدی عیسوی) مٹنی مل (پبلک لائبریری لاہور)  
بنارس کے بعض فرقوں کا حال ہے۔

(۱۵) بھگوت گیتا (۴) کرشنا داس (ہرش میوزیم مطبوعات فارسی)

(۱۶) ذہنیقہ یادگار فارسی (انیسویں صدی عیسوی) منشی سالک رام (پبلک  
لائبریری لاہور) پانچ بابوں میں بعض مذہبی مباحث پر یہ کتاب لکھی۔

(۱۷) چشمہ فیض (انیسویں صدی عیسوی) گردھاری لال

## فنون و علوم طبعیہ

(۱) زبدۃ الرمل (انیسویں صدی عیسوی) امبا پرشاد (پبلک لائبریری لاہور)

(۲) شرح گل کشتی ( " " " " ) گوہند رام۔ میرغبات کی گل کشتی کی  
شرح ہے۔

(۳) شرح گل کشتی (انیسویں صدی عیسوی) رتن سنگھ زخمی

(۴) خزائنۃ العلم (۱۲۲۹ھ) کانجی۔ یہ ریاضی اور سیاق پر ایک عجیب و غریب  
تصنیف ہے جو فرانسس ہاکنس کے نام معنون کی گئی ہے۔ اس میں ایک مقدمہ،

دس باب اور ایک خاتمہ ہے۔ انگریزی علمی اصطلاحات کا ترجمہ فارسی میں  
کیا گیا ہے۔ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف جدید علوم کا کافی ماہر تھا۔

مدت تک یہ کتاب بطور نصاب زیر تعلیم رہی ہے۔ ۱۸۳۷ء میں ڈاکٹر  
جے۔ ٹی۔ ٹیلر کی زیر نگرانی کلکتہ میں طبع ہوئی۔ یہ ریاضی اور ہندسہ اور  
دیگر علوم متعلقہ پر ایک مستند اور زبردست تصنیف ہے۔ بلاشبہ خزائنۃ العلم  
اپنے فن کی تمام کتابوں میں رفیع ترین مقام کی مستحق ہے جس میں جدید

اور قدیم علوم کو تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۵) مرآۃ الخیال رسالہ در حساب (انیسویں صدی عیسوی) جو موہن لال کالیستہ المتخصص بہ عداوت۔

(۶) رسالہ حساب (انیسویں صدی عیسوی) اندکاکاہن کالیستہ کتاب میں چار باب میں اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔  
(۷) سراج السیاق (انیسویں صدی عیسوی) منشی میڈولال ڈاڈر دیبلک لائبریری لاہور۔

(۸) دیوان پندر (۹) منشی چھترل۔ انتظام مالی و بندوبست ملکی کے متعلق ایک عمدہ رسالہ ہے جو "چار و ستور" میں منقسم ہے۔ اسی مصنف نے تمکین کے خطوط کو مکمل شدہ فیض کے نام سے شائع کیا۔

(۹) رسالہ سیاق (انیسویں صدی عیسوی) جگپت رائے (آصفیہ لائبریری) بکوالہ معارف ۱۹۱۸

(۱۰) رسالہ سیاق (انیسویں صدی عیسوی) مدن لال (آصفیہ لائبریری) بکوالہ معارف ۱۹۱۸

## ہمیت و نجوم

(۱) جواہر الافلاک۔ جواہر سنگھ (متوفی ۱۲۶۷ھ) ولد سختاور سنگھ راقم لکھنؤی مصنف نے جو ناطق مکرانی کا شاگرد تھا۔ جواہر اوداک کے نام سے ایک اور کتاب بھی لکھی اوداؤد و فارسی میں دو دیوان چھوڑے۔

۱۔ ریاض الافاق (سیرنگ ۱۶۹) ۵۷ معارف ۱۹۱۸: رپو۔ ج ۲۔ ص ۹۹۰ وغیرہ

۲۔ روز روشن۔ ص ۱۵۸: تاملوس المشاہیر۔ ج ۱

(۳) حدائق النجوم (۱۲۵۳ھ) متن سنگھ زنجی۔ محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کی فرمائش پر لکھی۔ اس کے چھپن اجزا ہیں۔ یہ اس فن کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ انگریزی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

(۴) کاشف الدقائق (۱۹ ص ۸) کیول رام کول

(۵) خواص النجوم (۱۹ ص ۸) نوش وقت رائے ولد بھوپت رائے۔

(۶) رسالہ نجوم (۱۹ ص ۸) بیربل

(۷) منہاج الناطقین (۱۹ ص ۸) رام پرشاد

(۸) زینج اشکی (۱۹ ص ۸) کندن لال اشکی

## طب

(۱) معیار الامراض (۱۲۴۴ھ) رام پرشاد ولد گنگا پرشاد۔ جو پٹنے میں کہنی کے زمانے میں صدر امین تھا۔

(۲) مفہومات طب (۱۲۴۴ھ) منوالال فلسفی

(۳) مجربات ملکیت (۱۹ ص ۸) بھو لال ملکیت۔ مصنف قاضی اختر کاہم عسقلان تھا۔

(۴) محل الابصار (۱۹ ص ۸) پنڈت لال چند

(۵) پاکا ہوسے کالی (۱۹ ص ۸) مترجمہ دیاناتھ

(۶) ضروری انطب (۱۹ ص ۸) منشی مہتاب نراین

## خوش خطی

تعلیم المبتدی۔ جگت نراین (متوفی ۱۲۸۵ھ)

لے معارف ۱۹۱۸ء ایضاً ۱۹۱۸ء ایضاً ۱۹۱۸ء اکثر کتابوں کا ذکر معارف

۱۹۱۸ء سے لیا گیا ہے۔ روز روشن ص ۱۳۵



## موسیقی

دیوراج ساگرا (انیسویں صدی عیسوی) کرشنا نند کا لیتھ (پیش میوزیم کتب مطبوعہ)

## انشا

(۱) شمع شبستان (۱۲۱۳ھ) درگا پرشاد عاشق (پبلک لائبریری) شبستان نکات کی شرح ہے۔

(۲) تضمین گلستان - ہرگوپال تفتہ (یونیورسٹی لائبریری) اپنے بیٹے پیتم بر کی یاد میں لکھی۔

(۳) انشاء دل پسند (۱۲۲۶ھ) سیتل داس سیٹھی (یونیورسٹی لائبریری) کتاب کے اٹھ باب ہیں۔

(۴) منشآت ہنگولال (۱۲۵۰ھ تا ۱۲۵۴ھ) منشی ہنگولال ساکن ہانس بریلی (یونیورسٹی لائبریری) دو حصے ہیں ایک کا نام مختصر منتظمی اور دوسرے کا نام نو اور منتظمی ہے۔

(۵) خیالات شیدا (۱۲۴۸ھ) پنڈت امناتھ شیدا (پبلک لائبریری لاہور) فلسفیانہ مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

(۶) مفید الانشا (۱۲۴۴ھ) پنڈت لکھمی نراین (یونیورسٹی لائبریری قلمی نسخہ) کتاب کی دو فصلیں ہیں۔

(۷) خیالات ضائع (مطبوعہ ۱۸۵۳ء) چرنجی لال ضائع (پبلک لائبریری) چند مضامین متعلقہ مطالعہ نیچر کا مجموعہ ہے۔

(۸) انشاء فیض پیر (۱۸۵۳ء - ۱۸۷۵ء) منشی ہر سہائے قانون گو (فہرست

کتب خانہ نوکشور) فوجاع الدولہ کے عہد میں لکھی گئی۔

(۹) منشی بھاگ چند کے مکاتیب (نزد ۱۲۶۱ھ) (فہرست کتب خانہ نوکشور)

(۱۰) منشآت امرت لال مطبوعہ ۱۸۹۱ء (فہرست کتب خانہ نوکشور)

(۱۱) منشآت کالی رائے تمیز (نزد ۱۲۶۱ھ) ایضاً پبلک لائبریری

(۱۲) رقعات فیض آگس۔ نندکشور مطبوعہ ۱۸۸۴ء (پبلک لائبریری)

(۱۳) منشی ہرجس رائے کے مکتوبات (فہرست کتب خانہ نوکشور)

(۱۴) خیال بخودی مضامین تصوف کا مجموعہ۔ سبیل سنگھ بیچور (پبلک لائبریری)

(۱۵) گنجینہ خیال منشی خیالی رام خیالی۔ احسان اللہ ممتاز کا شاگرد خاص تھا۔

واجد علی شاہ کے ہاں ملازم تھا۔ اس کی تصانیف تلوار تک پہنچتی ہیں۔

(۱۶) رقعات نظامیہ بھی داس بن نرائن داس (فہرست نوکشور)

(۱۷) نادر الانشا۔ کشن جی پنڈت

(۱۸) خیالات نادر (۱۲۹۴ھ) ہر نرائن دہلوی (پبلک لائبریری)

(۱۹) مرصع خورشید (۱۸۰۲ء) سدا سکھ بن بشن پرشاد (پبلک لائبریری)

(۲۰) دستور الصبیان } فائدہ رائے۔ یہ کتاب بہت مشہور ہو اور مدت

(۲۱) دستور المکتوبات } تک مکاتیب میں زیر تعلیم رہی۔ (یونیورسٹی لائبریری)

(۲۲) انشاء بے نقاط (۱۲۹۳ھ) کالکا پرشاد ناٹاں۔ مولوی برہان الدین

کا شاگرد تھا۔ (پبلک لائبریری لاہور)

(۲۳) انشاء دولت رائے منشی دولت رائے (پبلک لائبریری)

(۲۴) منشآت ہیرالال المعروف بہ انشاء لطیف

لہ۔ ایوان فہرست ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ضمیمہ ۲۔ عدد ۹۶۵: سپرنگ ۲۶۲ یہ گنجینہ

چار گز میں منقسم ہو۔

## لغت و صرف

- (۱) گنج اللغات - گردھاری لال (اصفیہ لائبریری بحوالہ معارف ۱۹۱۸)
- (۲) نصاب مشنٹ (قبل ۱۲۹۷ھ) گوہند رام (یونیورسٹی لائبریری)
- (۳) کشف اللغات افغانیہ (متعلق پشتو) (۱۲۹۷ھ) نراین داس پشاور (یونیورسٹی لائبریری)
- (۴) غنچہ بے خار (صناع و بدائع) کنیش داس لایق (پبلک لائبریری)
- (۵) ہفت گل (۱۲۹۲ھ) منشی کامتا پرشاد ناداں ( " " )
- (۶) دریائے عقل - نگا پرشاد بن دولت چند مطبوعہ ۱۲۹۲ھ (پبلک لائبریری)
- (۷) بہار علوم (۱۲۸۵ھ) مینڈو لال زار (پبلک لائبریری)
- (۸) رسالہ ضمیر منشی ہیر لال غنیمت (فہرست ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ضمیمہ ۲ ۱۹۰۵ء)
- (۹) جہاں منظومہ منشی دولت رائے
- (۱۰) مفتاح الصفات - رام نراین (پبلک لائبریری)

## شعر

فوقی رام حسرت - متوطن شاہ جہاں آباد - ایک عرصے تک شاہ جہاں آباد

لے ہم نے مرزا محمد سن تیل کو ہندو شعرا میں شمار نہیں کیا۔

لے دیکھو تیس عاشقین (قلمی ملوکہ پنجاب یونیورسٹی) ج ۱ ق ۱۴۵: مخزن الغراب (ملوکہ

پروفیسر شیرانی صاحب) سپرنگ ص ۲۲۳ (بحوالہ عیار اشعار و نگارن بے خار) مجموعہ نغز قلمی ملوکہ

پنجاب یونیورسٹی) ق ۱۰۵ - روز روشن ص ۱۰۰ - تذکرہ کریم الدین ص ۲۵۳

میں مقیم رہا۔ دکن میں بھی گیا اور آخر کار رام پور میں قیام کیا۔ جہاں ۱۲۲۱ء کے اواخر میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس نے فارسی کے دو دیوان چھوڑے۔ اردو میں بھی شعر لکھا کرتا تھا۔ انیس العاشقین کے مصنف کا بیان ہے کہ اس نے فارسی میں خاص سٹائل پیدا کیا۔ اس کا لب و لہجہ بہت صاف اور ایرانی تھا۔ جموعہ لغز میں لکھا ہے کہ حسرت محاورے کی بہت کم غلطی کیا کرتا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:-

حسرت آن عاشق و دیوانہ مادرِ اویم      کہ زما دست بہ طفلی پدر ما برداشت  
چہ کنم ترک غم عشق تہاں کارم نیست      ورنہ آن نیست کہ از خواری خود غم نیست  
دے کہ آں مہ بے مہر مہراں باشد      ولہم بخویش رقیبانہ بدگماں باشد  
تا بعد مرگ ہم نہ گزارد مرا بخویش      برخاک من آگر شست دغا را بہانہ رخت  
منشی ہر گوپال تفتہ۔ کالیچھ متوطن سکندر آباد ولد موتی لال سنگھ

میں پیدا ہوا۔ وفات ۱۲۵۸ء۔ غالب کے شاگردان رشید میں سے تھا۔ پہلے رامی تخلص اختیار کیا۔ بعد ازاں "تفتہ" اختیار کیا۔ حسین قلی خاں عشق کو نشر عشق کے اُنسے ترتیب میں بہت مدد دی جس سے اس کی شاعرانہ قابلیت میں بہت اضافہ ہوا۔ مرزا غالب کے ساتھ عقیدت مندانہ تعلقات تھے۔ جن کا حال رقعات غالب وغیرہ سے ملتا ہے۔ تفتہ نے چار ضخیم دیوان چھوڑے۔

تضمین گلستاں بھی لکھی۔ اردو میں بہت کم اشعار کہے۔  
راجا رتن سنگھ زخمی۔ خزانہ دولہ منشی الما ملک خطاب۔ رائے بالک رام کا سیتہ

۱۔ قاموس الشاہیر۔ ج ۱۔ ص ۱۵۹۔ روز روشن۔ ص ۲۳۶ (دیکھو رامی) نمنیہ جاوید ج ۲

ص ۱۱۵۔ یادگار غالب۔ ص ۷۵۔ کلیات شرعہ غالب ص ۸۳۔ اردوئے معلیٰ دیباچہ۔ آب حیات ص ۵۰

۲۔ ریوج ص ۲۔ ص ۹۶۲۔ انیس العاشقین (قلمی) ج ۱۔ ق ۲۱۳۔ سپرنگر ص ۵۹۱۔ اور نیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۷ء

کا بیٹا تھا کئی پشتوں سے شاہان اودھ کی ملازمت میں تھے۔ ایک کنسلطان التواخ نام شاہان اودھ کے حالات پر لکھی جو سنہ ۱۲۵۸ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ایک دیوان چھوڑا جس میں غزلیات، مخمسات اور رباعیات ہیں مخمسات بہت دلچسپ اور شیریں ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:-

نہ ہمیں حسرتے بے باقی ست	رفت جاں بے مصلحت بے باقی ست
شب بسر شد بشکر آمدش	مے و مد صبح شکوہ بے باقی ست
ناصر می کنی عیش منعم	مضطرب ضبط گریہ دشوار ست
مرغ و ماہی بخواب رفت و ہنوز	بہچناں زخمی تو بیدار ست
با من نشیں کہ خوف خدا خود بہانہ است	مردہ کہ بیم روز جزا خود بہانہ است
خون من است این کہ نہاں ہے کند خلق	ہر لحظہ وصف رنگ خدا خود بہانہ است
زخمی بطرز تازہ ام او مے کشد کنوں	ترک جفا بقصد وفا خود بہانہ است
ماندہ باقی ز من و دل نفسے یا قسمت	نیست از حال من آگاہ کسے یا قسمت!
ہم صغیراں بشما باد مبارک گلزار	یا دہنہائی و گنج قفسے یا قسمت!
از شرم لبوئے من نئے دید	شاید از درد من خبر داشت
پلے شنیدن افسانہ می روی بر غیر	بیابیا کہ مرا نیز حسب حالے ہست
وفا کردم خطائے من ہمیں بود	جفا کردی سزائے من ہمیں بود

اندر من دلدادہ کیول رام کا لیتھ۔ یہ شاعر بصارت سے محروم تھا اور حسین قلی خاں عشق کا ذاتی دوست تھا جس نے اپنے تذکرہ نشر عشق میں اس کے کافی حالات لکھے ہیں۔ اس کے بعض اشعار نہایت پسندیدہ ہوتے ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے:-

ناہم برق دایم از دو افغان، بارش انام  
بیا از ماسا کن بہار بزشگالی را  
اگرچہ مصحف دوسے تو زیبا با خط موزوں  
ولے با چشم جادو آیت تسخیر ہم دارد  
تو بہر جا کہ نہی آں کعب پاگل نیزد  
برز مینے کہ قد زلف تو سلب نیزد  
گرد آئی بچمن با قد بالا گل رو  
سروال یافتہ و نالہ ز بل نیزد  
سرہ بر چشم و حنا بر کف و صندل چہیں  
چشم بد دور چہ بانقش و نگار آمدہ  
ذکر رود گر از بلا زلف کشا کہ ہمچیں  
فتنہ بجوید ار کسے چشم نما کہ ہمچیں  
ہر کہ طلب کند نشان، چوں بشود قیامتے؟  
نازکناں ز خاتمہ خویش برا کہ ہمچیں

صاحب رام خاموش، کھتری متوطن بنارس۔ پہلے پہل شاہ عالم کا ملازم تھا پھر انگریزوں کی ملازمت اختیار کر لی۔ تاریخ منطقی کا مصنف شہنشاہ دوست تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس کی وفات ۱۲۵۷ھ میں واقع ہوئی۔ پہلے پہل اس کا تخلص محزون تھا۔ خاموش علی حزیں کا شاگرد تھا اس کا ایک ضخیم دیوان ہے جس میں غزلیات، قطعات، رباعیات و قصائد موجود ہیں۔ اس کا یہ شعر بہت پسند کیا جاتا ہے:-

فرض کر دم ہمہ تقصیر من است  
بعد ازیں گو کہ چہ تدبیر من است  
منشی را محبس محیط لاہوری کھتری۔ بنارس میں ملازم تھا۔ مصنف ریاض الوفاق کا دوست تھا۔ بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً محیط عشق، محیط درد، محیط غم، حسن و عشق، ایک اور مثنوی۔ ان پانچوں مثنویوں کا نام ”نغمہ عشقیہ“ رکھا۔ سنسکرت کتابوں کے ترجمے بھی کیے مثلاً محیط المحقق، محیط الاسرار،

لہ نشر عشق (قلمی) ج ۱ ص ۱۹۱۔ انیس العاشقین (قلمی) ج ۱ ق ۱۶۷۔ دیو۔ ج ۲ ص ۲۲۲،

سپہرگو۔ ص ۱۶۷۔ مخزن الغرائب (قلمی مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب) لہ ریاض الوفاق مست (سپہرگو)۔

گلشنِ معرفت، محیطِ معرفت، محیطِ اعظم۔ اس نے انوارِ سہیلی کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا جس کا نام محیطِ دانش رکھا۔

اب ہم اس عہد کے باقی شعرا کے نام حروفِ تہجی کی ترتیب سے یہاں درج کرتے ہیں:-

بابو رائے اختر، پنڈت مینی رام اختر، لکھنوی، بلد پور پرشاد اختر، رام دیاں اختر، لالہ کندن لال ارشاد، لالہ کندن لال اشکی، مناسنگھ آشتا، منشی گرسہاگے آشتا، دیوان امر ناتھ اکبر سی، کالکا پرشاد آنور، لالہ جگن ناتھ آنور بھاگلپوری، بھیا ل رام افسر آماوی، پرشاد رائے عالم، لالہ بیچ ناتھ اُنس، لالہ کیرت سنگھ آسد، راجا گردھاری پرشاد باقی، پنڈت ست رام بیچود، مکھن لال بھجت، لالہ مینڈی لال بھیا، لالہ جوگشن بے جان، لکھن پرشاد بھار، رائے بھکارام تسلی لکھنوی، گنگا داس تسکین، رائے بھو لال تلکین، جلیس لکھنوی بن موہن لال انیس، جواہر سنگھ جواہر، بہمن ناتھ دہلوی، بشن نراین حیران، منشی کنج بہار لال حیرت، پنڈت مینی رام حقیر، خوش وقت رائے لکھنوی، جو سکھ رائے خیال، بہار دی لال خود رفتہ، جواہر لال ذبیر، پنڈت نراین داس دل، دبی نراین سنگھ، دیا رام در (یا دیا) پنڈت دھرم نراین ذکر، جو سکھ رائے ذہین، رام پرشاد رام، رائے شیو سہاگے رائے، راہب کشمیری، لالہ

لہ ہر شاعر کے لیے علیحدہ حوالے دینے کی بجائے ہم بغرض ایجاز تمام ان کتابوں کے نام لکھتے ہیں جن میں ان شعرا کے حالات دستیاب ہو سکتے ہیں۔ روز روشن، تذکرہ کریم الدین اردو سپرنگ (تذکرے) انیس، العاشقین (قلمی دو جلد) عیا دانش (سپرنگ)، قاموس المشاہیر، ریاض الوفا (سپرنگ) فہرست کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری، فہرست کتب پنجاب پبلک لائبریری، مخزن الغراب (قلمی) ملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب، تذکرہ خوشنویسیاں، تذکرہ عشقی (سپرنگ) آثار الہند اید، مخزن جادو مجبور، نغز قدرت اللہ قاسم، شعر الہند

لجھی نراین رفیق، لالہ بھاگل رنج، راگو پنڈت، دیونا تھ پنڈت رنگیں، لالہ  
جواہر سنگھ رام، گوبند رام زیرک، منشی منولال زادری، لالہ ہیئت پرشاد مسرور،  
گنگا پرشاد شاد، لالہ بدھ سنگھ شاداں، بسا دن لال شاداں، راجا کشن پرشاد  
شاد، پنڈت امر ناتھ شیدا، لالہ خوش وقت رائے شاداب، لالہ دیپی پرشاد شائل،  
رادھ کشن شاق، بستی رام شائق، لالہ متھرا داس شاعر، شنبھو ناتھ جودت ریاضیہ  
امرناتھ شعلہ، کنور دولت سنگھ شگرسی، لالہ طوطا رام شایاں، جرجی رام سہا، رائے  
بالک رام صبورسی، پنڈت سیتا رام صوتی، لالہ جرموہن لال صادق، سکھ رائے  
ضمیر، لالہ ہیرالال ضمیر، پنڈت نراین داس ضمیر، جانیکی پرشاد ضمیر، لالہ  
ٹککارام طفر، بدیا دھر فصحی، پریم کشن فراقی، لالہ دین دیال فرحت، لجھی نراین  
فرزاد، رائے منولال فلسفی، پنڈت بدیا دھر فطرت، گوبند پرشاد فضا،  
منولال نہیم، رائے بیج ناتھ عاشق، موہن لال عاشق، مہاراجا کلیان سنگھ  
عاشق، بابو سربجیت سنگھ عاشق، رائے سوہن لال عاشق، درگا پرشاد عاشق،  
رائے زور آور سنگھ عزیز، لالہ ہندو پت عشرت، لالہ شتاب رائے عزیز،  
آتمارام عاشق، بھولانا تھ عاشق، منشی بھگوان دیال عاقل، لچھمن سنگھ  
غیورسی، لالہ موہن لال غالب، رائے رتن لال غریب، رائے چنی لال  
قریب، رام داس قابل، کابھی، راجا پروکشن کنور، نند لال گویا،  
پرکاش داس لطفی، راجا کابھی سہائے شین، منشی کنور سین مضطر، بیل داس  
ممتاز، بیج ناتھ مشتاق، سکھن لال موحد، گنگا بش مسرور، لالہ مٹھو لال  
مرشد، لالہ بلند سنگھ مصروف، پنڈت مادھو رام مشتاق، موتی رام مفتوں،  
منشی مہر چند مہر، موہن لال منعم، لالہ درگا پرشاد مضطرب، کنھیا لال منیر، منشی  
کنور جی مدہوش، رائے چنی لال نحیف، منشی درگا پرشاد نشاط، لالہ مول راج



نظمی، دیا شکر نسیم، سدا سکھ نیاز، لالہ مٹھن لال ناتھی، شکر ناتھ نادہ، منشی  
بنسی دھر ہمت، رائے کنھیا لال ہندی، گوکل چند لال ہوری ہندو، نوبت رائے  
وقار، رائے جوالا پرشاد وقار، راجا اُدت نراین۔

ان شعرا میں سے اکثر نے کتابیں لکھی ہیں لیکن اتنی اہم اور وسیع  
نہیں۔ اس لیے ہم انھیں نظر انداز کرتے ہیں۔ ہمارا چاند لال شاداں اور  
راجا کشن پرشاد شاد کی کتابیں تصوف میں ہیں اور اس لحاظ سے کہ ان کے  
مصنف عالی مرتبت ہیں خاص توجہ کی مستحق ہیں۔



چھٹا باب

---

نظر بازگشت



## چھٹا باب نظر بازگشت

فارسی ادب درباروں میں | "مشرق میں تمام حقیقی علوم و فنون درباروں میں پیدا ہوتے ہیں۔" پروفیسر براؤن انجہانی کا یہ مقولہ بعینہ ہندستان کے فارسی ادب پر بھی صادق آتا ہے جس ملک میں رائے عامہ ہنویاشی کے حالات و اوضاع پر خاص طور سے اثر انداز ہوتی ہو وہاں بادشاہ کی ذات ہی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنتی ہو۔ خاندان تیموری کے تقریباً تمام حکمران ہندوؤں اور علی رُحمان طبع رکھتے تھے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے زیر اثر بے شمار مصنفین موجود رہتے تھے جنہوں نے وسیع اور کامل طریقہ پر پیدا کیا۔

جب سلطنت مغلیہ میں انحطاط آگیا تو وہی علمی سرگرمیاں بعض نئے مراکز کی طرف منتقل ہو گئیں جن میں اودھ، حیدرآباد، بنگال کا نام خاص طور سے لیا جاسکتا ہے۔ سکھوں نے پنجاب میں اور مرہٹوں نے اپنی سلطنت میں مغلوں کی طرز حکومت کی پیروی کرتے ہوئے فارسی کو بہت حد تک برقرار رکھا۔ پھر جب انگریز ملک پر قابض ہو گئے تو ایک خاص وقت تک انہوں نے فارسی کی دفتری حیثیت سے تعریف نہ کیا اور بہت سے لوگوں نے ان کے زمانے میں فارسی میں

۱۵ اس باب میں بعض پچھلے واقعات دہرائے گئے ہیں تاکہ ہندوؤں کی فارسی تسلیم کی کہانی بجا

بیان کی جاسکے۔ اس تکرار کے لیے مؤلف معذرت خواہ ہے۔

کتابیں لکھیں۔

ریاست ہائے اور، ٹونگ، بھاولپور اور بھوپال میں بھی ہندو منشی بہ تعاد کثیر موجود تھے اور ان میں بعض نے فارسی زبان میں کتابیں بھی لکھیں۔

گزشتہ ابواب میں ہم نے جن ہندو مصنفین کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے اکثر اعلیٰ مناصب پر فائز تھے چنانچہ ہمیں بہت سے رائے، دیوان، راجا، منشی، بخشی، قانون گو، کام دار، امین، پیش دست، مشرف، پیش کار، میر سامان، نایب دیوان خالصہ، دیوان تن، وزیر منشی الممالک، فوج دار وغیرہ ملتے ہیں مسلمان مصنفین کی طرح یہ ہندو مصنفین بھی بادشاہوں اور امیروں سے انعام و اکرام پاتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں کے طرزاں اور قابلیت کی تعریف خود مغل شہنشاہوں نے کی ہے۔ مسلمان ارباب علم کی طرح ہندو ارباب قلم نے بھی لٹریچر میں اضافہ کرنے کے علاوہ اپنے زمانے کے سیاسی حالات میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لٹریچر کا مطالعہ اور بھی ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ آگے چل کر ہم اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ کالیستھوں کو فارسی زبان کے ساتھ خاص **کالیستھ** | مناسبت ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ گزشتہ صفحات میں جتنے مصنفین کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان میں کالیستھوں یا کالیستھوں کو اکثریت حاصل ہے یہ لوگ

سلا مغل ایڈمنسٹریشن - پروفیسر سرکار - ج ۱، مورلینڈ ایگریمنٹ سسٹم انڈیائی مغلز،  
مرآۃ الاعطاح - قلمی پنجاب یونیورسٹی، معلومات الافاق (قلمی پنجاب یونیورسٹی) و دستور العمل  
یوسف میرک (قلمی پنجاب یونیورسٹی) وغیرہ کتب میں یہ اصطلاحیں مفصل میں دی گئی ہیں۔ ان اصطلاحوں  
کے منہ بوم سے یہ دیکھو سید اباح حسن کی انگریزی کتاب (THE CENTRAL STRUCTURE OF

THE MUGHAL EMPIRE) پروفیسر عبدالعزیز کے خدائیں: انڈین سٹریٹجیکل جنرل میں

بہت صاحب ذوق سلیم مانے گئے ہیں اور ایسا ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔  
 ازمنہ قدیم سے ان لوگوں کا کام نوشت وخواند تھا۔ راجاؤں کی منشی گری انھی  
 کے سپرد تھی۔ اگرچہ خود ان کا دعویٰ ہے کہ وہ چھتری ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے  
 کہ مسلمان جب ہندستان میں وارد ہوئے تو انھوں نے پہلے پہل اسی جماعت سے  
 فائدہ اٹھایا۔ انھیں مالیات میں ان سے کافی مدد ملی۔ پٹواری [جو مسلمانوں سے پہلے  
 کا لفظ معلوم ہوتا ہے] انھی لوگوں میں سے ہوتے تھے۔ دفتر ہندی میں تھا اس  
 لیے انھیں کاروبار میں کوئی خاص دقت نہیں محسوس ہوئی ہوگی۔ مشہور ہے کہ  
 سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں یہی لوگ تھے جنھوں نے سب سے پہلے  
 فارسی تعلیم کو حاصل کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ شہر شاہ کے زمانے میں ان  
 لوگوں نے بیش از بیش ترقی کی۔ چنانچہ اکبر کے زمانے میں جب راجا ٹوڈل نے  
 فارسی کو سرکاری زبان قرار دیا تو معاملات سلطنت میں اس سرلیح اقدام سے  
 اتری نہ پھیلنے کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ایک جماعت فارسی داں  
 ہندوؤں کی پہلے سے موجود تھی جس نے فی الفور نئے نظام پر عمل درآمد  
 شروع کر دیا۔ یہ جماعت گمان غالب ہے کہ کالیستھوں میں سے ہی تھی۔ اس  
 زمانے سے لے کر آج تک کالیستھوں نے جس قابلیت، ماحول کے مطابق  
 متغیر ہو جانے کی صلاحیت اور حسن فہم کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے اثبات کے لیے  
 انہی بے شمار تصانیف کافی ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے وسط تک ہندوؤں  
 میں صرف راجپوت اور کالیستھ ہی تھے جن کا اثر و اقتدار مسلم تھا۔ درگہ پرشاد  
 نادر، تذکرۃ النساء (ص ۳) میں راوی ہے کہ مردوں کے علاوہ کالیستھ عورتیں بھی  
 فارسی زبان جانتی تھیں۔ مجمع النفائس کا بیان ہے کہ عہد محمد شاہی میں کالیستھ

لوگ سرکاری دفتروں پر چھائے ہوئے تھے۔ مرہٹوں کی حکومت میں بھی منشیانہ کاروبار یہی لوگ انجام دیتے تھے۔ برہمن جو کالیستھوں کو شہر کہتے ہیں ان کی اس علمی ترقی اور دنیاوی ترقی سے بہت ناراض تھے۔ کالیستھوں کی اس ترقی اور اقبال کا اصلی راز مطابقت ماحول میں مضمر ہے۔ راجپوت سپاہیانہ مشاغل کے لوگ تھے انھیں قلم دوات سے کوئی محبت نہ تھی۔ برہمن تفرہ و اور علیحدگی میں ہی علونان خیال کرتے تھے۔ صرف کالیستھ ہی تھے جنھوں نے اس میدان میں قدم رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی جماعت ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ تاثر الامرا کا بیان ہے کہ کالیستھوں میں باہمی ہمدردی اور قبیلہ پروری بہت ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں اس کے کئی شواہد ملتے ہیں۔ جب انگریزوں نے حکمرانی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو اکثر اکابر اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور آج بھی یہ قوم اپنی ذہانت اور ذکاوت کے لیے بہت مشہور ہے۔

**برہمنان کشمیر** | کالیستھوں کے بعد سب سے زیادہ کشمیری پنڈتوں کو فارسی برہمنان کشمیر زبان سے خاص شغف رہا ہے۔ کشمیر میں فارسی کا رواج سلطان زین العابدین کے زمانے سے ہو چکا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیری برہمنوں میں سے "سپرد" قوم نے سب سے پہلے فارسی زبان کو حاصل کیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "سلطان" پنڈتوں نے سب سے پہلے مسلمان حکمرانوں کی ملازمت قبول کی لہذا انھوں نے ہی فارسی کی تحصیل میں ابتدا کی

۱۔ تاثر الامرا ج ۲ ص ۲۳۷۔ تاثر الامرا ج ۲ ص ۳۴۲۔ ۲۔ کالیستھوں کے لیے دیکھو: سپرنگر ج ۱

۳۔ ۳۱۳۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶۴۔ ۱۵۶۵۔ ۱۵۶۶۔ ۱۵۶۷۔ ۱۵۶۸۔ ۱۵۶۹۔ ۱۵۷۰۔ ۱۵۷۱۔ ۱۵۷۲۔ ۱۵۷۳۔ ۱۵۷۴۔ ۱۵۷۵۔ ۱۵۷۶۔ ۱۵۷۷۔ ۱۵۷۸۔ ۱۵۷۹۔ ۱۵۸۰۔ ۱۵۸۱۔ ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵۸۶۔ ۱۵۸۷۔ ۱۵۸۸۔ ۱۵۸۹۔ ۱۵۹۰۔ ۱۵۹۱۔ ۱۵۹۲۔ ۱۵۹۳۔ ۱۵۹۴۔ ۱۵۹۵۔ ۱۵۹۶۔ ۱۵۹۷۔ ۱۵۹۸۔ ۱۵۹۹۔ ۱۶۰۰۔ ۱۶۰۱۔ ۱۶۰۲۔ ۱۶۰۳۔ ۱۶۰۴۔ ۱۶۰۵۔ ۱۶۰۶۔ ۱۶۰۷۔ ۱۶۰۸۔ ۱۶۰۹

ہوگی۔ بہر حال ہندستان میں رواج پانے سے پہلے کشمیر میں کافی ترقی ہو چکی تھی۔ اکبر کے عہد میں کشمیر عظیم الشان مغلیہ سلطنت کا ایک جزو بن گیا تھا اور اسی تاریخ سے کشمیری پنڈتوں کی ہندستان میں آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ شاہ جہاں کے عہد میں فارسی داں کشمیری پنڈتوں کا دربار مغلیہ میں اچھا خاصا عنصر معلوم ہوتا ہے۔ دیوان بخت مل [جو حقیقت میں مہاراجا رنجیت سنگھ کے نصر حکومت کا ایک زبردست مہار تھا] کے آبا و اجداد اسی زمانے میں ہندستان میں وارد ہوئے اور مغلوں کی ملازمت قبول کی۔ سکھوں کے عہد میں اور انگریزوں کے ابتدائی زمانے میں کشمیری برہمن کافی اقتدار پر فخرے۔ وہ حسن ظاہری کے علاوہ ذہن رسا کے لیے بھی بہت مشہور ہیں اور آج کل بھی ملک کی بعض ممتاز شخصیتیں انھیں میں سے ہیں۔

لہ تعجب ہو کہ بعض مصنفین نے کشمیریوں کی بہت خدمت کی ہو مثلاً شیخ حزیں کشمیریوں کی ہجو کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو روز روشن بدیل زیرک) :

شرح قوسے شنوا ز من کہ ندارند لب	ادب و شرم و حیا غیرت از ایشان مطلب
کس ندیدہ بطن مردن کشمیری را	در جہاں چوں صف مورد رواں داند طلب
یک ازیں قوم ندیدامت دولوبت کشمیر	بر نہ گردد چو ز سوراخ بر آید عقرب
جزو نظم کہ کند خامہ ایشان تحریر	ہر جہ دسالم آں را ہمہ بینی اخب

وغیرہ وغیرہ اس کا جواب "زیرک" ایک کشمیری برہمن نے دیا جسے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ ابو الفضل اور عہد مغلیہ کے دوسرے مصنفین اگرچہ کشمیریوں کے خلاف رائے رکھتے ہیں لیکن ان کی ذہانت بھولوں سے محبت اور بعض دوسرے اوصاف کی تعریف کرتے ہیں [آئین جبرٹ - ۱۳۵۱ : خانی خاں کا بیان ہے کہ "مردم آں گل زمین بہ حدت فہم و ذکا و جوہر رشادت آراستہ اند" (ج ۱ : ص ۳۰۳) اور ذک زبیر عالمگیر اپنے خطوط میں کشمیریوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے "کشمیری دریں صوبہ نیست کہ مقرر کشیم (رقعات ص ۹۵) نیز برنیر (ترجمہ اردو ج ۱ - ص ۷۱) ]



یہی دو طبقات ہیں جنہوں نے فارسی کا بہت سا لٹریچر پیدا کیا اور  
 انہی میں فارسی تعلیم نے بہت رواج پایا۔ تاہم ان کے علاوہ کھتری اور  
 بعض دوسری ذاتوں کے مصنفین بھی کافی تعداد میں موجود ہیں کیونکہ مغلوں  
 کے آخری ایام میں تقریباً تمام ہندو قوم فارسی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

فارسی کی مقبولیت کے اسباب | گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے  
 کہ ہندوؤں نے فارسی تعلیم کی ابتدا

سلطان سکندر لودھی کے عہد میں کی۔ اکبر کے زمانے میں اس کی ترقی کی  
 منظم ہمد گیر کوشش کی گئی۔ بلوچمن کا خیال ہے کہ ہندوؤں نے صرف اقتصادی اسباب  
 کی بنا پر فارسی تعلیم حاصل کی۔ دفاتر پہلے ہندی میں تھے اور بابر کے بیان کے  
 مطابق عامل مستاجر اور دوسرے عہدہ دار ہندو ہی تھے لیکن جب راجا ٹوڈر مل  
 کے اعلان نے صورتِ حالات کو دگرگوں کر دیا تو انہوں نے بلا تامل دوسری راہ  
 اختیار کر لی اسی میں ان کی ترقی اور عروج کا راز پنہاں ہے۔

کیا فارسی تعلیم ہندوؤں کے لیے مضرب ثابت ہوئی؟ | بعض لوگوں کا خیال ہے  
 کہ فارسی زبان کی تحصیل

ہندوؤں کے لیے مضرب ثابت ہوئی لیکن واقعات و حالات کے اعتبار سے یہ  
 گمان صحیح نہیں۔ تمدنی اور عمرانی نقطہ نظر سے یہ اختلاط بہت مفید ثابت ہوا۔  
 انسانوں کے دگر وہ قوانین قدرت کے دباؤ سے ایک دوسرے کے قریب  
 آگئے اور ان کے اس امتزاج سے ایک نئے قسم کا کلچر نمودار ہوا۔ ہندوؤں کی  
 علیحدگی اور تفرق پسندی کے متعلق علامہ البیرونی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان  
 کے پیش نظر فارسی اور اسلامی علوم کے ساتھ ہندوؤں کا یہ ارتباط تعجب انگیز معلوم  
 ہوتا ہے۔ فارسی، بہ حیثیت ایک سرکاری زبان کے، ہندوؤں کی آزادانہ ترقی میں

ہارج ثابت نہیں ہوئی چنانچہ ہیول اپنی کتاب "ایرین رول ان انڈیا" میں اسی موضوع پر لکھتا ہے:-

"فارسی زبان، انگریزی زبان کی نسبت ہندوؤں کے لیے بہت آسان تھی۔ ہندو وزیر معاملات سلطنت میں اسی طرح چابک دست ہوتے تھے اس طرح مسلمان وزیر اس سے معلوم ہوا کہ فارسی زبان ہندوؤں کی ترقی کے لیے سنگ راہ نہ تھی"

(انگریزی سے ترجمہ)

ہندوؤں کی تعلیم کا انتظام | اب ہم ہندوؤں کی فارسی تعلیم کے انتظام کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں جو کچھ بیان ہوگا وہ عہد مغلیہ کے سارے نظام تعلیم کا ایک خاکہ ہے چونکہ ہمارے مضمون کا تعلق صرف ہندوؤں سے ہے اس لیے ہم نے جا بجا ہندوؤں ہی کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔

ہندستان میں پرنے زمانے سے تعلیم کا انتظام بچا بیٹوں کے سپرد تھا۔ پنڈت دیہی نظام کا ایک جز دلا بینفک ہوتا تھا۔ گائوں کے لوگ اس کی ضرورت زندگی کو پورا کرتے تھے۔ یہ پنڈت اپنے مکان پر یا کسی اور معین مقام پر لڑکوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔

مغلوں سے پہلے ہندستان میں اسلامی مدارس بکثرت موجود تھے جن میں سے بعض تو اوقاف کی آمدنی سے اور بعض عطیات پر چلتے تھے۔ ابتدائی تعلیم مکاتب اور مساجد میں ہوتی تھی جب طالب علم ان منازل کو طے کر چلتا تو پھر ان مراکز علمی کی طرف متوجہ ہوتا جن کا سارے ملک میں شہرہ ہوتا تھا۔ ان مراکز میں طالب علم عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے تھے

اور نصاب کو ختم کرنے کے بعد فارغ التحصیل ہو جاتے تھے۔  
**عہد اکبری** | اکبر کے زمانے میں مکاتب اور مدارس کو زیادہ رونق حاصل ہوئی۔  
 یہی زمانہ ہے جب کہ ہندو اور مسلمان بکثرت ایک جگہ تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔ آئین اکبری میں تعلیم، نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کے متعلق ایک آئین موجود ہے:-

”آئین آموزش: در ہر کشور خاصہ دریں آبادیوم سالہا نو  
 آموز را بدستان باز دارند و مفردات حروف معجم را بچندیں گونه  
 اعواب آموزش رود۔ بفراواں نامہ گرامی انھاس را لگاں شود بخلاق،  
 حساب، سیاق، فلاحیت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل،  
 سیاست، ادب، طب، منطق، طبیبی، ریاضی، الہی، تاریخ مرتبہ  
 مرتبہ اندوزد و از ہندی علوم بیا کرن، نیای، بیدانت و پانچل  
 برخواند و ہر کس را از بالیست وقت در گزارند، ازیں طرز را لگی مکتبہا  
 رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ یافت“

**مکاتب اور مدارس** | غالباً اکبر کے زمانے سے مشترکہ مکاتب کا دستور قائم  
 ہوا اور مغلیہ سلطنت کے زوال و انحطاط کے بعد  
 تک بحال رہا۔ مکتب کا مفہوم یہ ہے کہ محلے میں کوئی تعلیم یافتہ فرد اپنے ذاتی  
 مکان میں یا کرائے کے مکان میں ایک مدرسہ کھول لیتا تھا جس میں لوگ  
 اپنے لڑکوں کو بغرض تعلیم بھیجا کرتے تھے۔ معلم کا ذریعہ معاش انہی اطفال  
 کی امداد پر منحصر تھا۔ بعض اوقات مشترکہ تعلیم کا انتظام مساجد میں بھی ہوتا  
 تھا۔ مسلمانوں میں مساجد ہمیشہ علم و تعلیم کی اشاعت کا ذریعہ بنی رہی ہیں ہندوؤں  
 نے جب فارسی کو اپنایا تو وہ اپنے مسلمان ہم کتبوں کے ساتھ مساجد میں بھی

تعلیم حاصل کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ فارسی کے مکاتب عام حالات میں مسلمان "میاں جی" اور بعض صورتوں میں "ہندو معلموں" کے زیر ہدایت چلتے تھے۔ خورشید جہاں نما کچھلی صدی کی ایک تصنیف ہے، کا بیان ہے کہ بنگال میں انگریزوں کی حکومت کی ابتدا میں بے شمار مدارس اور مکاتب عربی فارسی تعلیم کے لیے موجود تھے۔ جب انگریز ہندستان میں اچھی طرح سے جم گئے تو انہوں نے اپنی تعلیمی پالیسی پر غور کیا پہلے پہل تو ایک عرصے تک وہ ہندوستانیوں کی تعلیم کے مخالف رہے۔ تاں بعد وارن ہسٹنگز کے زیر ہدایت ان کا مسلک یہ تھا کہ ہندستان میں فارسی عربی، سنسکرت تعلیم کو رواج دینا چاہیے۔ چنانچہ وارن ہسٹنگز نے کلکتے میں "مارسہ عالیہ" قائم کیا اور سنسکرت کی تعلیم کے لیے ولیم ڈکنسن نے بنارس میں سنسکرت کالج کا افتتاح کیا۔ اس سلسلے میں اگر ہ کالج اور دہلی کالج کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہو جس سے بے شمار ہندو مسلمان مصنف نکلے۔ ان سب کالجوں کو سرکاری امداد ملتی تھی۔ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے تعلیمی پالیسی کا رخ تبدیل کر دیا تھا اور فارسی سنسکرت کی بجائے ہندستان میں انگریزی تعلیم کی ترویج ضروری قرار دی گئی۔ یہی نہیں بلکہ ۱۸۳۳ء کے قریب فارسی زبان کی کاروباری حیثیت کو بھی مٹا دیا گیا اور دفاتر میں فارسی کی جگہ انگریزی کو دخل حاصل ہو گیا۔

**نصاب تعلیم** فارسی کی ابتدائی تعلیم میں بول چال، خط و کتابت اور اخلاقی نصاب تعلیم حکایات کی کتابیں ہوتی تھیں مثلاً پنہ نامہ عطار، کریم، مایقماں،

دستور الصبیان، نصاب الصبیان، اخلاق محسنی وغیرہ

شمانوی تعلیم کے لیے گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا، انشائے خلیفہ، انشائے مادھورام، سہ نثر ظہوری، پنج رقم، اخلاق ناصری، بہار دانش، انوارہی، سکندر نامہ، شاہ نامہ وغیرہ

بندرا بن واس خوشگوا اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ "میں اور لالہ حکیم چند ندرت ایک دوسرے کے مخلص دوست تھے اور دونوں میاں محمد عابد کے پاس اخلاق ناصری پڑھا کرتے تھے۔

چندر بھان برہمن اپنے فرزند خواجہ تیج بھان کو ایک مکتوب میں گلستاں، بوستاں، اخلاق جلالی اور اخلاق ناصری کے دائمی مطالعے کی سفارش کرتا ہے۔ یہی مصنف اپنی کتاب چارچمن میں اس مسئلے پر زیادہ تفصیل سے بحث کرتا ہے۔ ہم اس اقتباس کو یہاں درج کرتے ہیں:-

"چوں در آغاز حال پاس بعضے از شرائط در تہذیب الاخلاق مطلوب ست۔ می باید کہ پیوستہ گوش بر سخاں بزرگاں نہد و مطابق آں عمل نماید و مطالعہ اخلاق ناصری و اخلاق جلالی و گلستان و بوستاں دست مایہ وقت خود ساختہ یک لحظہ از حصول سعادت علم با عمل غافل نباشد۔ اگرچہ اصل مطلب در قابلیت ظاہر ربط کلام متانت عبارت است اما حسن خط اعتبار دیگر دارد و بوسیہ ایں جا در مجلس بزرگاں تو اس یافت آں فرزند عزیزز کوشش نماید کہ در ہنر فائق گردد و بایں حال اگر سیاق و نزیندگی نیز حاصل شود بہتر و خوب تر خواهد بود۔ چہ منشی سیاق داں کم بہم مے رسد و سیاق داں منشی کمتر مے باشد و اگر در شخصے ہر دو ہنر جمع شود نادر است، و نو، علیٰ نور۔ منشی ہمان ست کہ رازدار باشد و نو زیندہ ہماں کہ نیک ذات است کمتر ہنر بندگان کہ در سلک نشیان آستان خلافت نشان منظم ست اگرچہ جائے بشریت و غفلت خالیست آا در رازداری با صد زبان ہنچو غنچہ بستہ دہاں است۔ اگرچہ علم فارسی

دستگاہ بسیار دارد و احاطہ جمع اش از حد بشریت متجاوز لیکن اولاً  
 بجهت افتتاح البواب سخن بطریق تین مطالعہ گلستاں و بوستاں  
 و رقعات ملاجائی از ضروریات است و چون تقدیر شعور بہم رسد  
 خواندن کتب اخلاق مثل اخلاق ناصری و اخلاق جلالی و مطالعہ  
 توارخ سلف مثل حبیب السیر و روضۃ الصفا و روضۃ السلاطین  
 و تارخ گزیدہ و تارخ طبری و ظفر نامہ و اکبر نامہ و امثال اس ضرورت  
 کہ ہم متانت لبخ می رسد و ہم اطلاع بر احوال جهان و جہانیاں  
 حاصل شود و در مجالس و محافل بکار می آید و از دیوانہا و مشوہیاے  
 از ادب و دان روزگار کہ این نیازمند در غنفوان شباب مطالعہ نمود  
 اسامی گرامی طبقہ والا را در ذیل این رقیمہ مرقوم می سازد تا این فرزند  
 بقدر فرصت ہر چہ تواند از تصانیف این بزرگان مطالعہ نماید تا برکت  
 و فرستہ و ایہ استعلاہ حاصل گردد و سرشتہ سخن بدست افتد  
 حکیم سنائی، ملا روم، شمس تبریز، شیخ فرید الدین عطار، شیخ سعدی،  
 خواجہ حافظ، شیخ کرمانی، ملا جامی و دیگر شعرا و بلغائے مشہور روزگار  
 مثل سر دفتر شاعر روزگار ملا روم کی، حکیم قطران، عسجدی، عنصری،  
 فردوسی، فرخی، ناصر خسرو، جمال الدین عبدالرزاق، کمال اسمعیل،  
 خاقانی، انوری، امیر خسرو، حسن دہلوی، ملا جامی، ظہیر فاریابی،  
 کمال خجندی، (نظامی) عروضی، سمنانی، بختیاری، عبدالواسع جلی،  
 مرکن صابین، محی الدین (؟)، مسعود بک، فرید الدین (؟)، عثمان  
 مختاری، ناصر مختاری، ابن یمن، حکیم سوزنی، فرید کاتب، ابوالعلاجی،  
 ازرقی، فلکی سودائی، بابا فتاحی، خواجہ کرمانی، آصفی، ملا بتائی، ملا عطاء

فغانی، خواجہ عبید زاکانی، بساطی، لطف اللہ حلوانی، رمشید  
 دلوٹا، ایشور سیکتی، اشبرادمانی - واضح ضمیر پند پریر فرزند ٹیکوکار  
 بادکہ چون در غنفلوان حال خاطر از مطالعہ کتب متقدمین فی الجملہ  
 فراغ یافت طبع سخن دوست رامیل بسنخان متاخرین بہم رسید  
 تا آں کہ شروع در بہم رسانیدن دیوانہا و مثنویہا بمروارایام نسخہ بسیارے  
 بدست آورد و بعد از مطالعہ ایشان بشاگرداں دادا زان جملہ اسامی  
 بعضے از ارباب سخن این است - اہلی، ہلالی، محشم، وحشی، قاضی نور  
 نرگس، محفی امیدی، میرزا قاسم گوئہ آبادی، ملا زبانی، پرتوی، جیرانی،  
 حسابی، صبری، ضمیری، رشکی، حسانی، ہلاکی، نظیری، نوعی، ناظم نیا،  
 میر حیدر، میر معصوم، نظیر، مشہدی، ولی دشت بیاضی و دیگر  
 ارباب سخن و اہل طبع کہ صاحب دیوان و مثنوی اند و اظہار تفصیل  
 اسامی آنہا دریں نسخہ مختصر گنہائش ندارد۔

(چارچمن قلمی ورق ۶۲ تا ۶۵)

اعلیٰ تعلیم کے لیے ضروری ہوا کرتا تھا کہ طالب علم ایسے مقامات کا سفر کریں  
 جہاں خاص طور پر نامور استاد مقیم ہوں۔ اعلیٰ درجے کے طالب علم صرف و نحو،  
 عروض، قافیہ، منطق، شعر و شاعری کے علاوہ عربی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔  
 اگرچہ ہندوؤں میں عربی تعلیم کا رواج کم تھا مگر بعض شوقین طالب علم عربی  
 بھی حاصل کرتے تھے۔ کچھ سنسکرت غیوری نے تحریر اقلیدس بشرح چغنی وغیرہ  
 کو نہایت خوش اسلوبی سے ازبر کیا تھا۔ ملاحظہ ہو مخزن الغرائب، چغنی نرائین  
 دہلوی منطق اور فلسفہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ اٹھارھویں صدی میں حساب وغیرہ  
 کی طرف بہت توجہ ہوئی چنانچہ دیوان کا بھی، رتن سنگھ زخمی، منوالال، بھجولال،







خوشخطی کا نمونہ - مشق نرائنداس

تمکین وغیرہ حساب کے اچھے خاصے ماہر تھے۔ اس زمانے میں فلسفے اور طب کو بھی بہت زیادہ رواج ہوا۔ زن سنگھ زخمی، میرزا محمد حسن قتیل (سابق دیوالی سنگھ) منوال فلسفی فلسفے میں بہت نام آور ہوئے۔

انشاء، سیاق اور خوش خطی | لیکن سلطنتِ مغلیہ میں ہندوؤں نے سب سے زیادہ جس چیز کی طرف توجہ کی وہ انشاء، سیاق، وقایع نگاری اور خوش خطی تھی۔ یہ علوم و فنون حکومت کے کاروبار میں مدد و معاون ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں نے ملازمتِ پیشہ گروہ ہونے کی حیثیت سے انہی فنون کو زیادہ اپنایا۔ شاعری، تاریخ اور ادبِ فضیلت کے نشانات تھے اور ہر تعلیم یافتہ شخص کچھ نہ کچھ فکرِ سخن کرتا تھا۔ وارستہ سیالکوٹی نے بہت کم شعر لکھے ہیں مگر پھر بھی تخلص موجود ہے چونکہ یہ لوگ بادشاہوں کے پاس ملازم ہوا کرتے تھے اس لیے وقایع نگاری اور تاریخ نویسی کے مواقع ان کے لیے بہت آسان تھے۔ خوش خطی مشرق میں علوم کی اشاعت کا ایک بہت بڑا سبب رہی ہے۔ علی الخصوص مسلمانوں نے اس فن کو بہت ترقی دی جیسا کہ آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب ”مسلمانوں کی مصوری“ میں بیان کیا ہے۔ ہندوؤں نے بھی خوش خطی میں کمال پیدا کیا اور تذکرۂ خوش نویسوں میں کم و بیش اعلیٰ خوش نویسوں کے حالات درج ہیں۔ غرض انشاء، خط و کتابت، سیاق، تاریخ اور خوش خطی ہندوؤں کے نصابِ تعلیم کا ایک ضروری جزو ہوتا تھا۔ منشی سُبَّان رائے بٹالوی خلاصۃ المکانیب کے دیباچے میں لکھتا ہے:-

”چوں اکثر اوقات بعض مکتوب نویسی کہ عبارت از منشی گری

بودہ باشد۔ بملازمت صاحبانِ دولت و اقبال و ناظرانِ ملک و

مال بسر بردہ، بنا براں فرزندانِ کمترین بندگاں، نیز طریقہ نوکری

انار اللہ برہانہ جہت تلاش معاش وارد شاہ جہان آباد شد و در شہر  
کہنہ محلہ وکیل پورہ رخت اقامت انداختہ بوکالت امرای عظام بادشاہی  
وکالت ناظم صوبہ کابل سرفرازی داشت نشی موئی الیہ در آیام طفولیت  
کتب متداولہ فارسی کہ راج تدریس اطفال انداز مولانا کئے شیخ محمد براوردہ  
غنیست نگاہی دیدہ سواد خود را روشن ساخت و در سن دروازہ سالگی  
متوجہ تحصیل رسائل عروض و قوافی و اصلاح غزل گشتہ در خدمت  
قدوہ فصحا و زبیرہ بلغا سخن گو و سخن دان سراج الدین علی خاں از  
علوم مذکورہ و ذخایر اندوختہ مستثنائے روزگار شد و مختصرات صرف  
و نحو را از طیک چند متخلص بہ بہار خواندہ مایل بدیدن کتب طب  
کہ از ضروریات انسانیت گشتہ و عمرے در خدمت اطبائے دارالخلافہ  
مشغول نسخہ نویسی بودہ مدت دروازہ سال بمشق معالجہ اغنیا و غربائے  
دہلی پرداخت ..... الخ

مذکورہ نشتر عشق میں سبقت لکھنوی کا حال یوں لکھا ہے:-

”سکھراج نام از قوم کا تیجہ انا دوست اکثر آبائے اوبلازمت  
عمدۃ الملک نواب اسرار اللہ خاں وزیر اعظم عالمگیری بودند۔ در خوش  
کلامی و تحصیل صرف و نحو و منطق و بیان و معانی و معما و تاریخ و  
صنائع و بدائع و حساب و طب و اصطلاحات و تحقیق مسائل صوفیہ  
گوئے سبقت رلود و از میرزا عبدالقادر بیدل اصلاح مے گرفت“

..... الخ

ہندو اساتذہ | یہ تو ظاہر ہے کہ مکاتب میں مسلمان استاد ہوا کرتے تھے اور ہندو  
مسلمان بچے سب آشتی اور یکا گمت کے ساتھ استاد جی سے

را موروٹی تصور نمودہ و سلیقہ منشی گری از فنون دیگر بہتر دانستہ  
تجصیل و تکمیل فن انشا تقید دارند“ (قلمی ورق ۳)

چونکہ فارسی تعلیم بجائے کسی روحانی فائدے کے معاش کی خاطر حاصل کی جاتی تھی اس لیے عام لوگ اپنے بچوں کو بہترین تیار بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ استاد جی کے پاس فراہمین و مراسلات کا ایک ذخیرہ وافر موجود رہتا اور طالب علم اکثر صورتوں میں ان نمونوں کو حفظ کر لیتے۔ انشائے خلیفہ اس سلسلے میں بہت مقبول رہی ہے۔ درجہ وسطی (یثانیہ) کے بعد لوگ ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ملازمت کے لیے بڑا موقعہ موجود رہتا تھا۔ بعض اوقات موروٹی حق کی بنا پر ملازمت جلد مل جاتی تھی ورنہ ایک شخص معمولی متصدیوں میں شامل ہو جاتا تھا اور پھر ترقی کرتے کرتے دیوان یا دستور جیسے رتبہ عالی تک پہنچ سکتا تھا۔

ہمسہ داں بننے کا دستور | جو لوگ علم کے زیادہ شائق ہوتے تھے وہ بڑے بڑے علمی مراکز کی طرف متوجہ ہوتے اور بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے، شعر و شاعری میں اصلاح لیتے، وہ ادب اور شعر کا ذوق جو بزرگوں کے فیض صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا پیدا کرنے کی کوشش کرتے جیسا کہ مشرق میں رواج ہے۔ بیک وقت شاعر، ادیب، مؤرخ، فلسفی، منشی، تیار اور کیا کچھ نہ ہوتے۔ ہم ذیل میں منشی لچھمی نرائن دسیر کجادی کے حالات جو رقعات کے دیباچے میں مرقوم ہیں درج کرتے ہیں تاکہ اس زمانے کی تعلیم کا سرسری سا اندازہ ہو جائے۔

”قوم کھتری، موطن اصلی او قصبہ کجہا از مصافات دارالسلطنت

لاہور است۔ رائے جسونت رائے جدا مجدش در عہد عالمگیر بادشاہ

انار اللہ بہانہ جہت تلاش معاش دارد شاہ جهان آباد شد و در شہر  
 کہنہ محلہ وکیل پورہ رخت اقامت انداختہ بوکالت امرای عظام بادشاہی  
 وکالت ناظم صوبہ کابل سرفرازی داشت نشی موئی الیہ در آیام طفولیت  
 کتب متداولہ فارسی کہ راج تدریس اطفال انداز مولانا کے شیخ محمد براؤزادہ  
 غنیمت نگاہی دیدہ سواد خود را روشن ساخت و در سن دروازہ سالگی  
 متوجہ تحصیل رسائل عروض و قوافی و اصلاح غزل گشتہ در خدمت  
 قدوہ فصحا و زبدہ بلغا سخن گو و سخن داں سراج الدین علی خاں از  
 علوم مذکورہ و ذخایر اندوختہ مستثنائے روزگار شد و مختصرات صرف  
 و نحو را از طیک چند متخلص بہ بہار خواندہ مایل بدیدن کتب طب  
 کہ از ضروریات انسانیت گشتہ و عمرے در خدمت اطبائے دارالخلافہ  
 مشغول نسخہ نویسی بودہ مدت دروازہ سال بمشق معالجہ اغنیا و غربا کے  
 دہلی پرداخت ..... الخ

مذکورہ نشہ عشق میں سبقت لکھنوی کا حال یوں لکھا ہے:-

”سکھراج نام از قوم کا تیھ انا دوست اکثر آبائے اوبہلازمت  
 عمدۃ الملک نواب اسرار اللہ خاں وزیر اعظم عالمگیری بودند۔ در خوش  
 کلامی و تحصیل صرف و نحو و منطق و بیان و معانی و معما و تاریخ و  
 صنائع و بدائع و حساب و طب و اصطلاحات و تحقیق مسائل صوفیہ  
 گوئے سبقت رلود و از میرزا عبدالقادر بیدل اصلاح مے گرفت“

..... الخ

ہندو و اساتذہ | یہ تو ظاہر ہے کہ مکاتب میں مسلمان استاد ہوا کرتے تھے اور ہندو  
 مسلمان بچے سب آشتی اور یکا گمت کے ساتھ استاد جی سے

اخذ علم کرتے تھے مگر اکثر مثالیں ایسی بھی ہیں جن میں ہندو معلم ہوتا تھا ہندوؤں کے حالات میں ایسے بے شمار لوگ مل جائیں گے جن کا پیشہ معلمی ہوتا تھا اور وہ شہر یا گاؤں کی تعلیم کے علمبردار ہوتے تھے۔ لالہ جتئی لال ڈوڑہ اٹھارھویں صدی کے ایک مشہور معلم تھے جن کے مکتب میں ہندو مسلمان طالب علم پڑھا کرتے تھے۔ مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم کے اُستاد فارسی منشی سوہن لال تھے۔ رائے سرب سنگھ دیوانہ جعفر علی حسرت کے اُستاد تھے (یہ حسرت قلندر بخش جرأت کے اُستاد تھے) گزشتہ صدی کے اوائل میں اکثر ہندو اہل علم پیشہ معلمی اختیار کر لینے کی وجہ سے اُستاد کہلانے لگ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچمن نے ترجمہ آئین اکبری ص ۳۵۱) کہا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ہندو فارسی زبان میں مسلمانوں کے استاد بن گئے تھے۔

**چند نامور اساتذہ** | آج کل جو کام اعلیٰ درجے کے کالجوں سے لیا جاتا ہے وہی کام چند نامور اساتذہ زبردست علمی شخصیتوں سے لیا جاتا تھا۔ ان بزرگوں کے

گھراہل علم کے مجھے ہوتے تھے بنا یقین علم اطراف و اکناف سے اُن کے پاس جمع ہوتے اور اُن سے کسب فیض کرتے اس زمانے کی تعلیم کا حال ان بزرگ شخصیتوں کے ذکر کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ ہمیں تمام اساتذہ کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف شعرا کے حالات میں ان کے استاد کا ذکر آ جاتا ہے اس لیے ہم ذیل کے بیان میں ایک دو شخصیتوں کے علاوہ صرف اکابر شعرا کا ذکر کریں گے اور ان کے ساتھ ان ہندو شعرا کو بھی گنائیں گے جنہیں ان سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اس تطویل سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ تعلیم کا تصور زیادہ وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہو جائے۔ عہد شاہ جہانی میں شمالی ہندستان میں ملا عبدالحکیم یا لکھنوی

ایک بہت بڑے عالم تھے جن کے سامنے زانوے ادب تہ کرنے کے لیے دُور دراز سے لوگ آتے تھے۔ خلاصۃ التواریخ کا مُصنّف جس نے سلاطین میں اپنی کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ لکھتا ہے کہ سیالکوٹ کا شہر مولانا عبدالحکیم اور ان کے فرزند مولانا عبداللہ کے طفیل علمی اعتبار سے بہت ممتاز تھا۔ ہمارے ہندو مُصنّفین میں سے نسی چندر بھان برہمن اُن کے ایک ممتاز شاگرد ہیں۔ یہ وہی برہمن ہیں جنہیں شاہ جہاں پیار سے ”ہندوئے فارسی داں“ کہا کرتا تھا۔ عملِ صالح کے مُصنّف محمد صالح کا بیان ہے کہ برہمن نے ابتدائی تعلیم ملا عبدالحکیم سے حاصل کی تھی۔ اسی زمانے میں ملا شاہ بدخشی بھی مرجع خاص و عام تھے۔ برہمن اور بڑالی داس ولی دونوں نے اس چشمہ معرفت سے پیاس بجھائی ہے۔ ولی کا متصوفانہ لٹریچر غالباً اسی بزرگ کے طفیل ہے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ولی، برہمن، ہندو وغیرہ شعراے عہد شاہ جہانی نے شعر و سخن میں کس کس استاد سے اصلاح لی تھی۔

اورنگ زیب کے عہد میں شیخ محمد افضل سرخوش جنہوں نے تذکرۂ کلمات الشعرا لکھا ہے استاد گُل خیال کیے جاتے تھے۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا فلسفی شاعر بھوپت رائے بیراگی اسی سرخوش کا شاگرد تھا۔ ان کے علاوہ بنارہا بن داس خوشگو کو بھی انھی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

اس کے بعد جو زمانہ آیا اُس میں شعرا میں دو ممتاز شخصیتیں معرض وجود میں آئیں۔ میرزا عبدالقادر بیدل اور شیخ سراج الدین علی آرزو۔ بیدل متاخرین شعرا کے امام مانے جاتے ہیں ان کے ساتھ ہندستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے بعد جننے لوگ آئے ہیں تقریباً سب نے اُن کا تتبع کیا ہے۔ اسد اللہ خاں غالب بھی باوجود اپنی جدّت طبع طرز بیدل کے مُقلد

تھے۔ میرزا بیدل کے سینکڑوں ہندو مسلمان شاگرد تھے۔ ان کے دارالترتیبیت سے جن اکابر ہندو شعرا نے فیض حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں: منشی امانت رائے امانت، شورام حیا، سکھ راج سبقت، سری گوپال تملیر، حضوری اور ندرت وغیرہ۔

تقریباً اسی زمانے میں امام المتاخرین سراج الدین علی خاں آرزو بھی وار و شاہ جہاں آباد ہوئے۔ آرزو فنی شعر سے کہیں زیادہ زبان دانی میں کمال رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کی تنقید آپ پر ختم تھی۔ خان آرزو کی ذات اس عہد میں اپنی علمیت کے باعث دوست دشمن سب پر تسلیم تھی۔ یایوں سمجھیے کہ اس زمانے میں ایک طالب علم اپنے آپ کو علم و ادب میں کامل نہ سمجھتا تھا تا وقتیکہ وہ کسی نہ کسی وقت خان آرزو کے حلقہ درس میں شریک نہ ہوا ہو۔ خان آرزو بھی اپنے تلامذہ کے ساتھ بے حاشیافت کا اظہار کرتے تھے۔ خان آرزو نے مجمع نفایس میں اپنے جن شاگردوں کے حالات دیے ہیں وہ یہ ہیں:-

بابو بالکند شہود، پنڈت جگر کش عشرت، رائے اندرام مخلص، بندارن اس خوشگو ان کے علاوہ ٹیک چند بہار کو بھی ان سے نسبت تلمذ حاصل ہے۔ یہ یاد رہے کہ بہار نے ایک جامع لغت لکھی ہے جو فارسی زبان کی سب سے بڑی اور مستند لغت ہے۔ اس میں بہار نے اپنے استاد خان آرزو کے اقوال پر بھی نکتہ چینی کی ہے۔ چنانچہ خان آرزو اپنی تصنیف ”مثمر“ (قلمی ورق ۱۲۴) میں لکھتے ہیں:-

”و بہار عجم وغیرہ کہ از یاران فقیر آرزو دست و مثل او دریں عصر بہم نرسیدہ و دریں کتاب گلہ ہے با وصل ست و گاہے جنگ

بسیار“

اس زمانے میں بعض اور ممتاز ہستیاں بھی موجود تھیں مثلاً شرف الدین بیام



میرزا عبدالغنی بیگ قبول، میرزا گرامی حکیم حسین شہرت، سعد اللہ گلشن لیکن خان آرزو ان سب کے نام تھے۔ ان اکابر میں سے ہر ایک کے سلسلہ درس میں ہندو شعرا موجود تھے۔ سیالکوٹ میں میر محمد علی رائج استاد دی کا درجہ رکھتے تھے۔ مشہور محقق و آرتھ سیالکوٹی ابھی کا شاگرد تھا۔ کاشن چند اخلاص اور نشاۃ میرزا عبدالغنی بیگ قبول کے شاگرد تھے۔

سادون لال بیدار، سرب سکھ خاکسرا اور ثروت منظر جان جاں کے شاگرد تھے۔

ان کے علاوہ اکابر اساتذہ میں سے میرزا فاخر کلیں، میر افضل ثابست، مقیم آزاد کشمیری، میر غلام علی آزاد بلگرامی، شیخ علی حزیں استاد گل مانے جاتے تھے۔ میرزا فاخر کے ایک شاگرد رشید موہن لال انیس نے ایک تذکرہ انیس لاجبا کے نام سے لکھا ہے جس میں میرزا کے تمام ہندو مسلمان شاگردوں کے حالات دیے ہیں۔ راجا رام نراین مہذول شیخ محمد علی حزیں کے شاگرد تھے۔ شفیع اورنگ آبادی کو آزاد بلگرامی سے نسبت ملتی تھی۔

سکھوں کے عہد میں پنجاب میں مولانا نور احمد صاحب چشتی ایک فاضل اجل تھے جنہوں نے تحقیقات چشتی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اکثر ہندو اُن کے شاگرد تھے۔ دیوان امر ناتھ اکبری مصنف طفر نامہ رنجیت سنگھ اُن کا شاگرد تھا۔ پچھلی صدی کے اکابر اساتذہ کے حالات زیادہ معلوم نہ ہوئے۔ میرزا غالب، میرزا محمد حسن قتیل اور میرزا ہر گوپال تفتہ سے پہلے میاں نور العین واقف بٹالوی مشہور شعرا میں سے تھے جن سے اکثر ہندو شعرا نے تربیت حاصل کی

مسلمان اساتذہ کی ہندو شاگردوں پر شفقت | ہم نے اساتذہ کا جو حال بیان کیا ہے وہ

سرسری ہو اس کا مقصد جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے صرف یہ ہے کہ ہندو اہل قلم اور مسلمان اُستادوں کے باہمی تعلقات کا کچھ اندازہ ہو سکے آج جب کہ ہندستان کے طول و عرض میں ہندو اور مسلمانوں میں یک گونہ مغائرت پائی جاتی ہے یہ بیان شاید تعجب انگیز ہو لیکن پُرانے زمانے کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان ایک بہشت تھا جس میں ہندو مسلمان برادرانہ زندگی بسر کرتے تھے ان کے مکاتب آج کل کی طرح جُدا جُدا نہ تھے بلکہ سب کی تعلیم یکجا ہوتی تھی اُستاد کو اپنے ہندو شاگرد کی تعلیم کا اُسی طرح خیال تھا جس طرح مسلمان شاگرد کی بہبود کی فکر حالات یہیں بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندو مسلمان کی چنداں تمیز نہیں تھی، ایک اخوت تھی، برادرانہ تعلقات تھے، مودت اور گانگت تھی اور آج جو لکھی ہندستان میں پائی جاتی ہے اس کا نام و نشان بھی موجود نہ تھا۔

**حقیقت رائے کا افسانہ** | اس سلسلے میں یہ عرض کرنا بے حد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان کے بعض حلقوں میں حقیقت رائے

کے افسانے کو جو ترویج و اشاعت حاصل ہو رہی ہے۔ اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ڈاکٹر گوگل چند نارنگ نے اپنی کتاب "ٹرانسفارمیشن آف دی سکھ" میں اس موجد افسانے کو تاریخی رنگ دینے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں اطمینان ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ان کا بیان ہے کہ "اس قصے کا ذکر انگریز مورخین نے نہیں کیا صرف ملک راج بھٹہ جو موجودہ عہد کے ایک پنجابی مُصنّف ہیں اس حکایت کو بیان کرتے ہیں اور اس زمانے کے ایک پنجابی شاعر ملکھی رام نے اس کو منظوم کیا ہے" اور بس۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے سو اُسے منشی سوہن لال مصنف عمدۃ التوارخ کے جو خود مہاراجا رنجیت سنگھ کے قائل نہیں تھے فارسی مورخین میں کسی نے اس افسانے کا ذکر نہیں کیا یہ واقعہ بقول ڈاکٹر

نارنگ صاحب محمد شاہی عہد میں وقوع پذیر ہوا ہے لیکن اس کے بعد بے شمار مؤرخین نے مستند تاریخی کتابیں لکھی ہیں۔ ان سب کی خاموشی یہ کہ رہی ہے کہ اس افسانے کی کوئی اصل نہیں اور موجودہ عہد کے خود غرض لوگوں نے اس کو خاص مقاصد سے رواج دیا درنہ حقیقت میں "حقیقت رائے" کا قصہ بے حقیقت ہے۔

حقیقت رائے کا قصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان استاد نے سیالکوٹ کے شہر میں حقیقت رائے پر اسلام کے متعلق ہتک آمیز الفاظ کہنے کے عوض قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا تھا جس پر قاضی نے اس کو پھانسی کی سزا دے دی۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندو شاگردوں اور مسلمان اساتذہ میں جس قسم کے تعلقات قائم تھے وہ آج موجود نہیں۔ مسلمان استاد اپنے شاگرد کا روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے اس کی بہبود و رفاہ کا دل سے خواہش مند ہوتا تھا اور تلمیذ استاد کو اب روحانی خیال کرتے ہوئے عزت و احترام کے تحفے اُس کے قدموں پر نچھاور کرتا تھا۔ ذیل میں ہم بعض اقتباسات مسلمان اساتذہ اور ہندو شاگردوں کے متعلق لکھتے ہیں:-

خان آرزو جمع النفائس میں اپنے ہندو شاگردوں کے متعلق لکھتے ہیں:-  
 شہوہ تخلص جولنے است مہذب، مودب از قوم کا لیستہ۔  
 آبا و اجدادش ہمیشہ درس زرین بنگالہ و بہار بعدگی امتیاز داشتند  
 بوساطت خط عزیز القدر خوشگو با فقیر آرزو ملاقات نمودہ۔ نیلے  
 حدید الفکر و جید الطبع بنظر آمد۔ ہنوز اول مشق ست اگر مساعت  
 روزگارش دست و ہد امید است کہ بیایہ اعلیٰ برسد انشا اللہ  
 تعالیٰ ..... الخ

عشرت :- از براہمہ کشمیر ست ۔ خیلے جوان لہے است ۔ خدا از چشم  
 مردم خودش نگاہ دارد، بے چارہ مرد غریب با وفا کے ست ۔۔۔ الخ  
 خوشگلو :- " از مدت بیت و پنج سال تخنیںا بایں ہمچہ پدان ربط کلی  
 بہم رسانیدہ وایں عاجز ہم در تر بیت او بتقصیر از خود راضی نشدہ  
 و نیست "

اندرام مخلص کے تعلقات خان آرزو کے ساتھ دوستانہ بھی تھے اور  
 مرتبہ یہ بھی ۔ خان آرزو لکھتے ہیں :-

" چھتری خوش اخلاق باعث بودن فقیر آرزو در شاہ جہان

آباد دہلی اخلاص دوست "۔۔۔۔۔ الخ

تذکرہ نشتر عشق میں لکھا ہے، کہ "چوں در ۳۲ھ (آرزو)

در دار الخلافہ شاہ جہاں آباد وارد شد۔ اور با اندرام مخلص اتفاق

مصاحبت افتاد۔ بنا سبت طبع و حق آشنائی برائے خان مشاڑ الیہ

جائگہ و منصب و خطاب استعداد خانی از حضور حضرت جہاں بانی

حاصل نمود۔ نیز خدمت گزار تی خان موصوف از خود مے نمود "

بندر ابن داس خوشگلو نے ایک تذکرہ لکھا ہے جس کا نام سفینہ ہے۔

اُس میں وہ جہاں کہیں خان آرزو کا نام لیتا ہے "خان صاحب قباۃ نیازمنداں"

کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اندرام مخلص کے رفعات سے بھی انتہائی خلوص اور

عقیدت کا پتا چلتا ہے جو اُسے خان آرزو سے تھی۔

ہندو شاگردوں کی عقیدت | شفیق اور نگ آبادی کو اپنے اُستاد آزا دگرابی  
 سے کمال عقیدت مندی تھی اور جہاں

کہیں تالیفات میں اُن کا ذکر آیا ہے اُن کا نام بڑے ادب و احترام اور خلوص

وارادت سے کیا ہے اور ہر جگہ انھیں ”میر صاحب قبلہ“، ”پیرو مرشد“ یا ”قبائے و کعبہ برحق“ اور اپنے آپ کو ”غلام“ لکھا ہے۔ گل رعنا رجوشا عروں کا تذکرہ ہے میں اس نے آزاد کا تذکرہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ اپنے کلام میں جا بجا حضرت کے کمال اور ان کے تعلقات و عنایات کا ذکر کیا ہے۔ ایک پُر زور قصیدہ ان کی مدح میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

سرور ہر دو جہاں آزاد ہے      والیے کون و مکاں آزاد ہے  
گنت کنزِ اُکے معانی پر خبر      واقفِ ستر نہاں آزاد ہے  
مرکزِ ادوارِ چرخِ چنبری      قطب الاقطابِ زماں آزاد ہے  
ایک فارسی غزل کے اشعار یوں ہیں:-

لا مکان است مقامِ آزاد      فوقِ عرشِ ست غرامِ آزاد  
صاحبِ ہر دو جہاں است شفیق      ہر کہ گردید غلامِ آزاد  
ہم خوفِ طوالت سے شفیق کی تالیفات میں سے زیادہ مثالیں نہیں  
پیش کر سکتے۔ ورنہ اس کی بہت سی غزلیں ایسی موجود ہیں جن کے ہر ہر حرف  
سے ارادت و عقیدت کے جذبات مقرر ہو رہے ہیں۔

اسد اللہ خاں غالب اور نشی ہر گوپال تفتہ کے تعلقات بے حد گہرے  
تھے۔ میرزا غالب ہر گوپال کو از رہِ شفقت میرزا تفتہ کہا کرتے تھے اُردوئے معلیٰ  
میں میرزا کے بے شمار خطوط تفتہ کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں۔ میرزا کو  
تفتہ سے بے حد محبت تھی اور تفتہ بھی اپنے اُستاد پر جان چڑھتے تھے۔  
اُردوئے معلیٰ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ناداری کے ایام میں تفتہ  
میرزا غالب کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے چنانچہ لکھا ہے:-

”سو پڑی کی ہنڈی وصول کر لی۔ چو میں پڑی داروغہ کی

معرفت اٹھے تھے وہ دیے، پچاس پڑھل میں بھیج دیے، باقی  
چھبیس رہے وہ کبس میں رکھ لیے... خدا تم کو جیتا رکھے اور  
اجر دے۔“ (راؤدوئے معلیٰ طبع مبارک علی صفحہ ۶۲)

ہندوؤں کے فارسی ادب کے مختلف ادوار | ہندوؤں کے فارسی لٹریچر  
کو چار ادوار میں تقسیم کیا

جاسکتا ہے۔ پہلا دور عہدِ اکبری سے شروع ہوتا ہے جس میں تصانیف کی ابتدا  
ہوئی اس زمانے میں تصنیفی قابلیت کی کمی کی وجہ سے بہت کم کتابیں لکھی  
گئی ہیں۔ دوسرا دور جہانگیر کے سن جلوس سے لے کر شاہ جہانی عہد کے اوائل  
بلکہ وسط تک امتد ہوتا ہے۔ اس زمانے میں ہندو اپنی مذہبی کتابوں کو فارسی میں  
منتقل کرتے ہیں۔ تیسرا دور عالمگیر کے زمانے سے لے کر مغلوں کے انحطاط پر  
ختم ہوتا ہے۔ یہ زمانہ بہترین زمانہ ہے اس میں تاریخ، انشا، شاعری اور دیگر علوم  
وفنون پر بے شمار اعلیٰ کتابیں ہندو اہل قلم نے لکھیں۔ اعلیٰ لغت نویس،  
فارسی کے ماہر اور قابل سیاق داں پیدا ہوئے۔ چوتھا دور مغلوں کے انحطاط  
سے لے کر آج تک ہے۔ اس دور میں بہت کتابیں لکھی گئیں لیکن بے کار تصنیف،  
تکلف اور ناقص پیروی کی خرابیوں سے مملو!

لٹریچر کی وسعت | ہندو مصنفین نے تقریباً ہر فارسی مضمون پر طبع آزمائی  
کی۔ خالص مذہبی کتابوں کے علاوہ انھوں نے تاریخ،

شاعری، انشا، ریاضیات، لغت، موسیقی، عروض، اخلاق، تراجم وغیرہ پر  
بہت ساسرمایہ ادب پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ، انشا اور ریاضی سرکاری  
دفاتر میں کاروبار کرنے والے ہندوؤں کے مخصوص علم تھے۔ وقائع نویسی، ہرالت،  
سیاق و دستور العمل انھیں عہدہ دار ہونے کے لحاظ سے تیار کرنے پڑتے

تھے۔ اس کے علاوہ بعض کام موروثی پیشے کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ لوگ جو کاروبار خود کرتے تھے اپنے بعد اسی منصب کا امیدوار بنانے کے لیے اپنے بچوں کو بھی وہی ضروری علوم سکھاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ، انشا اور سیاق بعض خاندانوں کے موروثی علوم معلوم ہوتے ہیں۔

## تاریخ

اب ہم مختلف علوم و فنون کو فرداً فرداً لیتے ہیں اور اس فن کی کتابوں کی اہمیت پر مختصراً لکے زنی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے تاریخی لٹریچر کو لیتے ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ قدیم ہندوؤں نے تاریخ سے کبھی اعتنا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے زمانے میں انھوں نے علم تاریخ و اساطیر پر کوئی کتاب مرتب نہیں کی۔ کلکتہ رپویو کے ایک مضمون نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ ہر قوم کا طریقہ تصنیف جدا ہوتا ہے اس لیے ہندوؤں کا طریقہ تاریخ لکھنے میں باقی دنیا سے جدا تھا چنانچہ ”پرانوں“ کو تاریخی کتب قرار دیا ہے اس میں شک نہیں کہ ہر قوم اپنی افتاد طبع کے مطابق مختلف علوم پر نظر ڈالتی ہے۔ ہر قوم کی انشا اور طریق تصنیف خاص ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ہر لٹریچر میں وہ عناصر ہونے چاہئیں جو ایک علم کو دوسرے علم سے ممتاز کرتے ہیں۔ عربوں اور یونانیوں کی تاریخ لکھنے کے انداز جدا جدا تھے لیکن ان میں تاریخ کو شاعری اور شاعری کو تاریخ میں مدغم نہیں کیا گیا۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ پران فلسفہ و شعر کی کتابیں ہیں نہ کہ تاریخ کی۔ سر جادوناٹھ سرکار نے صحیح لکھا ہے کہ ہندو، علوم انسانی کی اس شاخ کی جانب مسلمانوں

کی آمد کے بعد متوجہ ہوئے ہندوؤں نے مسلمانوں کی شاگردی اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں مسلمان مورخین کی خوبیاں اور بُرائیاں ہر دو موجود ہیں ہندو اس بارے میں اپنے اساتذہ کے نقشِ قدیم پر اس سختی کے ساتھ گامزن ہوئے کہ نہ صرف اندازِ تصنیف بلکہ مسلمانوں کے مخصوص محاورے اور اسلامی ترکیب اور الفاظ بھی انھوں نے بلا تامل استعمال کیے۔

ہندو جس فلسفیانہ میلان کے لیے مشہور ہیں اس کے پیشِ نظر ان سے توقع یہ تھی کہ وہ تاریخ میں اپنی اس استعدادِ ذہنی کو استعمال کریں گے اور سنین و شہور کے غیر مختتم سلسلوں کے علاوہ روزمرہ زندگی کے بے شمار نتیجہ خیز واقعات اور عام پبلک کی طرزِ بود و ماند پر بھی قلم فرسائی کریں گے لیکن افسوس کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان کی تاریخیں بھی ان خامیوں سے پر ہیں جن میں مسلم مؤرخین گرفتار تھے۔ سر جادو ناتھ سرکار کے خیال کے مطابق ہندو دیانتین نے اس دنیاے بے ثبات کے واقعات کو کبھی سنیں و شہور کے میزان میں رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہندوؤں نے تاریخ کی جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے اکثر اسی قومی رجحان و اثرات کی حامل ہیں اور ان میں واقعات کے سال اور تاریخیں بہت کم ملتی ہیں۔

اورنگ زیب کے زمانے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر بہت عمدہ ہیں۔ یہ یاد رہے کہ مغلوں کے عہدِ آخر میں ہندو کاروبارِ سلطنت میں بہت زیادہ ذخیل ہو گئے تھے اسی لیے اس زمانے میں جو کتابیں ان کے قلم سے نکلیں وہ تاریخی لحاظ سے بہت اہم سمجھی جانی چاہئیں۔ ان کی معلومات بلا واسطہ ہوتی تھیں اور چونکہ اکثر واقعات میں وہ خود شریک ہوتے تھے اس لیے



ان کے بیانات عینی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

منشی سجان رائے بٹالوی کی کتاب خلاصۃ التواریخ بہت اہم ہے، موجودہ زمانے کے اکثر فضلاء اس کی طرف خاص توجہ کی ہے شفیق اورنگ آبادی کی شہرت بلحاظ مورخ بہت وسیع ہے اور انھوں نے بعض اہم کتابیں لکھی ہیں۔ ہم ذیل میں چند اہم تاریخی کتابوں کے نام درج کرتے ہیں:-

منشی سجان رائے	مُصنّفہ	خلاصۃ التواریخ
بندرا بن داس	"	لُب التواریخ
بھیم سین	"	دل گشا
لچھی نرائن شفیق	"	تصانیف
مُنا لال	"	تاریخ شاہ عالم
زخمی	"	سلطان التواریخ
سیل چند	"	تفریح العمارات
سوہن لال	"	عمدۃ التواریخ
کرپارام	"	گلزار کشمیر
کلیان سنگھ	"	تصانیف

## تذکرے

تذکروں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:-

موجن لال امیس	مُصنّفہ	امیس الاجتا
بندرا بن داس خوشگو	"	سفینہ
شفیق	"	گل رعنا

شامِ غریباں	مُصَنَّفہ	شفیق
ہمیشہ بہار	"	انخلاص
انیس العاشقین	"	زخمی

ان میں سے سفینہ اور گلِ رعنا بہت اہم ہیں۔

## انشا

عہدِ مغلیہ میں انشا علوم کی ایک اہم شاخ سمجھی جاتی تھی۔ سر جادونا تھ سرکار اپنی کتاب "مغلوں کے نظامِ حکومت" میں لکھتے ہیں کہ مغلوں کا راج کاغذی راج تھا انھوں نے ایک منظم اور باقاعدہ "دفترِ انشا" میں معاملاتِ سلطنت کو مرکز کر دیا تھا۔ اس زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ بڑے بڑے امرا کے منشی اپنے ان خطوط و کاغذات کو محفوظ رکھتے تھے جو وہ اپنے اعلیٰ افسروں کے نام سے مختلف لوگوں کو لکھتے تھے پھر ان کی زندگی میں یا مرنے کے بعد انھیں جمع کر لیا جاتا تھا اور ترتیب کے ساتھ شائع کر دیا جاتا تھا۔ یہ مجموعے طالبِ علموں کے لیے بہت مفید سمجھے جاتے تھے۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو بطور کتبِ درسیہ پڑھائے جاتے تھے لیکن زبان کے نقطہ نگاہ کے علاوہ یہ مجموعے اس لیے بھی بے حد اہم ہیں کہ ان میں تاریخی سالہ بھی ہو۔ یہ فرامین، دستاویزیں، سندات، اور دیگر کاغذات ایک مکمل تاریخ لکھنے کے لیے بہت مفید ہیں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ تجربہ کار منشی اپنے بیٹوں کی تعلیم اور افادہ کی خاطر فرضی نمونے تیار کر دیتا تھا تاکہ لڑکے ان کی پیروی کریں۔ یہ ذخیرہ جتنا مفید ہو افسوس ہو کہ اسی قدر اس سے بے التفاتی برتی جاتی ہو۔ سر جادونا تھ سرکار نے اپنی کتاب "مغلوں کا نظامِ حکومت" میں انشادوں سے بہت فائدہ

اٹھایا ہو۔ بعض انشائیں ایسی بھی ہیں جن میں شاہانِ مغلیہ کے اہلی فرامین موجود ہیں۔

ہندوؤں کو کسی محکمے کے ساتھ امنی مناسبت نہ تھی جتنی دارالانشاء کے ساتھ تھی۔ ہندو منشی بہت پسند کیے جاتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کام میں ہشیار تھے اور ان کی خدمات ایرانی منشیوں کی نسبت ارزاں مل سکتی تھیں۔ ایرانِ نثراد منشیوں کی درآمد سترھویں صدی کے اواخر میں بوجہ سیاسی پیچیدگیوں کے بند ہو گئی تھی۔ لہذا ہندوؤں کی مانگ اور بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

بعض نامور ہندو منشی | بعض ہندو منشی مغلوں کے زمانے میں بہت مشہور ہوئے۔ ایک زادہ منشی نے اپنی کتاب "نگارنامہ" میں جن انشا پردازوں کے نام گنائے ہیں ان میں یہ ہندو منشی بھی موجود ہیں۔

چندر بھان برہمن، پنڈری داس [داراشکوہ]، اودے راج یا طالع پاد رستم خانی، گوبند چند، سنیل سنگھ [عالمگیری] ہم ان میں ایک زادہ منشی کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ منشی ہر کرن، رگھناتھ سعاد اللہ خانی، دامنی کھتری، مادھورام، لکھمی رائے دہلوی، لکھمی نرائن دہلوی، جوالا پرشاد وقار، ترن سنگھ زخمی، لکھمی نرائن دبیر، منشی سنیل داس، کالی رائے تمیر، منشی خیالی رام خیالی، اندرام مخلص، غبور سی، امر سنگھ خوشدل بھی مشہور منشیوں میں سے ہیں۔ ہمارے نزدیک برہمن، ہر کرن، مادھورام رگھناتھ خاص طرز انشا کے مالک تھے۔

اہم کتب انشا | ہندوؤں کے فارسی لٹریچر میں انشا کی کثرت ہو لیکن غیر معمولی طور پر اعلیٰ کتابیں تھوڑی ہی ہیں۔ طرز ابوالفضل کی پیروی عام منشیوں کا مابہ الاغیاء ہو لیکن منشآت برہمن "سادہ طرز میں لکھی گئی ہوں اس

کے علاوہ ذیل کی کتابیں ہندستان میں بہت مشہور ہوئیں۔

ہفت انجمن — اودی راج یا طالع یار

انشائے ہرکرن — ہرکرن

نگارنامہ منشی — اس کا دیباچہ بہت کارآمد ہے۔

گلگشت بہار رام — حیا

انشائے مادھورام — درسی کتابوں میں شامل رہی ہے لیکن اس کی طرز

بہت مشکل ہے۔

دقائق الانشا — رنجھور داس

دستور الصبیاں — بچوں کے لیے بہت مفید سمجھی جاتی ہے۔

منشآت منشی خیالی رام

آخری زمانے کی انشائیں محض لغازی، تکلف اور تصنع سے پُر ہیں اور

ان میں بہت تھوڑی کارآمد اور فائدہ بخش ہیں۔

## سیاق

علوم فارسیہ کی یہ شاخ بھی ہندوؤں میں بہت مقبول ہوئی۔ یہ حقیقت

میں امور مالی اور دیگر انتظامات حکومت سے متعلق تھی۔ برہمن نے چار جہن

میں سیاق داں منشی کی ضرورت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ کتابیں طرز حکومت

کی تشریح و توضیح کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہیں۔ قانون گو، امین، کارکن

اور دیوان سب سیاق کے ماہر ہوتے تھے۔ سیاق کی بعض اہم تصنیفات یہ ہیں۔

سیاق نامہ — — — نند رام

دیوان پندر — چھترل

منشآت منشی ————— گنیش داس  
 سراج السیاق ————— میڈولال نار  
 خزانتہ العلم ————— کانجھی

## ریاضی

ہندوؤں نے ریاضی پر کتابیں اٹھا رکھیں، انیسویں صدی میں لکھنا شروع کیں۔ جب انگریز ہیئت دانوں اور ریاضی دانوں سے زیادہ میل جول بڑھا تو انھوں نے اس سلسلے میں بہت سرگرمی کا اظہار کیا۔ یہ کتابیں اہم ہیں:-  
 مرآۃ الخلیل ————— جی موہن لال کالیستھ

بدایع الفنون ————— میدنی مل  
 زبدۃ القوانين ————— ہر سکھ راے  
 "خزانتہ العلم" کانجھی ریاضیات پر بہترین تصنیف ہے جس میں جدید علوم کے اثرات خاص طور پر نمایاں ہیں۔  
 باقی علوم طبعیہ میں اچھی مصنف زینج، فلسفی، رتن سنگھ زخمی، مرزا راجا جی سنگھ، راے بھول تلکین خاص دستگاہ رکھتے تھے۔

## شعرا

مغلوں کے زمانے میں فارسی شعر و شاعری کا بہت چرچا رہا لیکن آخری دور میں ہر تخلص رکھنے والا بھی شعرا میں شمار ہونے لگا۔ اس لیے اعلیٰ درجے کے شاعر اب پیدا نہیں ہوتے تھے۔ مرزا عبدالقادر بیدل فارسی کے آخری شاعر تھے۔ ہندو شعرا عموماً زائدہ انحطاط میں پیدا ہوئے اس لیے

ان میں بلند پایہ سخن گو بہت کم ہوئے صرف بہمن، خنص، شفیق اور ایک دواؤر نام اعلیٰ درجے کے شاعروں میں شامل کیے جاسکتے ہیں متوسط درجے کے شعرا کے نام یہ ہیں: بیکم، امانت، شفیق، خوشگو، سدانند بے تکلف، شورام جیا، حکیم چندندر، رام نراین موزوں، سرب سکھ دیوانہ، ذوقی رام حسرت، تفتہ، زخمی، امرنگھ خوشدل، صاحب رام خاموش، راجن محیط، راجا گردھر پرشاد بائی ہندوؤں نے بہت سی مذہبی مثنویاں بھی لکھی ہیں اور ان کے کلام میں پیچیدگی اور تکلف بہت ہے۔

## لغت نویس

لغت کی کتابیں اگرچہ کم ہیں لیکن ان میں بہت اعلیٰ درجے کی کتابیں موجود ہیں اور یہ پہلو ہندوؤں کے فارسی لٹریچر کا روشن ترین پہلو ہے بہار عجم، مصطلحات و آرمہ، مراۃ الاصطلاح کی قدر و قیمت غیر معمولی طور پر زیادہ ہے۔

## مترجمات

اکبر کے زمانے سے لے کر آخری زمانے تک ہندو اپنی مذہبی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرتے رہے۔ انگریزوں کے آنے کے بعد ہندوؤں نے اپنی مذہبی کتابوں کو نئے طریق سے مطالعہ کرنا شروع کیا اور مشنریوں کے الزامات کے جواب میں کئی کتابیں لکھیں۔

## خوش خطی

کتابت کے مختلف طریقوں میں سے ہندوؤں نے شکستہ خط میں خاص

کمال حاصل کیا۔ تذکرہ خوش نویساں میں جن چوڑا ہندو خوش نویسوں کا ذکر ہریان میں سے بارہا کوشکستہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ خط سرکاری کاغذات میں بہت کام آتا تھا اس لیے ہندوؤں نے اس کی جانب خاص توجہ مبذول کی۔ تاہم خط کی دوسری انواع میں بھی اچھے اچھے خوش نویس موجود تھے۔ تذکرہ خوش نویساں میں مندرجہ ذیل اسما موجود ہیں:-

چندر بھان برہمن، رائے پریم ناتھ آلام، لچھن سنگھ غیوری لچھی رام پنڈت، رائے سدھ رائے، خوش وقت رائے دانگی شاداب، راجا نندام پنڈت کنور پریم ناتھ کشور، راجا امید سنگھ، رائے منوہر توسنی، راجا ٹوڈرل، شکر ناتھ پنڈت کشمیری، شکر نزاری، لالہ درگا پرشا و مضرب مختلف لائبریریوں میں جو قلمی کتابیں محفوظ ہیں۔ ان میں سے بہت سی ہندو کتابوں کی ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔

ہندو لٹریچر کی مجموعی قدر و قیمت | گزشتہ صفحات کے مندرجات سے بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہندو مصنفین نے

کس کثرت کے ساتھ مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھی ہیں۔ اب ہم مجموعی حیثیت سے اس لٹریچر کی قدر و قیمت پر مختلف علما و فضلا کی آرا لکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک عام ہندو مصنفین ہندستان کے عام مسلمان مصنفین سے کسی طرح کم نہیں۔ ہندو فارسی دانوں کی جن خامیوں کا اکثر تذکرہ کیا جاتا ہو ان میں ہندستان کے مسلمان مصنفین بھی بری طرح مبتلا تھے۔ تاہم جہاں تک اندازہ بیان کا تعلق ہو ہم محسوس کرتے ہیں کہ عام ہندو مصنفین کا مثالی نقصان اور تکلف سے خالی نہیں ہوتا اور بعض اوقات زبان کی اصلی روح سے ناواقفیت کا ترشح ہوتا ہے لیکن اعلیٰ انشا پردازوں میں یہ نقص بہت کم ہو۔

”کالیستھوں“ کی ”فارسی دانی“ غلطیوں کے لیے ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اس زمرے میں صرف دفاتر کے کلرک شمار کیے جاسکتے ہیں جو معنادار اور رسمی کاروبار کے علاوہ زبان کی اندرونی گہرائیوں تک بہت کم پہنچتے تھے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں میں برہمن، مخلص، شفیق، سالم، اودری راج، بہار، وارستہ، غیورسی، منوہر اور تفتہ وغیرہ جیسے ادیب، مؤرخ اور انشا پرداز موجود ہیں تو ہمیں ہندوؤں کی فارسی دانی کی ہمہ گیر تنقید اور تحقیق خلاف انصاف معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے گزشتہ سطور میں جن اعلیٰ انشاؤں، پُر از معلومات تذکروں، محققانہ تاریخوں، مستند لغتوں اور شیریں زبان شاعروں اور لغزگوؤں کا تذکرہ کیا ہے وہ فارسی کے عام لٹریچر میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور فارسی ادب کی تاریخ لکھنے والا ان کے اعلیٰ رتبے کو فراموش نہیں کر سکتا۔

**غالب کے خیالات** | گزشتہ صدیوں میں بھی یہ مسئلہ کچھ متنازع فیہ رہا ہے۔ ہندستان کے مشہور شاعر اسد اللہ خاں غالب نے ہندوؤں کی اس حیثیت سے بہت کچھ انکار کیا ہے۔ برہان قاطع کے جواب اور تردید میں غالب نے ”قاطع برہان“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں برہان کی بہت سی غلطیاں نمایاں کی ہیں۔ غالب کے جواب میں آغا احمد علی صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا جس میں غالب کے خیالات کی تردید کی۔ اس رسالے میں آغا صاحب نے اپنے اقوال کی تائید میں بہار اور وارستہ اور تہیل کے اقوال پیش کیے تھے۔ غالب نے اس رسالے کا جواب نظم میں لکھا جو ”شمشیر تیز تر“ کے نام سے مشہور ہے۔ ہم اس رسالے سے چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوگا کہ غالب کے





ہندوؤں اور ہندستانی مسلمانوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے تھے۔  
امیر خسرو کے زمانے سے ہیں اس رقابت کا پتہ چلتا ہے لیکن مغلوں کے  
زمانے میں جب ایران کے شعرا اور فضلا بکثرت ہنرستان میں وارد ہوتے ہیں  
تو یہ جذبات تلخ تر ہو جاتے ہیں۔ عربی اور فیضی کی محاسنت، سعدی اور  
فیضی کے متعلق "آسمانی داد" کا لطیفہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات  
اس نزاع کے مختلف ثبوت ہیں۔

مغلیہ عہد میں ملا شیدا ہندی ایک بزرگ گزرے ہیں انہیں  
تذکرہ نگاروں نے نہایت ہی مکروہ اور نازیبا القاب کے ساتھ یاد کیا ہے۔  
والہ داعستانی فرماتے ہیں:-

"کہ وہ ہندستان میں پیدا ہوا تھا اور پست فطرت تھا"  
لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اُس زمانے میں ایرانیوں کی تعلی کے خلاف احتجاج کرتا  
تھا اور ایران شراد متکبروں کا مضحکہ اڑاتا تھا۔ ہم ذیل میں سفینہ خوشگو  
سے شیدا کی ایک کتاب کا دیباچہ نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ ایرانی  
اور ہندی کی رقابت ان دنوں میں کتنی تیز تھی۔

"ملا شیدا و رخاتمہ شمنوی کہ در تعریف کشمیر نوشتہ۔ نوشتہ کہ

ایرانیان مرا ہندی شراد بودن بمقدارے نہ ہند.... حرف کنت

کہ ایرانی و ہندی بودن فخر را سند نگرود، پایہ مرد بہ نسبت پایہ

ذاتی ست و اگر ایرانیان زبان طعن کشا یند کہ فارسی زبان است،

زبان را بکام خود دنیا بند، من برایشان معنی رنگیں عرضہ دارم۔

لے "سخن قیمتی عالم بالا معلوم شد" والا لطیفہ لے ریاض الشعرارظمی پنجاب یونیورسٹی

”سنچے از بے تکلفی نوشتہ شد اندر لے راستی ست و از راستی  
رنجیدن کار اہل دانش نیست“

جب شیخ علی حزمی ہندستان میں وارد ہوئے تو یہاں کے لوگ بہت عزت سے پیش آئے لیکن انہوں نے بھی ہندستانیوں کی تحقیر و تنقیص میں کسر اٹھانہ رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستانیوں نے بھی ان پر اعتراضات کیے تہذکرہ حبیبی میں لکھا ہے:-

”چوں شیخ در جنب شاعری خود شعراے ہند را وقتے نے

ہندا ازین معنی عداوت بہم رسیدہ در پڑ آ ہو گیر بہا کمر بستہ“

اس نزاع کی تفصیل سے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ غالب ادران کے ہم خیال اس بارے میں کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہیں بلکہ ملکی اور وطنی عصیت کی بنا پر ہندی مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کو بھی وہ درجہ دینے سے انکار کرتے تھے جس کے وہ بہم وجوہ مستحق تھے۔

استعمال ہند | یہ ہندستان کے فارسی لٹریچر کی ایک خصوصیت ہے۔ بلوچمن صفا فرماتے ہیں کہ ”استعمال ہند“ ابوالفضل جیسے انشا پردازوں سے

لے کر معمولی ضیافت نامہ لکھنے والوں تک سب کی تحریروں میں نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر محمود خاں شیرانی صاحب نے ضیاء الدین برنی، شمس سراج عقیف، امیر خسرو اور بے شمار دوسرے مصنفین کی کتابوں میں سے لاتعداد ہندستانی محاورات کو نکال کر جمع کیا ہے۔ ”استعمال ہند“ کو بعض ادبا نے خلاف قاعدہ قرار دیا ہے لیکن زبان پر وطن اور مکان کے اثرات کا ہونا کسی طرح بھی

خلاف قدرت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خان آرزو نے "مثنوی" میں لکھا ہے:-

"کہ آوردن الفاظ عربیہ و ترکیہ بلکہ زبان ارامنہ و فارسی

مسلم ست: باقی ماند الفاظ ہندی و آں نیز بھندہب مؤلف

دریں زمان ممنوع نیست"

بہت سے ایرانی شعرا جب ہندستان میں وارد ہوئے تو انھوں نے

ہندی الفاظ کو استعمال کیا اور بعضوں نے تو نہایت بے قاعدہ اور فضول

طریق سے استعمال کیا مثلاً کاشی کا یہ مصرع کہ:

"سر را چپوتاں جگت سنگ بود"

وغیرہ۔ تعجب ہے کہ ایرانی شعرا کے اس غلط استعمال کے باوجود بھی ان کے

خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا لیکن ہندی شراد اور ہندو شعرا کی زبان انی

صرف اس لیے مل نظر ہے کہ وہ "استعمال ہند" کے مجرم ہیں۔ ہندوؤں کی

فارسی دانی پر ایک زبردست اعتراض یہ ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں استعمال ہند

کی کثرت ہو لیکن اس کے جواب میں جہاں تک اعلیٰ مصنفین کا تعلق ہے، ہم

خان آرزو کا یہ فقرہ نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں:-

"و بشنو بودن کلمہ ہندی محل فصاحت نیست چنانکہ سنائی

می گوید"

نہ در آں دیدہ قطرہ پانی الخ

قیاس نیز ہمیں گویا، چہ بودن الفاظ عربی و ترکی در عبارات

فارسی محل فصاحت نیست، پس لفظ ہندی چرا باشد"

۱۷ مثنوی رتقی پنجاب یونیورسٹی) ص ۶۶ تا ۷۵ مثنوی ص ۸۸ تا ۹۳، مخزن الفوائد

ہندی الفاظ کا بکثرت استعمال | ہم نے جو کچھ سطور بالا میں لکھا ہے وہ متعلق تھا۔ بعض مترجمین نے جنھوں نے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے سنسکرت اور ہندی الفاظ اپنی کتابوں میں اس کثرت سے لکھے ہیں کہ یقیناً ان کی موجودگی زبان کی صفائی اور پاکیزگی کے منافی ہے اور یہ ہمارے نزدیک ایک بہت بڑا نقص ہے جس میں متوسط درجے کے مصنفین اور عام محرر بری طرح سے مبتلا تھے۔ کھوں کے عہد میں پنجابی زبان کے الفاظ اور محاورات کتابوں میں ملتے ہیں اور بعض اوقات پنجابی تلفظ بھی فارسی میں محفوظ رکھا گیا ہے چنانچہ ذیل کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے:-

”چشم بطریق و صبیان پوشیدہ نشستہ بودند“

”و تھوتی ہا بالائے ریمان در تاب آفتاب مگراشتہ“

”آئین پوجائے مہنت ست“

”رسانندہ بعالم مکت و رستگاری“

اندرام مخلص لکھتا ہے:-

”دارد ز ہندولہ نفس تخت رواں“

”در جگر مرغان چمن لال پری ست“

ایک خط میں لکھتا ہے:-

”خوشہ مروارید ناسفتہ یعنی سٹہ ہائے گل چارچن امید کرد“

راے امانت رام امانت بھگت مالا میں لکھتا ہے:-

این ہمہ گواہا گواہا	پیش آں بازی گرتشاہا
آرتی مے کرد در ہر صبح و شام	برزبانش وصف حسن پاک نیام

راجہ آں ملک جادو بزم داشت خط شوق یاد بھگواں مے نگاشت  
مردم از جام بھجن بودند مست رفتہ از آواز شاں ولہا زدست  
نظر نامہ رنجیت سنگھ مصنفہ امر ناتھ اکبری میں اکثر مقامات پر بتالہ کی  
بجائے وٹالہ لکھا ہے لفظ جی کا استعمال بکثرت ہے۔

عام ہندو مصنفین میں یہ کمزوری بہت محسوس کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے  
کہ ان کی زبان دانی پر ہمیشہ اعتراضات کیے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ متوسط درجے کے مصنفین اور عام اہل قلم میں یہ نقص بھی  
ہو کہ وہ اصل ایرانی محاورات سے واقف نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ محاورہ ہر  
ساٹھ سال کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں وہ روانی، وہ فراوانی  
الفاظ، وہ شکوہ، وہ بندی نہیں جو اعلیٰ مصنفین کا طرہ امتیاز ہے ان میں متبع کا مرض  
بدرجہ اتم موجود ہے جو ان کی عبارات کو اور بھی بے معنی بنا رہا ہے۔ عام منشیوں کے  
پاس رسمی کاروبار چلانے کے لیے کچھ پڑانے گھڑے ہوئے فقرات اور محاورات  
موجود ہوتے تھے جنہیں وہ اکثر استعمال کرتے تھے۔ بوخن صاحب کا یہ قول کہ  
"اٹھارہویں صدی کے آخر تک ہندو فارسی میں مسلمانوں کے استاد بن گئے  
تھے" زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ اس قدر درست ہے کہ آخری زمانے میں  
ہندوؤں نے دفتری کاروبار پر مسلمانوں سے زیادہ اقتدار حاصل کر لیا تھا اور ان  
میں مسلمانوں کی نسبت فارسی تعلیم بھی زیادہ ہو چلی تھی۔ چنانچہ آرتھ صاحب  
کے بیان کے مطابق پنجاب میں جو "فارسی اور قرآن" کے مدرسے رائج تھے  
ان میں ہندو زیادہ داخل ہوتے تھے۔

ہندوؤں پر فارسی تعلیم کے اسلامی اثرات<sup>۱۷</sup> | سب سے پہلی بات یہ ہو کہ ہندوؤں نے شاہیں کے

علاوہ بعض ان مذہبی اثرات و رسمیات کو بھی اپنی کتابوں میں قائم رکھا جو مسلمانوں کی محبوب خصوصیات تھیں لیکن ہندوؤں کا انھیں اختیار کر لینا بہت کچھ قابلِ تعجب ہی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ، صلی اللہ علیہ وسلم، رمضان المبارک کے علاوہ اپنے آپ کو ”برلب گور“ لکھنا اور ہندوؤں کے لیے ”واصل جہنم“ وغیرہ الفاظ اس کثرت کے ساتھ کتابوں میں آتے ہیں کہ اگر مصنف کا نام معلوم نہ ہو تو بمشکل پتا چل سکتا ہو کہ مصنف کوئی ہندو ہوگا جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں ”تاریخ نے“ ہندوؤں میں کبھی علم کی حیثیت نہیں اختیار کی و اگرچہ کلکتہ ریویو (۱۹۰۸ء) کے ایک مضمون نگار نے پران کو تاریخی تصانیف قرار دیا ہے لیکن اس کا یہ قول ضروری دلیل و برہان سے معزا ہے اس لیے یہ امر بلاخوف تردید پیش کیا جاسکتا ہو کہ ”تاریخ“ ہندوؤں میں مسلمانوں کے طفیل پیدا ہوئی۔

ہندو کلچر پر فارسی کا جو اثر پڑا اس پر تفصیل سے لکھنے کا یہ موقع نہیں آتا ضرور کہنا پڑتا ہو کہ بعض مصنفین اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ مرزا، خواجہ، میاں وغیرہ القاب بہت سے ہندوؤں کے ناموں کے ساتھ ملتے ہیں۔ خود ہندوؤں کے ناموں میں عربی فارسی جزو مثلاً مشتاق ماے، رائے حکیم چند،

۱۷۔ اس موضوع پر دیکھو میر مفتعل مضمون ”فارسی تعلیم کا اثر ہندوؤں پر“۔ خیالستان

(لاہور) اپریل ۱۹۳۲ء۔ ص ۳۳، ۳۸

۱۸۔ اس کے لیے دیکھو ایلیٹ کی تاریخ ہند اپنے مورخوں کی زبانی، کا دیا چہ، ایضاً ج ۱،

ص ۷۰۔ ایضاً ج ۱، ص ۱۳۳ ۱۳۴ ملاحظہ ہو ڈاکٹر تارا چند ”ہندی کلچر پر اسلام کا اثر“

دولت رائے وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔ مغلوں کی طرز معاشرت کا ہندوؤں کی زندگی پر گہرا اثر ہوا اس میں فارسی زبان سے پیدا شدہ ذہنی انقلاب کا بھی بہت سا حصہ ہے۔

## خاتمہ

ناظرین! میں نے اسلامی عہد کے ہندستان کا جائزہ لیا ہے۔ موجودہ مالیف اور ان مباحث کی غرض و غایت یہ ہے کہ ازمنہ متوسط میں جبکہ ہندو ایک محکوم قوم کی حیثیت سے رہتے تھے۔ ہندوؤں کے ذہنی کارناموں اور علمی سرگرمیوں کا حال معلوم ہو سکے جس سے ایک طرف ان کی ذہنی بلندی اور دوسری طرف اسلامی حکومت کی رواداری کا ثبوت ملتا ہے یہ فی الحقیقت ہندو دماغ کا ایک شان دار کارنامہ ہے کہ انھوں نے مسلمان اساتذہ سے جو علوم سیکھے ان میں آنکا کمال پیدا کیا کہ بعض شعبوں میں اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے اور ادب اور زبان سے متعلق علوم میں اسی دست رس حاصل کی جو صرف اہل زبان کا حصہ ہے۔

فارسی زبان کی تعلیم ایک ایسا تجربہ تھا جس کے فوائد کا سلسلہ مغلوں کی حکومت تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس نے ہندو میں ایسی استعداد، ایسی فراست اور تطابق ماحول کی وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ مغلوں کے زوال کے بعد انگریزی تعلیم کے شیوع و رواج کے وقت بھی انھوں نے تحصیل علم میں سبقت کی جس کے منافع و مفاد کی وسعت اور ہمہ گیری سے انکار نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے ساتھ اختلاط اور ارتباط نے علیحدگی اور تفرق کے متعلق ان کے توہمات کا بہت ازالہ کر دیا اور اسلامی تمدن نے ہندو سوسائٹی پر



بعض ایسے گہرے اور خوش گوار نقوش چھوڑے جن کا اعتراف نہ کرنا انتہائی ناشکر گزاری ہو گا۔ صدیوں تک فارسی زبان ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد کا ایک محکم ذریعہ بنی رہی یہ وہ واسطہ تھا جو حاکم و محکوم، راعی اور رعایا کے درمیان ایک لازمل رابطہ پیدا کرنے کا وسیلہ ثابت ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ یہ رسالہ حال مستقبل کو ماضی کا رنگ دینے میں کامیاب ہو اور ہندو مسلم اتحاد کے علم برداروں کے لیے مدد و معاون ثابت ہو۔ مرزا محمد منوہر توسنی نے آج سے تقریباً تین سو سال پہلے ایک شعر میں جس حقیقت کا اعلان کیا تھا کاش ہم ہندو اور مسلمان اس پر غور کر سکیں۔

یگانہ بودن و یکتا شدن ز چشم آموز  
کہ ہر دو چشم جدا و جدا نے نگزند

---

لے اس کے لیے دیکھو لین پول۔ میڈیول انڈیا (آخری باب)



# ضمیمے

- (۱) گورونانک کی فارسی تعلیم
  - (۲) مثنوی بنیم بیراگی
  - (۳) بدائع وقائع اندرام مخلص
- (از پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے)



## ضمیمہ الف

# گرو نانک صاحب کی فارسی تعلیم کہاں تک تھی؟

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کہ گرو صاحب نے فارسی تعلیم کہاں تک پائی تھی۔ ہم پہلے مؤرخین کے خیالات کا خلاصہ درج ذیل کرتے ہیں۔  
'بابر نامہ' میں جو بابر کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے۔ بابا نانک کے متعلق ایک حرف موجود نہیں۔

'اکبر نامہ' وغیرہ میں ہندوؤں کے ایک فرقے کی طرف اشارہ ہے جس کو وہاں سیش کے نام سے پکارا گیا ہے۔

اس کے علاوہ عہد اکبری کی تاریخیں بابا نانک کے حالات سے یکسر خالی ہیں توڑک جہانگیری میں بھی بابا نانک کا ذکر نہیں۔

فارسی کی سب سے چرائی کتاب جس میں سکھوں اور بابا نانک کے حالات کسی تفصیل سے درج ہیں وہ غالباً دبستان مذاہب ہو لیکن اس کتاب میں بھی گرو جی کی تعلیم کے مسئلے پر زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا اس لیے وہ کتاب بھی ہمارے مطلب کے لیے چنداں مفید نہیں۔

---

۱۔ اس مضمون میں جہاں کہیں نامی نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے متعلق ہیں۔



امر ثابت ہوتا ہے کہ گردجی نے فارسی تعلیم حاصل کی تھی۔ صاحب موصوف نے ایک اور دلیل دی ہے جو ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں اور وہ یہ ہے کہ راجے بولار نے (جو کہ مقام تلونڈی کے محافظ تھے) گرو نانک کے والد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ تھوڑی بہت فارسی تعلیم حاصل کر لیں تو ان کو ملازمت شاہی میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ دلیل ہمارے لیے اس لیے مستم نہیں کہ اس وقت تمام سرکاری دفاتر ہندی زبان میں ہوا کرتے تھے اس لیے ملازمت حاصل کرنے کے لیے کسی فارسی عربی کی ضرورت نہیں محسوس ہو سکتی تھی۔ آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ ”گرنتھ صاحب میں اکثر فارسی کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور چند فارسی کے پورے شعر بھی ملتے ہیں۔ ہم اس امر کو ایک مستم حقیقت خیال کرتے ہیں کہ وہ فارسی کے ایک اچھے عالم تھے اور غالباً اسی مطالعہ کتب فارسی نے ان کے دماغ میں عام رواداری کا مادہ پیدا کر دیا تھا“ صاحب موصوف نے بعض اور دلائل بھی دیے ہیں جن کو ہم سر دست نظر انداز کرتے ہیں۔ کنگھم صاحب کی ہسٹری آف دی سکھس ایک بلند پایہ کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ ”ہمارے پاس اس پر یقین کرنے کے کافی دلائل موجود ہیں کہ گرو نانک نے اپنے آپ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب اور عقائد سے واقف کر لیا تھا اور ان کو مسلمانوں اور ہندوؤں کی کتابوں سے عام واقفیت تھی“

ینگس صاحب ”انسائیکلو پیڈیا آف انڈیا“ میں لکھتے ہیں۔ عام طور پر سکھ روایات کو قابل تسلیم نہیں قرار دیا جاسکتا، ان کے نزدیک گرنتھ صاحب

پنجابی، ہندی اور فارسی اشعار کا مجموعہ ہے۔ گرو نانک صاحب کی تعلیم کے متعلق ان کی تحقیق ہو کہ "نوسال کی عمر میں انھوں نے فارسی پڑھی"

جنم ساکھی (سلسلہ مطبوعہ لاہور) کی روایت ہو کہ "گرو نانک صاحب نے کچھ ترکی بھی پڑھی" ٹرمپ صاحب کا خیال ہو کہ "ترکی سے مراد فارسی ہے جو اُس وقت مسلمانوں کی زبان تھی"۔ ٹرمپ صاحب کی تحقیق ہو کہ "گرنٹھ صاحب میں نانک کے کچھ اشعار فارسی ملتے ہیں اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فارسی لانی بہت ہی معمولی درجے کی تھی۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ جنم ساکھی مطبوعہ لاہور میں سے یہ الفاظ دیدہ دانستہ نکال دیے گئے ہیں کہ ان کو فارسی (ترکی) سے واقفیت تھی۔

ڈاکٹر گوگل چند نارنگ اپنی کتاب ٹرانسفارمیشن آف دی سکھ میں گرو نانک صاحب کی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ان کی تعلیم باقاعدہ نہیں تھی"۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لیے وہ ذیل کی دلائل دیتے ہیں:-

(۱) نانک کی دوسرے مذاہب کی تنقید عالمانہ نہیں۔

(۲) یہ قول کہ ان کا پہلا استاد مسلمان تھا مسلمان مؤرخین کا تصرف معلوم ہوتا ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ گرجی کی آئندہ عظمت کا سہرا تعلیمات اسلام کے سر باندھیں۔

(۳) فارسی کی ضرورت اس لیے بھی نہیں پڑ سکتی تھی کہ دفاتر کی زبان ہندی تھی۔

(۴) نپتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ گرجی کا پہلا استاد گوپال پنڈت تھا جو سکول کا معلم تھا۔

(۵) یہ امر بھی ممکن ہے کہ نانک سید حسن درویش کے سامنے بیٹھے ہوں



لیکن اس میں شبہ ہے کہ ان کو فارسی میں یا سنسکرت میں کوئی نظر پیدا بھی ہوئی ہو یا نہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال نہیں کہ نانک کی عظمت کس قوم کی تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی یہاں تاریخ کا سوال ہے جس کے ذریعے ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ فارسی جانتے تھے یا نہیں اور اگر جانتے تھے تو کس قدر۔

یہاں ایک ہم نے کچھ لکھا ہے وہ اردو مصنفین کی راہوں کا خلاصہ ہے۔ اب ذیل کے حصے میں تین طریقوں سے ہم اس مسئلے پر روشنی ڈالیں گے۔ پہلے پہل گروجی کے ان حالاتِ زندگی کا خلاصہ نقل کریں گے جن کا تعلق خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہے پھر گرتھ صاحب کے بارے میں اپنی سانی تحقیق پیش کریں گے اور بالآخر ایک مختصر سے خاتمے کے ساتھ مضمون کو ختم کر دیں گے۔

ٹرمپ صاحب کے پاس جو جنم ساکھی ہے وہ ان کے بیان کے مطابق سب سے پُرانی جنم ساکھی ہے۔ اس میں کوئی خوار خوار دور از عقل معجزات نہیں۔ گروجی کے سیدھے سادے حالات مرقوم ہیں۔ ٹرمپ صاحب بجا فرماتے ہیں کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جنم ساکھیوں کے بیانات میں اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سب سے زیادہ مختلف وہ ہے جو لاہور میں طبع ہوئی۔ ہم ذیل کے شذرے میں صرف ٹرمپ صاحب کی مترجمہ جنم ساکھی کی روایات پر اعتبار کریں گے۔

گردنا نانک تلونڈی میں پیدا ہوئے، ان کی پیدائش سن ۱۴۶۹ء مطابق ۱۵۶۹ء میں بھہر سلطنت بھول لودھی ہوئی، ان کے والد تلونڈی میں پٹواری تھے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے کسی فارسی عربی یا قت کی ضرورت نہیں تھی۔ ہندی دفتر کی زبان

تھی اور اسی زبان میں تھوڑی بہت مہارت سے ملازمت حاصل ہو سکتی تھی۔ بابا صاحب کی ابتدائی تعلیم کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ ہنپتھ پر کاش میں لکھا ہے کہ گرجی نے گوپال پنڈت کے سامنے زانوائے تمیز نہ کیا مگر بہت جلد وہاں سے اٹھ گئے۔ آدی گرتھ میں پنڈت صاحب کے ساتھ معے کے رنگ میں مکالمہ موجود ہے۔ اکثر مصنفین سیر المتاخرین کی اس روایت پر اعتبار کرتے ہیں کہ آپ کے پڑوس میں سید حسن نام ایک درویش رہا کرتے تھے ان کو گرجی سے بے حد الفت تھی، انھوں نے گرجی کو فارسی زبان میں تعلیم دینا شروع کی۔ میکلف صاحب نے فارسی معلم کے ساتھ جو مکالمہ گرجی کا ہوا تھا وہ درج کیا ہے مگر وہ رکن الدین قاضی کے ساتھ ہوا اس میں سید حسن درویش کا نام نہیں آتا۔ ٹرمپ صاحب نے اس امکان کو تسلیم کیا کہ گرجی نے سید حسن سے کچھ استفادہ کیا ہو۔ ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کا خیال ہے کہ گرجی کو فارسی، سنسکرت ہر دو زبانوں میں کوئی زیادہ دسترس حاصل نہ تھی لیکن شاگردی کے معاملے میں ہر دو امکانات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اکثر مورخین کو اس امر سے کہ وہ اپنی زبان میں بے تکلف فارسی کے الفاظ بولتے ہیں۔ یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ انھوں نے ضرور کسی استاد سے فارسی حاصل کی ہوگی۔

بارہ میں آپ کا بہنوئی جو راجہ دولت خاں لودھی کے مودی خانے میں ملازم تھا۔ بیان ہے کہ وہاں آپ نے ملازمت اختیار کی مگر طبیعت سے مجبور ہو کر ملازمت ترک کر دی کہتے ہیں کہ دولت خاں آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔ فقرا کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا ذکر بے حد طویل ہے جہاں تک ہمارا خیال ہے وہ

ہندو مسلمان کے امتیاز سے بالاتر تھے۔ مسلمان فقر کے ساتھ بیٹھتے اور اٹھتے تھے۔ تاریخِ پنجاب وغیرہ میں ان تمام ادیباء اللہ کا نام لکھا ہو جن کی خدمت میں بابا نانک شریف نے گئے یہ

بابر نامے میں گرجی کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ البتہ گرنٹھ صاحب میں ایک مقام پر بابر بادشاہ کا ذکر آتا ہے۔ نیز جنم ساکھی مترجمہ ٹرمپ صاحب بھی تفصیلی ملاقات کے ذکر سے خالی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے ساتھ گرجی کی ملاقات کے افسانے بھی اکثر و بیشتر موضوع ہیں۔

دائے بولار کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ یہ بھٹی ذات کے مسلمان راجپوت تھے۔ گرجی کے ساتھ ان کے تعلقات بہت مخلصانہ تھے۔

ٹرمپ صاحب لکھتے ہیں کہ بابا صاحب کا سفر مکہ محض افسانہ ہے اور اس میں کوئی اصابت نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان اور ایران وغیرہ کا سفر آپ نے کیا اور وہاں کے فقراء و صلحا سے ملا کیے۔ اکثر معاملات میں تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔ آپ کے ہم سفر لوگوں میں ایک "مردانہ ربانی" تھے جو ہر مقام پر آپ کے ساتھ گئے۔

میں نے گزشتہ واقعات میں صرف ان باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ اس ترتیب و تعبیر سے ہمارا ایک مقصد ہے جس کا ذکر ہم اس مضمون کے خاتمے پر کریں گے۔ اب ہم گرجی کے مطالعہ کریں گے۔ تاکہ ہم گرو نانک کی فارسی میں دست رس کا حال معلوم کر سکیں۔

(۲)

## گرو گرتھ صاحب کا مطالعہ لسانی

گرو گرتھ صاحب کے پہلے محلے یعنی اس حصے کی تحقیق سے جو گرو نانک صاحب کی تصنیف ہر معلوم ہوتا ہے کہ پنجابی اشعار میں فارسی الفاظ بکثرت استعمال کیے گئے ہیں۔ صرف "جپ جی" پر ہی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان اشعار میں فارسی کے لفظ بلا تکلف آئے ہیں مثلاً

۱۔ کیو سچیا راں ہو یہ کیو کوڑے تے پاں

حکم رجائی چنناں نانک لکھیا نال

گرو گرتھ صاحب (لاہور ۱۹۱۴ء) صفحہ ۱

حکم۔ بمعنی عام

رجائی۔ بمعنی رضا

۲۔ گا دے کو جا پے دے دُور

گا دے کو دیکھے ہا دِرا ہدور

(ایضاً)

ہا دِور۔ حاضر

ہدور۔ حضور

۳۔ جنی نام دہایا گئے مسقت نال۔ الخ (ایضاً صفحہ ۱۱)

مسقت۔ مشقت

۴۔ کھٹ ترسی مکھ بولنا مارن ناد گئے (ایضاً صفحہ ۱۱)

ترسی۔ تشری

صفحہ ۲۲ وما بعد پر تقریباً ہر شعر میں فارسی کے لفظ موج دہیں مثلاً سفیدی، تیر، کمان، ذات، نظر (نزد) بادشاہ (پاکشاہ) زور، شمار، بدغلی (بدغلی) غایبانہ (گیبانہ) وغیرہ۔

ٹریمپ صاحب اور دیگر محققین نے بابا نانک کے چند خاص فارسی اشعار کا ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے اشعار جن میں فارسی گریمر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہو یا جن کو کسی طرح فارسی کا شعر کہا جاسکتا ہو بہت کم ہیں۔ میرے زیر نظر جو اشعار ہیں ان کی نوعیت یہ ہے کہ فارسی کے کچھ الفاظ (عموماً اسما) ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں جن کو جوڑنے کے لیے یا تو کوئی چیز موجود نہیں یا بعض اوقات پنجابی یا گرتھو کی اصلی زبان کے ایک دو لفظ شعر کے اندر رکھ دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر گر و گرتھو صاحب صفحہ ۶۵ ملاحظہ ہو۔

۱۔ پیر پیکا مبر سالک صادق شہدے او شہید

شیخ مشایخ قاضی صلا اور درویش رشید

اس شعر میں جہاں تک میرا خیال ہے "شہدے" اور "اور" کے سوا کوئی غیر فارسی نہیں اس کے باوجود شعر کو بالکل فارسی شعر نہیں کہا جاسکتا۔

۲۔ صدق صبوری صادق صبر توسہ (توشہ) ملائیکاں

دیدار پورے ..... الخ ایضاً صفحہ ۱۰۵

پہلا مصرعہ سارا عربی فارسی الفاظ کا مجموعہ ہے۔

۳۔ صدق کر سجدہ من کر مقصود

ایضاً جیدھر دیکھا تیدھر موجود

۴۔ قدرت ہے قیمت نہ پائے

ایضاً جا قیمت پائے ہی نہ جائے

۵۔ مہر معیت صدق مصلیٰ حق حلال قرآن  
 سرم سنت سیل روجا (روزہ) ہوہ مسلمان  
 کرنی کعبہ سچ پیر کلمہ کرم نواج (نماز)  
 تسبی (تسبیح) سانت ..... الخ ایضاً صفحہ ۱۰۹  
 اس مثال میں اکثر الفاظ عربی کے ہیں۔

نیز چنچرا شعرا فارسی کے پورے بھی ملتے ہیں لیکن وہ بھی ایسے نہیں  
 جو ہمارے لیے ایک سند کا کام دے سکیں۔ بلاشبہ وہ مذکورہ بالا مثالوں کی  
 نسبت زیادہ صاف اور واضح ہیں لیکن ایک دو اشعار کا موجود ہونا چنداں  
 قوی دلیل نہیں ہے:

- ۱۔ ایک عرض گفتم پیش تو در گوش کن گزار
  - حقا کبیر کریم تو بے عیب پروردگار
  - ۲۔ دنیا مقام فانی، تحقیق دل دانی
  - ہم سرموئے عزرائیل گرفت دل، ہیچ نہ دانی
  - ۳۔ زن لیسر پدر، برادران کس نیست دستگیر
  - آخر بنفتم کس ندارد، چوں شود بمکیر
  - ۴۔ شب روز گشتم در ہوا کردم بدی خیال
  - گا ہے نہ نیکی کار کردم ہم این چنین احوال
  - ۵۔ بد بخت ہم چون بخیل غافل بے نظر بے ہاک
  - نایک بگوید جن ترا تیرے چاکراں پنہاک
- (راگ تنگ محلہ پہلا)

ہیں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے صرف اتنی ہی مثالیں کافی ہوں گی۔

گر تھ صاحب کے مطالعہ لسانی سے نہیں جس لفظ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہو کہ پہلے تو بقول ڈاکٹر گوئل چند نارنگ کے ”گرو جی کی دوسرے مذاہب کی تنقید عالمانہ نہیں“ ان کی زبان کا وہ انداز نہیں جو دوسرے مذاہب کے ایک جید عالم کا ہو سکتا ہو۔

دوم یہ کہ اگر محلہ اول میں جتنے فارسی الفاظ موجود ہیں ان سب کو جمع کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ بابا صاحب کے ذہن میں فارسی کے بہت کم الفاظ موجود ہیں۔

سوم جتنے الفاظ موجود ہیں وہ بالکل عام سے ہیں۔ بظاہر وہ الفاظ عام زبان کے اندر رائج ہو چکے تھے یا اگر رائج نہ بھی ہوئے تھے تو گرو جی نے اکثر مسلمان فقرا کے ساتھ ملاقاتوں میں اخذ کیے ہوں گے۔

غرض صرف گرو گرنتھ صاحب میں فارسی الفاظ کا موجود ہونا ہمارے نزدیک اس بات کی کافی اور مؤثر دلیل نہیں کہ گرو نانک فارسی زبان کے ایک بلند پایہ عالم تھے جیسا کہ میکالف صاحب نے تحریر کیا ہے۔ تاوقتیکہ ان کی فارسی دانی کے حق میں اس سے بہتر دلیل نہ مل سکے جو تمام ارباب نظر کے نزدیک حجت قاطع ہو۔ زبان میں غیر ملکی الفاظ کا آنا بالکل معمولی اور عام بات ہے۔ آج دنیہ گیر میں اور عوام کی زبان میں انگریزی کے صدا الفاظ بے تکلف موجود ہیں۔ صرف ان الفاظ کا موجود ہونا ہمیں اس فیصلے پر نہیں لاسکتا کہ کوئی شخص اس زبان کا ماہر مان لیا جائے۔

## گرو نانک جی کی فارسی تصنیفات

معارف نے فہرست کتب خانہ آصفیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ بابا نانک

نے علم اخلاق و تصوف پر دو تین کتابیں لکھی ہیں مثلاً (۱) الہی نامہ (۲) دل طلب (۳) مناجات در بحر طویل۔ راقم نے ایک خط لائبریری میں آصفیہ لائبریری کے نام لکھا جس میں ان سے ان کتابوں کے صحیح حالات بہم پہنچانے کی درخواست کی اس کے جواب میں جو خط ان کی جانب سے موصول ہوا اس کا ملخص یہ ہے کہ:-

"دل طلب اور الہی نامہ ہر دو رسالوں کے مصنف کا نام معلوم نہیں دل طلب نظم میں ہے اور الہی نامہ نثر میں ہے۔ ان ہر دو رسالوں کو بابا نانک سے کوئی تعلق نہیں۔ فہرست میں غلطی سے ان کو بابا صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ دونوں رسالے ایک مجموعہ رسائل میں شامل تھے جن کے آخر میں بابا نانک شاہ کی مناجات ہے فہرست نگار نے غلطی سے تمام رسالوں کو بابا نانک شاہ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ غرض دل طلب اور الہی نامہ ہر دو بابا نانک شاہ کی تصانیف نہیں ہیں۔" باقی رہا مناجات کا معاملہ تو وہ گرو نانک کی حب جی کا ترجمہ ہے جو کسی نے بارہویں صدی ہجری میں کیا ہے۔

گزشتہ بیان سے معلوم ہوا ہے کہ بابا نانک کی کوئی تصنیف فارسی میں موجود نہیں۔ جن محققین نے بابا نانک کے عالم ہونے پر زور دیا ہے۔ اکثر نے صرف اسی وجہ سے زور دیا ہے کہ گرو گرنہ صاحب میں فارسی کی آمیزش ہے اس کے علاوہ انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے گرو نانک صاحب فارسی کے عالم نہ تھے۔ ان کو صرف ٹھوڑے الفاظ پر عبور تھا جن کو وہ گرو گرنہ صاحب میں وقتاً فوقتاً استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ فارسی کی معمولی واقفیت رکھتے تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بابا نانک نے کئی ملازمین شاہی کے



ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ان کی ہند اور ماوراے ہندلمان شیخ کے ساتھ سمجھتیں رہیں۔ اکثر مسلمان مُریدان سے فیض حاصل کرتے تھے پس ان حالات میں ان کی زبان میں فارسی عربی الفاظ کا آجانا لہدی اور ناگزیر تھا۔ مزید یہ کہ فارسی عربی کے جو الفاظ اور فقرے موجود ہیں وہ بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں بلکہ بگڑی ہوئی صورت میں ہیں۔ لہذا یہ نتیجہ زیادہ قرین صواب ہے کہ باباجی فارسی کا بہت معمولی علم رکھتے تھے۔



# ضمیمہ ب مثنوی بنیم بیراگی

سوانح | سوامی بھوپت رائے بیراگی کھتری قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے آبا و اجداد پنجاب میں عہدہ قانون گو پر فائز رہتے چلے گئے تھے۔ مخزن الغرایب میں لکھا ہے کہ بھوپت رائے بیراگی ٹپن سرکار جموں کا رہنے والا تھا، شعر و شاعری میں افضل سرنوخش کا شاگرد تھا۔ چنانچہ کلمات الشعرا میں ہے:-

”کہ بھوپت رائے بنیم آزاد مشرب بذاق فقر آشنائی  
دار و پیش فقیر مشق سے گزار د“

مخزن الغرایب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیم بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح قانون گو ہی تھا کہ پنجاب کو چھوڑ کر دہلی آگیا اور وہاں شیخ الشیوخ محمد صادق (اینا لھی؟) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔

لے یہ مضمون پہلے ادنیٰ کالج میگزین میں شائع ہوا۔

لے نہایت تعجب کا مقام ہے کہ سٹراے۔ ایف۔ ایم عبدالقادر صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامہ کالج کلکتہ نے اسلامک ریویو ۱۹۲۹ء (ج ۳۔ نمبر ۲) میں ایک مضمون کے دوران میں بنیم کو اکبر کا درباری قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۴۱) یہ قطعاً غلط ہے لے قلمی مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب لے قلمی مملوکہ پونیوڈی لائبریری

شیخ کے دم قدم سے اس وقت دہلی بسطام بنی ہوئی تھی اور فقر و تصوف کا ذوق ان کی بدولت عام ہو گیا تھا۔ بنیم نے بھی انھیں سے کسب سعادت کیا۔

گل رعنا میں لکھا ہے کہ بنیم کو نراین چنرے سے اتنا شغف ہو گیا تھا کہ بالآخر دنیا کو ترک کر دیا۔

سفینۂ خوشگو کا مصنف بندرا بن داس جو بنیم کا شاگرد تھا۔ اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ میں نے عمر کے چودھویں سال میں بنیم سے کسب علوم کیا تھا۔

بنیم نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے پرہودہ چندرنا ملک تصانیف اور مثنوی قصص فقرائے ہند کو ہندستان میں خاص شہرت حاصل ہے۔ علی الخصوص مثنوی فقرائے ہند کو بے حد قبول عام نصیب ہوا۔ شفیق تذکرۂ گل رعنا میں لکھتا ہے کہ بنیم کی کلیات پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ہمیشہ بہار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان دو کتابوں کے علاوہ بنیم نے کچھ اور صوفیانہ رسالے بھی لکھے ہیں جنھیں ”نراین چند“ کے نام پر معنون کیا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ یہ رسالے نراین چند کی بجائے نراین بیراگی کی طرف منسوب ہوں جو بنیم کا گرد تھا۔

بنیم کے دیوان کا ذکر کہیں بھی موجود نہیں۔ اس کی نظیات کا بیشتر کلام | حصہ فقر و عرفان کے جذبات سے لبریز معلوم ہوتا ہے۔ تصوف کا اس کے دماغ پر بہت اقتدار تھا۔ اسی مذہبی اور صوفیانہ ذہنیت کا اثر تھا

لے محل رعنا ربانکی پور لاہوری فہرست ج ۸۔ ص ۱۳۰) لے بانکی پور لاہوری

کہ اس کا کلام زیادہ تر تصوف کے متعلق ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس ہنیم کی مثنوی کے علاوہ اس کی نظم کا نمونہ بہت کم موجود ہے۔ اس لیے اس کے کلام پر جامع تبصرہ کرنا حلاً ممکن سے باہر ہے تاہم تذکروں کے بعض اشعار یہاں نقل کرتے ہیں۔ خان آرزو نے مجمع النفائس میں یہ شعر ہنیم کی طرف منسوب کیے ہیں:-

در فضا ئے عشق جاناں بوالہوس را کا نہ نیست

ہر سرے شایستہ سنگ و منارے دار نیست

ہم چو صبحے از دل خورشید مے آید بروں

وہ چہ جامست این کز و جمشید مے آید بروں

مرا برو کمانے می کشد در برو مے ترسم

کہ این در بر کشید نہا چوناوک دؤرم اندازد

تذکرہ روز روشن میں یہ رباعی ہنیم کے ذکر میں درج ہے:-

دریا در موج و موج اندر دریاست در ذات و صفات حق تفاوت ز کجاست

ای محو حقیقت نظر انگن بجاز بے رنگ بصد رنگ چساں جلوہ نماست

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مثنوی ہنیم کا ایک قلمی نسخہ ہے اس کے

ذیلی اوراق میں ہنیم کی کچھ رباعیات بھی درج ہیں۔ ہم ان میں سے کچھ

یہاں نقل کرتے ہیں:-

ہنیم نقشے ز خود بروں باید بود از چوں بگذشتہ بے چگون باید بود

اعمال بد و نیک بطفلاں بگزارد ہم است (۶) ہم چوں باید بود

بنیم سخن عشق بجز یارگو      سر بیست سر کو چہ و بازارگو  
گر جملہ جہاں از تو حقیقت پرسند      ز نہار جز اقرار ز انکارگو  
عارف کہ زاسرار ازل آگاہ است      گویندش خلق محدود گمراہ است  
در دیدہ حق شناس خورشید نگاہ      ہرزہ کہ بینی ہمہ وجہاں است  
ای دل اگر آں عارض دلجو بینی      ذرات جہاں را ہمہ نیکو بینی  
در آئینہ کم نگر کہ خود ہی نشوی      خود آئینہ شو تا ہیگی او بینی  
ہر گاہ کہ ساز عیش بنیاد کنیڈ      باید کہ دل غمزدہ شاد کنیڈ  
یاراں چو دمے بیک دگر نبینید      بانند کہ از فقیر خود یاد کنیڈ

**مثنوی بنیم** | بنیم کی عام شاعری کے اس اجمالی ذکر کے بعد ہم اس کی مثنوی کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں جیسا کہ پہلے

ذکر آچکا ہو اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ عام تذکرہ نویسوں نے اس کا نام "قصص فقرائے ہند" لکھا ہے لیکن ہماری رائے میں یہ نام صحیح نہیں۔ اولاً اس لیے کہ یہ نام مُصنّف نے نہیں رکھا ثانیاً اس لیے کہ مثنوی کے مضامین صرف فقرائے ہند تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں فقرائے ہند کے علاوہ بعض اور مسلمان اکابر صوفیہ کی حکایات بھی ہیں۔ ہمارے خیال میں اس کو قصص کے نام سے یاد کرنا بھی کچھ زیادہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس میں ویدانت، فلسفہ اور اسلامی تصوف کے نازک اور لطیف مسائل موجود ہیں۔ جن تذکرہ نویسوں نے اس کو قصص کے نام سے یاد کیا غالباً انہیں اس کی حقیقی قدر و قیمت کا احساس نہیں تھا۔

اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے کہ مثنوی کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ فی الواقعہ "بنیم" سے ہی متعلق ہے۔ ہمارے پاس کئی دلائل ہیں مثلاً کتاب

کے اثنائیں بنیم کا نام متعدد بار آیا ہے مثلاً  
بنیم مانیت بنیم زاصل خویش وایا جوید کنار وصل خویش

(ورق ۸)

ہم چومن کس در جہاں خود مباد کافرو مومن چومن بنیم مباد

(ورق ۶۹)

طرفہ عہدے بود بنیم پیش ازیں آں چناں شاہاں فقیراں ایں چنیں

(ورق ۶۲)

شط بنیم، بنیم آمد در کلام شط بنیم نیست چوں شط انام

(ورق ۸۳ ب)

گُل رعنا میں شفیق نے قصص فقرے ہند کے سلسلے میں لکھا ہے کہ  
اس میں بام دیو (نام دیو) کی پُر لطف کہانی موجود ہے چنانچہ یہ قصہ ہمارے  
نسخے کے ورق ۱۱۲ پر شروع ہوتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ اس حقیقت کو  
بے نقاب کر دیتا ہے کہ یہ ضرور کسی ہندو صوفی کی تصنیف ہے۔ چنانچہ ذیل  
کے اشعار اس امر کا اعلان کرتے ہیں:-

منکر ما منکر اہل صفا منکر ما منکر ارض و سما

منکر ما، منکر رام و سیام منکر ما رو سیاہ خاص و عام

(ورق ۹۵)

کتاب میں ہندو اولیا و فقر کی کرامات اودان کے معجزات کا ذکر  
ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت نہیں اور یہ وہ چیز ہے جو مسلمان  
مُستفین کے نزدیک نہایت ضروری اودنا قابل حذف سمجھی جاتی ہے شروع  
میں مناجات کا ہونا ہمارے دعوے کی ذرا بھی تردید نہیں کر سکتا۔ ہندو

انداز خیال، ویدانت کے نکتے، کبیر و نانک کی شطیحات سب اس چیز کو ثابت کر رہی ہیں کہ اس مثنوی کا مصنف بجز "بنیم بیراگی" کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

**شاگردی** | بنیم کی وفات ۳۲۲ھ میں واقع ہوئی تھی اس لیے یہ امر قرین قیاس ہو کہ بنیم نے ملا شاہ اور داراشکوہ کے زمانے کی کچھ جھلک ضرور پائی ہوگی۔ داراشکوہ کا ماحول کچھ اس قدر صوفیانہ اور فلسفیانہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اکثر ہندو منشیوں کے متعلق یہ امر ثابت ہے کہ انھوں نے ترک دنیا کو احساس وجود اور علت زندگی کی مصیبت کے ختم کرنے کا واحد ذریعہ سمجھا۔ منشی چندربھان برہمن نے داراشکوہ کی وفات کے بعد عزلت گزینی کر لی۔ منشی ولی رام ولی نے بھی یہی راستہ اختیار کیا اور کلفت حیات کو ترک کر دے مٹایا اگرچہ بنیم بیراگی کا داراشکوہ کے دربار سے کوئی خاص تعلق معلوم نہیں ہوتا تاہم نراین چند کی محبت میں وہ بھی از خود رفتہ ہو گیا اور پھر اس نگری کی راہ لی جہاں داراشکوہ کا مقام تھا۔ نراین بیراگی اور شیخ محمد صادق کے دو گونہ مواظف سے اس کا قلب مجمع البحرین بن گیا تھا چنانچہ مثنوی میں ہم جا بجا ان دو رنگی موجوں کا اثر پاتے ہیں جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں اسلامی اور ہندو تصوف کا رنگ علیحدہ علیحدہ پائیں گے۔ اسی زمانے میں ملا شاہ (المتوفی ۳۲۷ھ) بہت بڑے صوفی اور عالم تھے۔ یہ میاں شاہ میر لاہوری کے شاگرد تھے اور انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ "مثنوی بنیم" میں مصنف نے خود حضرت ملا شاہ کا ذکر کیا ہے۔

وہ چہ خوش فرمود ملا شاہ ما      شاہ ما آں عارف آگاہ ما  
سین انسان گر نبودے در میاں      اول و آخر نبودے غیر آں  
(رقی ۱۰۶)

ملاشاہ کا اثر | اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنیم ملاشاہ کے خیالات سے بہت اثر پذیر تھا جس کا کچھ سراغ ہمیں مثنوی

میں ملتا ہے۔

مثنوی بنیم اور رسالہ نسبت ملاشاہ میں سے ایک ایک اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں:-

### رسالہ نسبت ملاشاہ

### مثنوی بنیم

گر کہ تصنیف مے سازد کتاب	ہر کہ تصنیف کردہ است کتاب
مے نویسنداراں وہ فصل باب	ہمہ آوروہ است فصل و باب
در کتابم نیست فصل و بابہا	بابہا در بیان ہرچہ کہ گفت
در کتابم نیست تیج و تابہا	اوز ہر باب فصل و باب نگفت
در کتابم نیست جز ذکر خدا	فصل و بابے نہ در کتاب من
مثنویم نیست غیر از یک نوا	عدوے ہم نہ در حساب من
عذریب مست بارغ و حدقم	باب در توبہ و توکل نیست
سوختہ جانے ز داغ و حدقم	فصل در صبر و در تحمل نیست
(قلی ق ۱۶)	فصل من جز کیے سخن نبود
	گرد و گوی است باب من نبود

(قلی ق ۱۶)

مثنوی بنیم کی زبان اتنی زیادہ شیریں اور صاف نہیں نکلتا جتنی جو زبان کی شریعت میں مکروہ سمجھی جاتی ہے بہت زیادہ ہے تاہم مطالب کے اظہار میں بنیم کامیاب معلوم ہوتا ہے جو وہ کہنا چاہتا ہے پڑھنے والے



کے ذہن نشین ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ چل کر تفصیل کے ساتھ بتائیں گے۔  
 رومی کا انداز بیان مثنوی بنیم میں زیادہ نمایاں ہے۔ رومی کے خاص  
 الفاظ، اکرعوا، اے دادخواہ وغیرہ بہت ملتے ہیں۔ اس کے اسٹائل میں  
 تکلف بالکل نہیں اور فصاحت اور بناوٹ سے بالکل بری ہے۔ وہ خود لکھتا ہے:-

آں چہ مے آید بدل از سوئے حق

بے تکلف مے نگارم بر ورق (رق ۹)

## مثنوی کی بعض خصوصیات

اب ہم اس مثنوی کی خصوصیات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے  
 کہ فارسی کے ہندستانی لٹریچر میں بنیم کی مثنوی کو خاص درجہ حاصل ہے  
 چونکہ اس مثنوی کے متعلق پہلے بہت کم ذکر کہیں آیا ہے۔ اس لیے ہم اس  
 کی خاص باتوں کو قدرے تشریح کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں:-

رومی کی صدائے بازگشت | مثنوی بنیم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مولوی رومی  
 بنیم بیراگی کے روحانی استاد تھے مثنوی بنیم

مولانا رومی کے خیالات کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے بنیم مثنوی  
 رومی کا شیلای ہے۔ چنانچہ کتاب کی ترتیب، خیالات کی نوعیت، تصوف کے  
 تفلسف کی جھلک سب باتیں اس حقیقت نفس الامری کو عالم آشکارا کر رہی  
 ہیں کہ اگرچہ ہم نے ملا شاہ، نراین بیراگی اور شیخ صادق قدس سرہ کی  
 تصانیف اور فیوض صحبت کا اثر بنیم پر ثابت کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے  
 کہ بنیم کا اصلی سرچشمہ فیض اور سب سے بڑا منبع عرفان رومی تھا بنیم کی  
 مثنوی یوں شروع ہوتی ہے:-

دل چلید نہا حکایت مے کند  
تا ز اصل خود جدا افتادہ ام  
گاہ و چوں بسمل طیم در خاک و غوں  
گاہ گریم ہم چو ابرو تو ہمار  
گاہ نعرہ مے زخم بر روئے گل  
چسیت آں آتش بدل حب الوطن  
چشم خوبا راں روایت مے کند  
داد بے تابانی چو بسمل دادہ ام  
گہ چو بوئے گل روم از خود ہروں  
گاہ پیچیم ہم چو زلف تابدار  
گاہ مے جو غم بخم در رنگ نئی  
چسیت آں آتش بدل حب الوطن

ربنیم قلمی ورق ۲۱

ان اشعار ابتداء میں کے ساتھ ساتھ اگر مثنوی کے ان اشعار کو بھی پڑھیں  
تو ان کے اندر ایک خاص مماثلت محسوس ہوگی۔

بشنو از فی چوں حکایت مے کند  
کز نیستان تا مرا بربیدہ اند  
سینہ خواہم شرح شرح از فراق  
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش  
آتش عشق ست کا ندر فی قناد  
وز جدا نیہا شکایت مے کند  
از نفیرم مردوزن نالیدہ اند  
تا بگویم شرح درواشتیاق  
باز جوید روزگار وصل خویش  
جوشش عشق است کا ندر مرقاد

رومی - نکلسن ایڈیشن - صفحہ ۲

مثنوی رومی کی دو خصوصیتیں | مولانا شبلی سوانح میں لکھتے ہیں کہ مثنوی  
کی خصوصیات ممتاز دو ہیں پہلی خصوصیت

اس کا طریقہ استدلال یعنی تمثیل کے ذریعے دلیل لانا ہے۔ دوسری خصوصیت  
یہ ہے کہ حکایتوں اور افسانوں کے ضمن میں مسائل کی تعلیم دی گئی ہے۔ بنیم  
نے اس معاملے میں بھی مثنوی کا تتبع کیا ہے۔ یہ رومی کا ہی فیض معلوم  
ہوتا ہے کہ مثنوی بنیم کے اندر کچھ نہ کچھ جذبہ موجود ہے۔ قیاس تمثیلی کو کامیابی

کے ساتھ نباہنے کے لیے تخیل کی بلندی اور خیالات پاکیزہ کی فراوانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ رومی جس بیان کو لیتے ہیں اسے تخیل کے ذریعے اس قدر آسان اور قریب الفہم بنا دیتے ہیں کہ عام سے عام آدمی بھی ان کی اصل بات کو پالیتا ہے۔ بنیم کا تخیل اگرچہ آنا بلند نہیں، تاہم رومی کا ہلکا سا رنگ موجود ہے۔ مثلاً اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ عارف پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اس کے لیے انا الحق کہہ دینا جائز ہوتا ہے تو ایک کہانی کے بعد اس طرح بیان کرتا ہے کہ

آہن اور آتش کند چوں سُرخ رُو      خود انا التارست لافش مؤبُو  
گر برآئینہ نت ابد آفتاب      آں زماں باشد انا الشمس جواب  
گر نقد در بحر قطرہ از ہما      ہین انا البحر ست گوشش ماندا  
آں انا الحق آں زماں گفتن سزااست      دُرِ معنی آں زماں سفتن رواست

مثلاً یہ ثابت کرنا ہے کہ روح انسانی یا اضافی کو جس انسان کے فنا ہو جانے کے بعد کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو اس کے لیے یہ انداز اختیار کیا

ہو کہ

روح انسانی ست یک روح جہاں      روح انسانی ست ہجو آسماں  
گر ہزاراں خانہ ہا برپا شود      نور شمس اندر ہومہ پیدا شود  
در ہزاراں خانہ ہم گرد و غراب      ہم چناں برخواست نور آفتاب  
وحدت و کثرت کے مسئلے کی تشریح کرتے ہوئے یہ انداز بیان اختیار

کیا ہو کہ

وحدت و کثرت تجلیہائے فات      فہم کن حر فم ز روئے التفات  
بحر وحدت تاکہ در آرام بود      ایں جباب و موج ہا گنام بود  
گشت چوں عمان وحدت موجزن      شد جباب و موج دریابی سخن

نقش برآب سنت ہین موج و حباب      فہم کن وا شد اعلم بالقواب  
 چسیت وحدت بحر بے موج و حباب      چسیت وحدت ایں دل بے بیچ و تاب  
 چسیت کثرت جلوہ حسن نگار      چسیت کثرت گلستان نوزہار  
 چسیت وحدت ایں دل بے آرزو      چسیت وحدت ایں گل بے رنگ و بو  
 چسیت وحدت آفتابم درخفا      چسیت وحدت صابنی اہل صفا  
 وحدت و کثرت بود چوں روز و شب  
 ایں سخن بہتر بود در زیر لب

(رق ۹۵ ب و مابعد)

جس طرح رومی نکات فلسفہ اور مسایل تصوف کو تیشلی حکایتوں کے ذریعے عام فہم اور دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح بنیم بھی چھوٹی چھوٹی حکایتیں اور قصے لاتا ہے۔ بعض پیرومرث کے مکالمے کی صورت میں ہیں بعض حیوانوں اور غیر ذی اشیا کی تقاریر ہیں اور بعض نامور بزرگوں کی منقولات ہیں۔ ہم ناظرین کی تفنن طبع کی خاطر بعض حکایتوں کو مع چیدہ چیدہ اشعار کے یہاں نقل کرتے ہیں:-

تصور | ایک دفعہ جنیہ کے کسی مرید نے اُن سے سوال کیا کہ آپ کس کا  
 تصور باندھا کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا بتی کا۔ ایک دفعہ بتی میرے  
 کمرے میں آئی آئے ہی کیا دیکھتی ہو کہ ایک چوہا ایک سوراخ سے نکلا لیکن بتی  
 کو دیکھ کر وہ فی الفور اپنے بل میں گھس گیا۔ اس پر اس بتی نے متواتر کئی گھنٹوں  
 تک نہایت استقلال، ضبط، تمرکز خیال سے انتظار کیا۔ بالآخر وہ چوہا بتی کے  
 پنچے میں آگیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے میں اس بتی کو ہادی راہ سمجھتا ہوں اس سے  
 یہ نتیجہ نکالتے ہیں ے

در طریقت ہا کم از گرہ مباش

چند گویند سخن ہا فاش فاش

ہستی باری کی حقیقت کو یہ مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ مادی دماغ اس کی کہہ کو نہیں پاسکتے لیکن ہم اس کی ہستی کو اس کی صفات سے جان سکتے ہیں۔ اس بحث کو ایک فلسفی اور صوفی کے مناظرے کے ضمن میں بیان کیا ہے جس میں فلسفی کو مسکت جواب دیا ہے اور صحت کے عام ادراک و عیم و جان کی تمثیل سے وجود باری پر استدلال کیا ہے۔ ایک فلسفی ارباب حال پر طعنہ زنی کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لوگ بے سود تلاش میں اپنی عمر برباد کر رہے ہیں جو خود وہم اور قیاس اور خیال سے پاک اور بلند ہو اس کی تلاش اور اس کے ساتھ ملنے کی خواہش بھی جنوں سے کم نہیں ہے

آں کہ باشد پاک از وہم و خیال

عشق از وہم باشد از فکر محال

صحت کی تمثیل | اس کا خیال تھا کہ وجد اور حال سرسری تبلیں ہے اور ان کے اندر ذرہ بھر حقیقت نہیں۔ بے خودی کو جنوں،

استغراق اور تصور کو دیوانگی اور سعی لاحاصل سمجھتا تھا۔ اتفاقاً وہ فلسفی بیمار پڑ گیا۔ ہر چند اس کا علاج کرتے تھے لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوتی تھی۔ ایک صوفی صاحب نے جب فلسفی کی علالت کا حال سنا تو تیمارداری کی خاطر حاضر ہوئے اور پوچھا اچھا یہ تو فرما یہ کہ آپ اس وقت سب سے زیادہ کس چیز کو پسند فرماتے ہیں۔ کہا اس وقت تو صحت ہی مرغوب ترین مطالبہ ہے۔ گفت صحت از تو خواہم ای جواد نیست جز صحت تمنا و مراد گفت صحت چیست برگز و نشان صورت و شکلش بیاورد در بیاں

اوجھ دارد رنگ از سُرخ و کبود  
اوجھ دارد قد و قامت در نمود  
از جما دالتست یا جنس غذا  
یا ز حیوانست در ارض و سما  
درد کا نہا ہست یا جائے دگر  
زود گو با من ازاں صحت خبر  
فلسفی کا جواب ۵

گفت صحت رائے ہا شد نمود  
صحت آمد پاک از جسم و وجود  
اوست نیچوں از کجا گویم نشان  
نیست در کوہ و بیابان و دکان  
صوفی ۵

گفت چوں خواہی تو نیچوں را کنوں؟  
از کجا یا بی تو بے چون و چگون  
اں کہ نیچوں ست چوں آید بدست  
زود گو با من تو اسی دانش پرست  
فلسفی ۵

گفت زان صحت ندانم من خبر  
لیک دانم این قدر اسی دیدہ در  
می رسد چوں صحتم در جسم و تن  
می شوم خندان در بجاں چوں چمن  
تندرست و چاق و فربہ می شوم  
یک جہانم اں زماں وہ می شوم  
ہست صحت بے گماں در روزگار

لیک ناید در نظر اسی ہوشیار

صوفی نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میں 'ذات صحت' کے متعلق سوال کر رہا ہوں اور آپ صحت کے صفات کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ اگر آپ نے صحت کی ذات کو کہیں دیکھا ہو تو وہ بتلائیے۔ یہ تو اس کی صفات ہیں۔  
فلسفی نے کہا ۵

گفت من ذاتش نہ دیدم ہیچ جا  
ذات او پاک ست از چون و چرا  
صوفی ۵

گفت گر از نہ ہب خود بگزری رہ بسوئے ذات صحت می بری  
 ذات صحت ذات حق ست او جوں چوں شوی منکر نہ سیر لامکاں  
 وصف را بے ذات کہ باشد وجود  
 کہ بود بے ذات و عیش در نمود

حقیقت بشری کا علم | ایک فرضی کہانی میں یہ مسئلہ پیش کیا ہو کہ انسان اپنی بے خبری اور چہالت کی وجہ سے حقیقت عالم

کو نہیں پاسکتا ورنہ اگر وہ خود اپنے اندر اپنی حقیقت کے اندر اپنے اصرار کے اندر غور کرے تو اس کو اس حقیقت کا پتا چل سکتا ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہو کہ انسان اپنی خودی کو مٹا ڈالے اور بحر حقیقت میں غوطہ زن ہو جائے۔ گو ہر مقصود اسی خود کشی پر موقوف ہے۔ ساری کتاب میں سے اس کہانی نے سب سے زیادہ راقم الحروف کو متاثر کیا ہے۔ کہانی یہ ہو کہ ایک دفعہ برف مورچ آب کے پاس پانی کی حقیقت کا سراغ نکالنے کے لیے گئی، مورچ آب نے جواب دیا ہو کہ خود میں بھی عمر بھر اس پیچ و تاب میں رہی کہ شاید پانی کا منہ دیکھ سکوں لیکن پانی کا پتا نہ چلا۔ آؤ ہم تم دونوں "حباب" کے پاس چلیں شاید وہ پانی کا پتا دے سکے۔ چنانچہ برف اور مورچ "حباب" کے پاس پہنچے۔ حباب نے کہا کہ میں خود ایک عرصے سے پانی میں اپنا خیمہ تانے کھڑا ہوں اور سراپا آنکھ بن کر اس انتظار میں ہوں کہ شاید کہیں شاہ مقصود سے ہمکاری ہو جائے لیکن افسوس کہ ہنوز کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد بتیم لکھتا ہے۔

طرف ہنگامے و طرف حائے آدمی را ہست چندیں غفلتے  
 پہچ کس از خوشیتن آگاہ نیست پہچ کس را خود دریں جا راہ نیست  
 فضل حق باید کہ تا دل دا شود فضل حق باید کہ دل گویا شود

فضل حق دانی چہ باشد اے جوان  
 برف را گوید کہ پیش آفتاب  
 موج را گوید کہ خود را بشکند  
 باز گوید عارف ما با حباب  
 جملہ کس ما بر تین ہا نظر  
 این تین ہا نباشد جز عدم  
 باطن و ظاہر ہمہ آب آمدہ  
 نام و نقش و موج و برف و ہم حباب  
 نام و صورت نیست جز وہم اے غمو  
 اسی قسم کی ایک اور کہانی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ بہت سی مچھلیاں  
 ایک عمر رسیدہ مچھلی کے پاس "حقیقت آب" کے استفسار کے لیے گئیں اس بزرگ  
 مچھلی نے ذیل کے اشعار میں ان کو جواب دیا۔

غرقہ آبید و از وی بے خبر! این زمانہ باید زدن برنگ سر  
 آب دارد ماہیاں را در کنار ماہیاں در جست و جویش بے قرار

ہر چہ غیر آب باشد در جہاں

زود بنمائید مارا اے مہاں ؟

غرض یہ کہ اکثر مسائل کو رومی کی طرح حکایتوں اور قصوں، مباحثات  
 اور مناظرات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر بتیم کی شنوی سے  
 شنوی رومی کی چاشنی کو علیحدہ کر لیں تو بے مزہ ہو کر رہ جائے بتیم کی  
 سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ ہندو تصوف کو رومی کے رنگ میں  
 پیش کرتا ہے اور اس طرح اہل معنی کے دلوں میں اثر پیدا کر لیتا ہے۔



**تصوف اور ویدانت کی تطبیق** | شنوی بنیم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ویدانت اور اسلامی

تصوف کو تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان ہر دو روحانی سلسلوں کے اتصالی مقامات کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے مثلاً تصور استغراق، بے ثباتی عالم، دنیا کا ایک وہم اور افسانہ ہونا، وحدت الوجود وغیرہ مسائل اسلامی اور ہندو تصوف میں مشترک ہیں۔ ہم ان سب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں:-

**تصور واستغراق**۔ اس کی تشریح ایک کہانی کے ضمن میں کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ زادہ داراشکوہ نے بالاعل سے تصور واستغراق کے متعلق سوال کیا۔ بالاعل نے جو کہ ایک ہندو صوفی تھے ایک مثال کے ذریعے اس نکتے کو حل کیا یعنی ایک ہرن کو جب شکاری اپنے دام میں لے آتا ہے تو پہلے پہل وہ ہرن سخت پریشان ہوتا ہے اور ہر وقت تیج و تاب میں رہتا ہے۔ پھر شکاری آہستہ آہستہ اس کی خوراک کم کر دیتا ہے تا آنکہ وہ ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور اس کمزوری کی وجہ سے نقل و حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ جب صوفی پر یہ مقام آتا ہے تو اسے تصور کہتے ہیں۔ پھر شکاری کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ اب بھاگ نہیں سکتا اور اس کو ایک قسم کا انس ہو گیا ہے تو اس کے بند کھول دیتا ہے اور پھر اس کو آہستہ آہستہ ٹھوڑی ٹھوڑی خوراک دیتا ہے تا آنکہ وہ شکاری کے ساتھ الفت پذیر ہو جاتا ہے۔ اس حالت کا نام استغراق ہے اب کسی قید و بند کی حاجت نہیں رہتی چنانچہ لکھا ہے:-

چوں مانند حاجتش بایند و دام  
ہست استغراق در معنی تمام

راؤمی کا ایک شعر ہے

در میان کعبہ رسم قبلہ نیست  
چہ غم از خواص را پا چلہ نیست

\*\*\*

بے نبتاقی عالم : اس کو ایک افسانے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ افسانہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک لڑکے نے دایہ سے دل خوش کُن کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ دایہ نے کہا ایک ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا جو بے جسم و جان تھا۔ دیارِ بستی کا یہ سلطان مال و منال اور جاہ و شہرت کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس بادشاہ کی ایک نہایت صاحبِ جلال و جلال بی بی بھی تھیں لیکن بدقسمتی سے عقیم تھیں۔ بادشاہ کے اس عقیمہ کے بطن سے دو لڑکے بھی تھے۔ ایک تو عدم سے وجود میں نہیں آیا تھا اور دوسرا لڑکا رنگِ سہتی سے ابھی فارغ تھا۔ یہ شہزادے جب بڑے ہوئے تو اکثر شکار کھیلنے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ایسے باغ میں پہنچے جس میں درخت اور سبزے کا نام تک نہ تھا۔ تاہم ان شاہ زادوں نے ایسا محسوس کیا کہ اس باغ کی رونق خلد بریں سے بھی زیادہ تھی۔ جس میں ہر طرف سرو کھڑے تھے۔ اس بے برگ و نہال باغ سے ان شاہ زادوں نے اچھی طرح میوے کھائے۔ اس باغ میں دو تالاب بھی تھے جن میں سے ایک میں پانی ہی نہ تھا اور دوسرا ابھی تک کھودا ہی نہ گیا تھا۔ پھر وہ تالاب جس میں سرے سے پانی ہی نہ تھا اس کے پانی کی موجیں آسمانِ ہفتم تک پہنچتی تھیں۔ اس تالاب کے اندر ان دونوں شاہ زادوں نے غسل کیا۔ نہادھو کر وہ شکار گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہ شکار گاہ ایک تنکے کی ٹوک پر تھی۔ اس شکار گاہ میں نہ کوئی ہرن تھا، نہ شیر و پلنگ۔ تاہم ان دونوں شاہ زادوں نے دو ہرن

مار گرائے۔ ان میں ایک ہرن ابھی تک رحم مادر میں ہی تھا اور دوسرے کا نقش وجود ابھی تک بنا ہی نہ تھا۔ شاہ زادوں کے خدمت گزاروں نے ان دونوں کو کباب کے لیے صاف کیا۔ اس صحر میں کوئی آگ کا سامان نہ تھا اس لیے مجبوراً ان خدمت گزاروں نے صحر کے گوشے گوشے کو چھان مارا۔ ہزار تلاش کے بعد صحر کے ایک کنارے پر ایک محل دکھائی دیا۔ اس محل میں دو بڑی بڑی دیگیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان دیگوں میں سے ایک بنی ہی نہ تھی اور دوسری بڑی اور بھاری بھر کم چیز معلوم ہو رہی تھی۔

الغرض ان دیگوں میں آگ کے بغیر کھانا تیار کیا گیا۔ کچھ گوشت کباب بنانے کی خاطر آگ پر رکھا لیکن سیخیں موچ آب کی تھیں۔ ناگاہ دو مہمان اس مقام پر وارد ہوئے۔

اُن کا بیان تھا کہ ہم ”وہم وامکان“ کی بستی سے آئے ہیں۔ ان مہمانوں میں سے ایک تو مادر زاد اندھا تھا اور جو دوسرا تھا اس کی آنکھیں دکھائی ہی نہیں دیتی تھیں۔ وہ جو بے چشم تھایوں بولا:-

ایک شہر میں دو ہزار دوشیزہ لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک ابھی شکم مادر سے پیدا ہی نہیں ہوئی اور دوسری رنگ ہستی سے آزاد ہو۔ یہ حسن و جمال میں دنیا میں بے نظیر ہیں اور آفتاب و ماہتاب ان کے حسن کے مقابلے میں ماند پڑ جاتے ہیں۔

جب ان شاہ زادوں نے یہ قصہ سنا تو ان کے دل میں ان لڑکیوں کا عشق جاگزیں ہو گیا اور انھوں نے اس شہر کی راہ لی۔ ایک مدت تک چلنے کے بعد اس شہر میں جا پہنچے۔

جب ان لڑکیوں سے ملاقات ہوئی تو ہزار جان سے اُن پر عاشق

ہو گئے۔ اُدھر لڑکیاں بھی شاہ زادوں کے عشق میں بے جان ہوتی جاتی تھیں۔  
 آخر ان کا آپس میں نکاح ہو گیا۔ ان لڑکیوں کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے  
 جن میں سے ایک ابھی عدم کی قیود سے آزاد ہی نہ ہوا تھا اور دوسرا ابھی  
 شکم کا زباناں نشین تھا۔

جب وہ شاہ زادے اس طرح بامراد ہو گئے تو وہ اپنی بستی کی طرف  
 واپس آئے اور جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے بعد نیم اس  
 کہانی کو ان اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

ایں جہاں مانند ایں افسانہ است	ہر کہ بند دل دریں دیوانہ است
غافل طفلند و ایں عالم چہ خواب	یا خیال و یا حباب و یا سراب
غافل را چشم بر صورت کشاد	عاقلاں را دیدہ بر معنی نقاد
چشم معنی ہیں اگر حاصل شود	صورت ہر دو جہاں زایل شود
بھر ہیں باید نہ ایں جا موج ہیں	گر چہ در موج است آن بحر یقین
آں دو تالاب و دو آہو و دو پور	معنی کوئین آمد بے قصور
آں کیے فانی و دیگر مبہم است	آں کہ زیں معنی شد آگہ بنغیم است
آں چہ آمد در نظر وہم است و خواب	یا سرابے ہست یا نقشے پر آب

ایں ہمہ خال و خط آمد بر وجود

ایں ہمہ آید عوارض در نمود

دنیا کے مبہم ہونے کا مسئلہ عام طور پر مسلم ہو۔ اس گپتانے اپنی کتاب  
 تاریخ فلسفہ ہند میں اس مسئلے پر کافی بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

کہ دنیا محض نمود ہے، سراب ہے۔ اس کی ظاہری دل آرائیاں بے حقیقت  
 ہیں اور ان کا صحیح علم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ہم ”برہم“

کو نہ پالیں اور اس کو پالینے کا اور بالآخر حقیقت عالم کے جان مینے کا ایک ہی طریقہ ہو اور وہ یہ ہو کہ ہم اپنی عارضی ہستی کو ہستی شکل میں محو کر دیں پھر ہمیں معنی بین آنکھ حاصل ہو سکتی ہو اور جب تک دل تمام دوائی نفسانیہ اور خواہشات سے پاک نہ ہو سکے۔ صداقت کا راستہ مناسک ہو رہا اس گیتا

(۲۴۳۰)

اصل علوم خدا کی ذات ہو | ویدانت کا ایک اور مسلم مسئلہ ہو کہ تمام علوم کا مرکز اور اصل ذات خداوندی ہو۔ بتیم نے اس مسئلے کو شیخ شری اور حنیف کے مکالمے کی صورت میں بیان کیا۔ شیخ شری نے ایک دفعہ حضرت حنیف سے سوال کیا کہ دنیا میں اصل علوم کیا ہو؟ حنیف نے جو جواب دیا اسے ہم بتیم کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

ذات اللہ است اصل ہر علوم      نیست صرف و نحو و طے و نجوم  
اصل جملہ علمہا ذات خداست      کہ فر و غش روشن این ارض و سماست  
گفت دیگر چیست گفت غیری  
نیست چیزے در زمان و در زمیں

کرامت عوام و کرامت خواص | عام لوگ کرامت اسی چیز کو سمجھتے ہیں کہ کسی شخص سے خارق عادت صادر ہو۔ لیکن بتیم ایک صوفی ہو۔ اس کے نزدیک یہ کرامت نہیں۔ وہ کہتا ہو:-

ایں کرامت نیست منظور نظر      ایں کرامت دوست دارد بے خبر  
ایں کرامت ہست پیش اہل دل      کاں کشد پایت بروں اناب و گل  
جہل دنا وانی ز تو دور افگند      سکے دانش ترا بردل زند

گناہ کی حیثیت | ارباب تصوف بالعموم گناہ کو عذر اور مغفرت کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر گناہ نہ کیے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بطلان لازم آتا ہے۔ تو لے الذنب ذنب، مشہور مقولہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ توبہ انسان کو گناہ سے باز رکھتی ہے اس لیے توبہ سے توبہ کرنا اصل توبہ ہے۔ چنانچہ بنیم لکھتا ہے

جرم دارد فضل حق را در کنار	تحفہ جرمے برود در دست آر
جرم گر بیش ست فضلش بیش ہست	در بود کم خاطر کم زوریش ہست
جرم چندانے کہ مے خواہی بکن	لیک گا ہے در عبادت پا مزن
ترک توبہ، توبہ آمد ای مہاں	توبہ از توبہ کنید ای مہتراں
توبہ از توبہ چہ باشد ای عزیز	بر کشیدن خویش را از ہر تیز

(۴۹ ب)

چنانچہ کبیر نے ایک دفعہ کہا تھا  
نام حق گر شد فراموش خوب شد  
خوب شد از سر بلا مغلوب شد

## الہیات

عشق اور خدا | بنیم نے ذات خداوندی کے متعلق عجیب عجیب خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک مقام پر ”عشق اور خدا“ کو ایک ہی چیز کہا ہے

گفت آن شیخ عرب اندر کلام  
نیست معبود جہاں یک کس تمام

ہست گر معبود عالم یک کسے  
نہست غیر از عشق پیش حق رسے

دہر اور اللہ | بنیم کے نزدیک دہر بھی خود خدا ہی ہے۔ گیتا کے ایک بیان کے  
حوالے سے باس دیو کا قول نقل کرتا ہے جس میں کہتا ہے کہ "خدا  
میرے سایہ دیوار میں رہتا ہے۔ ایک مغربی حکیم کا قول بالکل اس کے مشابہ  
ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "خدا انسان کی سب سے بڑی مخلوق ہے۔" بنیم نے اپنے اس  
قول کو مسلمان صوفیوں کے اقوال کی مدد سے زیادہ پُر زور بنایا ہے۔

اں کہ اللہ ہست نامش در انام	اں کہ اللہ ہست نامش در انام
اد بود در سایہ دیوار من	اد بود در سایہ دیوار من
تو تش از قوت پشتم بود	تو تش از قوت پشتم بود
ایں سخن کا نست کاں بحر صفا	ایں سخن کا نست کاں بحر صفا
"علم حق در علم صوفی گم شود	"علم حق در علم صوفی گم شود
یا بود ایں اں سخن کاں مرد حق	یا بود ایں اں سخن کاں مرد حق
"من دو سالم از خدائے خود کلاں	"من دو سالم از خدائے خود کلاں

"من بزرگم از خدائے خود دو سال

فہم ہا باید کہ دریا بد مقال"

بنیم کے نزدیک خدا بھی محال پر قادر نہیں۔ کیونکہ اگر  
قدرت بر محال | وہ محال پر قادر ہو تو وہ اپنے جیسا خدا بھی بنا سکے۔

اگر خدا چاہے کہ انسان کو اپنی حدود مملکت سے باہر نکال ڈالے تو نہیں نکال  
سکتا۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا تھا کہ خدا انسان کو نیست سے ہست  
کر سکتا ہے اور پھر ہست سے نیست۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا محال پر قادر ہے۔

بنیم اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ جو چیز کبھی "ہست" ہو سکتی ہے اس کو نیست نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے یہ نظریہ باطل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شے بجز خدا هست نہیں لہذا کوئی شے نیست نہیں۔

**منظاہر** | بنیم کے نزدیک صفات اور مظاہر، ذات اور اصل خداوندی کے سائر نہیں بلکہ حقیقت میں صفات ہی ذات کے چہرے سے پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ چونکہ صفات دنیا میں اللہ تعالیٰ کا مظہر ہیں اس لیے انھیں کو ذات تک رسائی کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔ دراصل صفات ہی ذات ہے۔

رنگ و صورت گر چہ وہم اندامی پسر      برہت لیکن دو سہم اندامی پسر  
گر بظاہر سائر ذات آمدند      درنگاہت جملہ آیات آمدند  
رنگ و صورت ہم نباشد غیر حق      غیر حق آمد کجا اندر سبق  
غیر حق نبود چو در کون و مکان

پس چہے پری زمن امی جسم و جاں

بنیم نے ذات، صفات، توحید، تنزیہ، تشبیہ، وحدت، کثرت، وجود، عدم، مہر و قہر، جمال و جلال، مطلق اور منفید وغیرہ پر بھی کافی بحث کی ہے۔ وہ خداوند تعالیٰ کی ذات کو اصل سمجھتا ہے لیکن انسان اور کائناتِ عالم سب ذاتِ خداوندی کے اجزائے الاینفک ہیں۔ خدا کو جو لوگ منزہ مانتے ہیں وہ بھی غلط ہیں اور جو مشبہ مانتے ہیں وہ بھی غیر صحیح۔ اصل بات یہ ہے کہ ذات بے صفت منزہ ہے اور صفات مشبہ ہیں۔ اسی طرح وحدت تو ذاتِ خداوندی ہے لیکن اس کی صفات "کثرت" ہیں اور یہ کثرت حقیقت میں وحدت کا مظہر ہے۔ بنیم نے مہر و قہر، جمال و جلال کو اللہ تعالیٰ کی دو صفات قرار دیا ہے۔ یہ یانوان لوگوں کا عقیدہ ہے جو خدا کو قادر مطلق مانتے ہیں یا زروشتیوں کی



طرح یزداں واسہرمن کے قایل ہیں۔ ایک ویدانتن کے نزدیک تہر اور جلال کوئی شے ہی نہیں۔ مایا کی کار فرمایاں گنہ کا خیال ملنود اور سرب سے زیادہ کچھ نہیں۔ بظاہر بتیم نے یہ خیال اسلامی تصوف سے اخذ کیا ہے۔

**ذات واجب** | ذات واجب کو ایک سمندر سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں ہزاروں موجیں اچھل اچھل کر بلند ہوتی ہیں لیکن پھر سمندر میں مل جاتی ہیں۔ کائنات ارض اور لاکھوں کرٹروں آسمان اس کی وسعت ذات کے اندر مدغم ہو سکتے ہیں۔

ذات حق آمد چو تخم اندریاں چوں شجر عالم بود و روی نہاں  
در تعین ہاست چوں کثرت نما زیں سبب گفتند اورا ماسوا  
چوں محیط جملہ آمد ذات حق آسماں خوانند اورا در نظر  
بتیم نے ایک اور نکتہ بھی پیا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ کو 'نست' بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ جو اس مادی جسم و صورت سے فارغ ہے جس کے اندر ماوشما کی فطرت نہیں اس کو 'نست' بھی کہہ دیا جائے تو کچھ ہرج نہیں۔

آں کہ پاک از فطرت ماوشماست  
نست گر گویند اورا ہم رواست

**وحدت وجود** | وحدت وجود کا مسئلہ صوفیہ کا سب سے بڑا اصل الاصول ہے۔ صوفیہ کے خیال میں توحید کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا دنیا میں کوئی شے موجود ہی نہیں یا جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی خدا ہے۔ دنیا میں تعدد اور کثرت جو محسوس ہوتی ہے وہ محض اعتباری ہے اور زیادہ قابل توجہ نہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کہتے ہیں۔

..... کہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

مولانا روم بھی فرماتے ہیں ہے

گر ہزاراں اندیک کس پیش نیست

جز خیالات عدد اندیش نیست

بتیم بھی ایک صوفی ہونے کے لحاظ سے وحدت الوجود کا زبردست

متغیر ہے

گر ہمہ ارواح یا اجسام ہست	جلوہ آں یا رسم اندام ہست
گر ہمہ تحقیق یا تقلید ہست	منظر یک جلوہ توحید ہست
گر ہمہ مشہود یا موہوم ہست	ورہم موجود یا معدوم ہست
گر ہمہ انواع یا اشخاص ہست	ورہم عام ست یا خود خاص ہست
چہ بساط و چہ جواہر چہ عرض	چہ ہمہ بے مطلبی و چہ غرض
چہ قوی و چہ طبایع چہ حواس	چہ امید و وہم و چہ خوف و ہراس
چہ کواکب چہ جماد و چہ نبات	چہ ہمہ افعال و آثار و صفات
فی الحقیقت نیست غیر از یک وجود	ایں چنیں گویند ارباب شہود

## انسان

وحدت نسل انسانی | بتیم کے نزدیک تمام نسل انسانی بلکہ تمام ذوی الارواح ایک ہیں۔ یہ ان کا ظاہری اور اعتباری فرق ان کے

ذاتی علویں کوئی فرق نہیں پیدا کر سکتا۔ کفر و ایمان بھی ایک نور کے دو شعلے

ہیں۔ اصل میں ذات سب کی ایک ہے

کافرو مومن فرنگی و یہود ارمنی و گبر و ترسا و جہود

ہیچ کس از جود حق محروم نیست      سترایں معنی کبس مفہوم نیست  
 ہر ہم را داد ایزد دست و پا      ہر ہم را داد حق برگ و نوا  
 بتیم نے وحدت نسل انسانی پر بہت زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ  
 شکر آچاریہ کا ایک قصہ بیان کرتا ہے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ شکر آچاریہ دریا پر  
 نہانے کے لیے تشریف لے گئے ان کے ساتھ ساتھ ایک خاک روب بھی چلا  
 گیا۔ جب شکر آچاریہ جی نے اپنا اسباب دریا کے کنارے پر رکھا تو خاک روب  
 نے بھی اپنے کپڑے وغیرہ ان کے کپڑوں میں ملا دیے۔ اس پر شکر آچاریہ جی کو  
 بہت غصہ آیا۔ انھوں نے اپنے کپڑوں کو دریا میں غوطہ دیا۔ خاک روب نے  
 بھی جواباً اپنے کپڑوں کو دریا میں غوطہ دیا۔ شکر آچاریہ جی اس بات پر بہت برہم  
 ہوئے اور کہنے لگے کہ تیرا یہ عمل نہایت بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ تجھے یہ معلوم نہیں  
 کہ میں شکر آچاریہ ہوں اور یہ تیری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ تیرے کپڑے مجھ  
 سے چھو گئے ورنہ تو کہاں اور ہم کہاں۔ خاک روب نے کہا کہ جب تیرے کپڑے  
 میرے کپڑوں کے ساتھ مل جانے سے نجس ہو سکتے ہیں تو میرے کپڑے بھی ناپاک  
 ہو سکتے ہیں ۛ

گفت آن کناس اے مرد سفیہ	یک زماں نشستہ پیش فقیہ
چشم تو بر پیشہ و کسب اوقاد	دانش و ہوشتم تمامی شد بباد
تو کسب و صورتی کردی نظر	از رہ معنی نقادی بے خبر
تو کہ غیر از حق نداری بر زبان	از کجا کناس گفتی این زماں
کافرو مومن فرنگی و یہود	ارمنی و گبر و ترسا و جہود
جلوہ ہائے ذات من ہست ای جواں	غیر ذاتم کیست در کون و مکان
گر بہ بند چشم صوفی سوئے غیر	باز ماند مرکب صوفی ز سیر

پاکئی تن نیست مقبول خدا پاکئی دل هست پیش حق روا  
جب شکر آچار یہ نے خاک روبر سے یہ ہائیں سنیں تو از خود رفتہ ہو گئے  
اور کہنے لگے ۛ

خوشین را این زماں بشناختم سر باوج معرفت افراختم  
پیش ازیں چشم خرد بوج میں بحر میں شد ایں زماں چشم از یقیں  
حقیقت الحقائق | بنیم کے نزدیک انسان مقصد کائنات ہے، مرکز حیات ہے  
جامع صفات خداوندی ہے، مظہر ذات ہے، انسان کی  
حقیقت سے انکار کرنے والا خدا کا منکر ہے حقیقت الحقائق سے انکاری ہے انسان  
اگر نہ پیدا ہوتا تو شاید دنیا ہی بروئے کار نہ آتی ۛ

گلشن عالم تجلی گاہ تست نیمہ افلاک در دواہ تست  
ایں زماں و آسمان و مہر و ماہ گردش دوران صبح و شام گاہ  
جلوہ ہائے ذات تست اے نوجواں نیست غیر از ذات پاکت در جہاں  
شبلی و منصور در عالم توئی ظلمت و ہم نور در عالم توئی  
ہم توئی ابلیس مرد و جہاں ہم توئی مقبول و مسعود زماں  
وحش و طیر اندر جہاں جملہ توئی خوب و زشت اندر زماں جملہ توئی  
ہم نہالی، ہم تبر زن، ہم تبر ہم گلی، ہم برگ و ہم شاخ و ثمر  
ہم توئی پرویز و ہم شیریں توئی ہم توئی ملکین و ہم تلویں توئی  
ہم توئی بلی و ہم محبوں توئی ہم توئی مسرور و ہم محزون توئی  
مراتب ششہ کا جامع | صوفیہ کائنات کو چھ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جن  
کو مراتب ششہ کہتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱) وحدت حقیقی کا مرتبہ جہاں وحدت ذات کے بغیر کوئی چیز موجود

نہیں۔ وہ ذات بے صفت کی جلوہ گاہ ہے۔ لم یکن معاً شیئی،  
(۲) عالم معنی۔ جہاں اعیان ثابتہ کا اندراج ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت  
اصل بھی مخفی ہے۔

(۳) عالم ارواح (۴) عالم مثال

(۵) عالم اجسام

(۶) مرتبہ انسانی۔ یہ رتبہ پانچوں مراتب کا جامع ہے۔

جامع جملہ مراتب ذات اوست	ہر دو عالم در پڑ اثبات اوست
حقیقت انساں مظہر ذات و صفات	چسیت انساں چشمہ آب حیات
ہیچ وصف نیست از اوصاف خدا	کاں نشد در ذات انساں بر ملا
ہم سمیع و ہم علیم و ہم بصیر	ہم مرید و ہم کلیم و ہم قدیر
وصف ہفتم ہست حی لا موت	کو بود شایستہ حمد و نعت

در میان موج و دریا آب تست	در میان ماہ و انجم تاب تست
در بزم و زیری چو آہنگ صداست	در سپیدی و سیاہی یک ضیاست
عین اشیای و سہ ز اشیا جدا	جز تو دیگر کیست در ارض و سما
پہن تر از چرخ پہنا ورتوئی	گر کنی باور ز من داور توئی
تو ہماں ذاتی کہ آمد در بیاں	نوبش را بشناس و خود را کم بیاں
آں توئی کاں بے بدن داری وجود	از تو آمد عالمے اندر نمود

انسان کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا ڈالے،  
**خودی کا استیصال** | اپنے آپ سے غافل ہو جائے تب وہ اس بات کی  
تہ تک پہنچ سکتا ہے، تب وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ ہم جن مصیبتوں

اور تکلیفوں میں مبتلا ہیں ان کی وجہ یہی ہو کہ ہمارے دماغ میں احساس وجود موجود ہو۔ اگر ہم اس وجود کی علت سے رہائی پا جائیں تو ابدی خوشی ادائیگی مسرت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ خود فراموشی اور بے خبری ہمیں خدا کا محبوب بنا سکتی ہو۔ شیخ ابوسعید کا قول ہر صغ

بامارسہ نشین دبا خود منشین

بتیم نے بے شمار مقامات پر اس چیز پر زور دیا ہو اس کا عقیدہ ہو کہ خوف و ہراس، غم اور مصیبت سب اسی وجود کے طفیل ہو۔ اگر اس وجود کا خاتمہ ہو جائے تو یہ تمام شکایات رفع ہو سکتی ہیں۔

گر کمال خویش خواہی ای جواں      دُور افکن خوشیقن را از میاں  
تا تو خود را بر بنداری از میاں      کہ شوی آگہ ز اسرار ہنہاں

## روح

روح کے متعلق فلسفیوں میں اختلاف ہو۔ موجودہ فلسفے میں روح 'ادراک' کا نام ہو۔ روح کو وہ کوئی ایسی مستقل چیز نہیں سمجھتے جس کا تعلق خاص شخص کے ساتھ ہو۔ ہر شخص کی خاص روح نہیں ہوتی بلکہ ان کے نزدیک تمام دنیا کی ایک روح ہو جو آفتاب کے نور کی طرح یا آسمان کی طرح تمام نشانوں پر حاوی ہو۔ وہ انسانوں کے اندر زندگی بھر رہتی ہو۔ جب انسان مر جاتا ہو تو روح کو کوئی نقصان یا گزند نہیں پہنچتا بلکہ روح ویسی کی ویسی ہی موجود رہتی ہو۔ حکماء اسلام میں سے رومی کا یہ خیال ہو کہ روح جسم سے علیحدہ ایک جوہر نورانی ہو۔ جسم کے فنا ہونے سے اس پر اتنا ہی اثر پڑ سکتا ہو جتنا ایک کاریگر پر ایک خاص آلے کے چلے جانے سے۔ بتیم نے بھی مثنوی میں اسی قسم کے

خیال کا اظہار کیا ہو اور اس عقیدے کو نانک جی کی طرف منسوب کیا ہو کہ خرابی بدن کے بعد روح انسانی کو کوئی گزند نہیں پہنچتا بلکہ وہ بالکل متاثر ہی نہیں ہوتی۔ روح انسانی یا روح اضافی ساری دنیا کی ایک ہی روح ہو اور وہ فنا نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق کسی مکان سے نہیں اور نہ کسی زمان سے ہو۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح قائم رہتی ہو۔

گفت نانک در کلام خوشیتن چوں کند پرواز جان از قید تن  
بے توقف مے شود چوں آسماں سر مخفی بود من کر دم عیاں  
ایک شخص نے کسی عارف سے پوچھا کہ خرابی بدن کے بعد روح کہاں

جاتی ہو۔ عارف نے جواب دیا

گفت عارف با کلام در جواب روح انسانی ست ہچوں آفتاب  
روح از جائے نیامد در جہاں تاکند چوں کارواں نقل از مکان  
روح انساں گر ز جائے آمدے منزلش در فہم درائے آمدے  
چوں معاد و مبداءش ذات خداست بازگشت او چہ دائم در کجاست  
روح انسانی ست یک روح جہاں روح انسانی ست ہم چو آسماں  
گر ہزاراں خانہ ہم گرد و خراب ہچناں بر پاست نور آفتاب

## دہر

فلسفے میں 'دہر' کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ بتیم نے بھی دہر کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اس کے نزدیک دہر اور ذات باری میں کوئی فرق نہیں جس طرح ذات باری میں وحدت و کثرت کا سلسلہ موجود ہے۔ دہر کائنات کے اندر جاری و ساری ہے۔ سارے عالم پر حاوی ہے۔

دنیا میں اختلاف شتون دہر ہی کی وجہ سے ہو۔ ہر شے دہر کی تابع ہے۔ 'دہر' اللہ کی طرح ذات باری کا جامع ترین نام ہے۔

دہر اسم اعظم اللہ ہے	جلوۃ انوار مہر و ماہ ہے
عارفان و عاقلان و عالماں	ساجد دہر اند جملہ بے گماں
جامع اسماست چوں اسم آکہ	پس چہ ہے پرسی زمین اے دادخواہ
جامع اسماست، اسم اللہ و دہر	روبو وحدت آ رہے رو سوئے قہر
نغمہ ام درگوش کن اے مرد راہ	لا قسب اللہ ہر برخواں و فرشاہ
خود انا اللہ ہر تہ بگفتا در کلام	پس چہ ہے پرسی زمین اے ناتمام
من چو غیر از حق ندیدم در جہاں	پس چہ خواہم دہر را اے نورجاں

## تجدد و امثال

یہ سائنس کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جسم کے اجزا جلد جلد فنا ہوتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے نئے اجزا آتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد انسان کے جسم میں سابق کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا بلکہ بالکل ایک نیا جسم پیدا ہو جاتا ہے لیکن چونکہ فوراً پرانے اجزا کی جگہ نئے اجزا آ جاتے ہیں اس لیے کسی وقت پہلے جسم کا فنا ہونا محسوس نہیں ہو سکتا۔ رومی کا قول ہے کہ

پس ترا ہر لحظہ مرگ در جفتے ست مصطفیٰ فرمود دنیا ساعتے ست  
ہر نفس نو مے شود دنیا و ما بے خبر از نوشدن اندر بقا  
عمر ہم چوں جوئے نو نو مے رسد مستمر مے نماید در جسد

بنیم بھی اس طرح کا خیال ظاہر کرتا ہے کہ

بر تجدد ہم کمن یک رد نظر تا شود کشوف رازت سر بسر



ہیں وجود و این عدم کا کاروبار  
 تا کنی معلوم ستر ذوالمنن  
 چشم بکشاہی عزیز نیک نخواست  
 خالق طبقات جسم و جاں شود  
 رفتن خوردیش لیکن کس ندید  
 گردنت نبود خبر احوال و جاں  
 آں نومی را عیبت حال مولوی  
 آں نومی در کھنگی شد موبو  
 جاہا پوشند تازہ ہر زباں  
 مزرعہ ام پختہ شد باید درو  
 تانشینی در صعب اہل یقیں

ہست در تجدید امثال آشکار  
 یک نظر بر نطفہ خود ہم بکن  
 اندک اندک بر ترقی ہاے او  
 نطفہ ات بگرچہاں انساں شود  
 رفت خوردیش کلائی شد پدید  
 آمد و رفت است این جا این جاں  
 کھنگی شد مستعد آں نومی  
 کھنگی رفت و نومی آورد رؤ  
 آدم و حیواں نبات احوال و جاں  
 ہر سہ را خلعت دہد حق نوبو  
 این تجدید در ہمہ افراد ہیں

ان مسائل کے علاوہ اور بھی بہت سی کام کی باتیں ہیں جن کو ہم  
 بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے بتیم کے حالات  
 پر کوئی رائے زنی نہیں کی اور حتی الوسع اس ہندو فلسفی کے خیالات کو من و  
 عن پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کے لیے اس مثنوی کا مطالعہ  
 دل چسپی سے خالی نہ ہوگا اور ایک ہندو فارسی داں کے فلسفیانہ خیالات معلوم  
 کرنے والوں کے لیے کافی فائدہ بخش۔

# اقتباس از بدائع وقائع

## مصنفہ اندرام مخلص

لالہ اندرام مخلص کا حال اور نٹیل کلج میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۶ پر سید محمد عبداللہ نے لکھا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں پرشین لطیف پور حصہ دوم جز ۳ صفحہ ۶۱۲ پر پروفیسر سٹوری نے بھی اس کا حال دیا ہے، وہاں دیکھنا چاہیے۔ اس وقت اس مصنف کی تصنیف بدائع وقائع سے ایک اقتباس درج کرنا مقصود ہے جو تاریخ پنجاب سے تعلق رکھتا ہے۔

بدائع وقائع کے بعض اجزاء کا انگریزی ترجمہ شایع ہو چکا ہے (دیکھو حواشی صفحات آئندہ) مگر کامل کتاب کسی مصنف کے پیش نظر نہ تھی اس لیے کتاب کا پورا حال اب تک سامنے نہیں آیا۔ چند سال ہوئے لاہور کے کشمیری پندتوں کے ایک علمی گھرانے سے اس کتاب کا کامل نسخہ میں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لیے خریدا۔ اس نسخے سے کتاب کی مفصل کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے۔ بدائع وقائع کے بعض اجزاء بادلین، رام پور اور علی گڑھ میں ہیں۔ علی گڑھ والا نسخہ راقم سطور نے دیکھا ہے۔ اس کا نمبر ف۔ ۱۱۲ ہے، ورق ۷۱، سطور ۱۵۱۵ (۱۵۱۵) ہوں کہ صفحات کی پیمائش میرے پاس محفوظ نہیں ہے) اس نسخے میں بدائع وقائع

۱۵ ایڈٹ اور سٹوری نے کتاب کا نام "تذکرہ اندرام مخلص" لکھا ہے مگر خود مصنف نے کتاب کا نام بدائع وقائع رکھا تھا۔ ایڈٹ نے جو نسخہ استعمال کیا وہ قلم ضیاء الدین خاں رئیس لوہارو کی ملکیت تھا (پرنسپل محمد شفیع صاحب تذکرہ نقل از اورینٹل کلج میگزین با حازت خاص)

کی صرف تین فصلیں ہیں یعنی

- (۱) واقعہ ایست نادرا لم (پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے ص ۱۱۴ تا ۱۶۹ ب کا مواد) سٹوری کے ہاں اسی فصل پر تذکرہ کو مختصر سمجھا گیا ہے۔
- (۲) نسخہ سوانح احوال (= نسخہ پنجاب یونیورسٹی ۲۲۹ ب تا ۲۳۳ ب)
- (۳) احوال سیزدہ روزہ سفر گڑھ مکتیسر (= نسخہ پنجاب یونیورسٹی ۱۸۰ تا ۱۹۲ ب)

علی گڑھ کے نسخے کے آخر میں لکھا ہے:-

”دبست (کذا) چہارم ذی قعدہ سنہ صد ۱۱۶۰ھ  
دو گھڑی روز بند شدہ بہ حویلی قدیم شاہ جہاں آباد بہ خط فقیر  
اندرام صورت تحریر پذیرفت“

اس عبارت سے بعض لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے لیکن اس نسخے میں بعض فاضل غلطیاں موجود ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے یہ باور نہیں آسکتا کہ مخلص جیسا ذی علم مصنف ان غلطیوں کا ارتکاب کرے۔ پروفیسر محمود خاں شیرانی کے کتاب خانے میں ایک نسخہ رباعیات مخلص کا ہے جو بخط مصنف ہے۔ اس کا خط علی گڑھ کے نسخے سے مختلف ہے اور تانا پختہ ہے کہ اس پر گمان خط مصنف ہونے کا بے شک ہو سکتا ہے۔ اس نسخے کے آخری صفحے کا عکس اس رسالے میں حوالے کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے نسخے میں (ورق ۱۹۲ ب پر) اوپر کی عبارت کی بجائے لکھا ہے ”نقل از نسخہ لالہ اندرام مخلص“ مگر اسی نسخے کے ورق ۲۲۶ ب پر لکھا ہے ”ابن اجڑے چند..... در ایام آمد آمد زمستان بخط فقیر اندرام مخلص با تمام رسید“ پس ظاہر ہے کہ کاتب نے بعض عبارتیں اصل نسخے سے

لے ان فصلوں کی ترتیب پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے مطابق نہیں ہے۔

بعینہا نقل کردی ہیں اور بعض جگہ یہ لکھ دیا ہے کہ مُصنّف کے نسخے سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح علی گڑھ والے نسخے میں ”بہ خط فقیر اندرام“ غالباً مُصنّف کی اپنی تحریر نہیں بلکہ کسی کاتب کی ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کا حال | پنجاب یونیورسٹی کے نسخے میں ۲۸۶ ورق ہیں تقطیع ۱۱ انچ x ۷ انچ ہے۔ فی صفحہ

۱۵ سطور ہیں۔ کتاب کی پہلی فصل رجب ۱۱۴۵ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے اور خاتمے کی تاریخ ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ ہے۔ مصنف ۱۱۶۲ھ میں فوت ہوا۔ کتاب میں جاہجا واقعات کی تاریخیں دی گئی ہیں۔ ایک جگہ (ص ۱۱۶ پر) ساعت تحریر ۱۴ ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ اور دوسری جگہ (ص ۲۳۴ پر) ۲۹ جمادی الاول ۱۱۵۹ھ دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی مختلف فصلیں مختلف سنوں میں لکھی گئیں یعنی جب واقعات مندرجہ کتاب وقوع پذیر ہو رہے تھے یا عنقریب ہو چکے تھے۔

فہرست محتویات بدائع وقائع | مُصنّف نے مختصر سے دیا ہے میں حمد کے بعد لکھا ہے کہ میں ایام بہار میں ایک دن

گوشہ تنہائی میں بیٹھا تھا کہ مجھ کو خیال آیا کہ اساتذہ سلف جنہوں نے علم تاریخ کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے دوسرے لوگوں کے سوانح تو لکھے مگر اپنے احوال کو قلم بند نہ کیا ”اگر فقیر بعض حالات خود را بقلم آرم خالی از نطفی نخواہد بود بلکہ بتفریح خاطر عاظر را باب وجد و حال کہ سر خوشان نشا گمال اند خواہد افزود“ اس لیے یہ چند اوراق لکھ کر ان کا نام بدائع وقائع رکھا۔

مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

ورق ۱۲؛ خوش نوائی عند لیب قلم از رنگیں بیانی برگ گل در منتقار،

درچہستان نگارش بعضی سوانح برہمیں یادگار (محمد شاہ کے زمانے میں اور نواب غلام الدین و لہ پین بہادر نصرت جنگ کے ہم رکاب رجب ۱۲۵ھ کے پہلے عشرے میں مصنف کا سیر و شکار کو جانا) اسی ذیل میں تعریف سرشرف (ورق ۳۱) اور تلام بحرمعانی چون علاج و اگستہ عنانی دادہ بتقریب تسوید کیفیت سیر عالم آبی کہ راقم صرف راتفاق اقتادہ (ورق ۱۶) کے عنوان بھی ہیں۔

ورق ۸ ب، توجہ ہمایوں رقم خامہ مشکبار تجریر شرح جشن طوی نور چشم کو مگار (لالہ فتح سنگھ کی شادی کا حال جو بہت دھوم دھام سے ۱۲۵ھ میں رچائی گئی، اس تقریب کے ضمن میں مصنف نے 'وقایع حضور علی' اور سوانح و بار بار بھی بیان کیے ہیں (۱۸) ۲۱ ب اور ۲۳ ب تا ۲۶) پہلے عنوان میں مرہٹوں کے خلاف ہم کا ذکر بھی ہے۔

ورق ۳۱ ا۔ سوانح فوج نصرت موج نواب صاحب وزیر الممالک مدار المہام سپہ سالار و احوال گوشمالی بواقعی بھگومت لعین مقہور بادنی سنی بہادران لشکر ظفر اثر [اس کے متعلق دیکھو انشاے انار رام طبع دہلی ۱۲۶۸ھ ص ۳۰]

ورق ۳۵ ب۔ متوجہ گردین نواب صاحب وزیر الممالک بہادر مدار المہام براہ کمن پور بارادہ تحصیل سعادت ملازمت حضرت خلیفہ دین و دولت بجنور پڑ نواز۔

ورق ۳۸ ب ..... حکایت شوریدہ حالی ..... (۱۲۶ھ) ۳۵ جلوس کا ایک سانحہ عشق و محبت ہو شاہ جہاں آباد میں واقع ہوا  
ورق ۴۳ ب ..... بعض اخبار دربار دہلی۔

ورق ۴۸ (۔ چند فقرہ متضمن فصد حضرت نفل الہی۔

ورق ۴۹ ۱۔ رخصت شدن نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ و نواب امیر الامرا بہادر منصور جنگ در سنہ ہفتم از جلوس والا برائے غنیم و کھنی کہ عبارتست از مرہٹہ.....

ورق ۵۱ ب..... تحریر سوانح تشریف فرما گردیدن حضرت گہاں خدیو بدولت سرے نواب صاحب جمدۃ الملک بہادر و امیر الامرا بہادر منصور جنگ اس کی ضمنی سرخی ہے؛ تعریف خمیہ دیوان خاص کہ برائے جلوس اقدس الالنگی پریرفتہ [۱۵۳]

ورق ۵۵ ب..... ترقیم احوال سیر نارالعشق بندارین۔

ورق ۶۳ ب..... احوال تولد جگر گوشہ ام مصاحب سنگھ (دور ۱۲۹۹ھ ۱۹۱۹ء جلوس) (یہ مصنف کا پوتا ہے)

ورق ۶۸ ۱۔ تعریف بزم ہولی۔

ورق ۷۲ ب۔ تحریر ماجراے سیرے کہ راقم حروف مخلص را اتفاق افتاد (۱۵۱۹ھ ۱۹۱۹ء جلوس) (مصنف بہراج الدین علی خاں آرزو والا سیوک رام، میزراجمہلی، محمد جان دیوانہ اور اپنے لڑکوں کے ہمراہ درگاہ حاجہ قطب الحق والدین کی زیارت کو جاتا ہے۔ باغ مخلص کا بھی ذکر کرتا ہے) اس عنوان کے ضمن میں (۶، ب پر) ایک اور عنوان ہے یعنی: احوال بیاری کہ راقم حروف درایام گذشتہ کشیدہ درضمن این ماجرا بر سبیل نقل تجویر رسیدہ۔

ورق ۸۰ ۱۔ انبشگاہ خلافت دستوری یافتن نواب صاحب وزیر الممالک ۱۰۳۳ ۱۔ بہادر نصرت جنگ بنا بر تنبیہ سرخیل اشقیایے و کھنی باجی راؤ در

سنہ نوزدہم جلوس والاؤٹکس تدبیر و جوہر شمشیر ایں برگزیدہ دولت  
سبزا رسیدن آن فتنہ.... وچوں دریناق راقم سطور برکاب عالی بود نگارش  
بعض احوال خود بدستاری قلم بدایع رقم انشا نمود۔

منی سرخیاں | عطف عنان نواب صاحب وزیر الممالک بہادر سپہ سالار بارادہ  
تنبیہ غنیم لیم از کنار دریا بسمت ہوڈل بطریق ایلغار (۸۵ ب)  
انتشار اشتقیے و مہنی در سواد دار الخلافت شاہ جہاں آباد.... دیک پافہ  
گوشمالی یافتن کمن سعی بند ہائے بادشاہی و دیگر حالات (۹۰ ب)  
آب و رنگ یافتن شمشیر بہادران فوج نواب صاحب نصرت جنگ  
بہادر سپہ سالار زخون اعدائے دولت یعنی غنیم و خیم العاقبت و جمال  
تباہ رخ بر تافتنش از عرصہ کارزار و تباہی ایں ابر شمشیر ایں برگزیدہ  
دولت گل فتح شگفتن در چمن کدہ روزگار (۹۲ ب)

تعریف نواب صاحب وزیر الممالک بہادر (۹۶)

.... نخریر سواخ لشکر نواب صاحب بہادر.... (۹۸)

۱۰۳۔ ضیافت کردن میرزا محمد قلی صاحب بر اقامت سطور (۱۵۱)

۱۰۴۔ تدبیر ترتیب انجمن نگین ترانچین (شرف الدین علی پیام،

سراج الدین علی خاں آرزو، محمد جان دیوانہ وغیرہ کے ساتھ ہم مجلسی)

۱۱۰۔ ب۔ شونجیہائے طبیعت بر سر ہنگامہ آرائی.... (ایک ناچ کی مجلس کا حال)

۱۱۴۔ ب۔ واقعہ ایست نادر و سانحہ ایست غریب کہ در سال ۱۱۵۱ ہجری از

بو قلمو نیہائے قضا در ہندستان بوتورع رسیدہ و سبیل یادگار دریں

اوراق پریشاں رقم زدہ قلم بدایع نگار گردیدہ، اس فصل کی

ضمنی سرخیاں،

نزول صاحب دہیم و افسر مملکت ایران ہندوستان ..... (۱۱۶ اب)

درود موکب شاہی در نواح لاہور ... (۱۲۰ اب)

نقل نامہ عبدالباقی خاں وزیر والی ایران (۱۲۱)؛ تتمہ احوال

پنجاب (۱۲۲ اب)

حسب النہاس عمدہ ہادی بادشاہی از مرکز خلافت بحکمت آمدن

الویہ ظفر طراز محمد شاہی (۱۲۴)

بہامد گرد و خورد افواج بادشاہی و قشون شاہی در قصبہ کرنال و

برگردیدن ورق کار برنگی دیگر (۱۲۵)

دفعہ دوم تشریف بردن محمد شاہ بادشاہ غازی بہ اردوے شاہ

جم جاہ و باتفاق داخل جہاں آباد گردیدن و اقسام امور غریبہ بروے

کار آمدن بارادات اللہ (۱۳۱)

احوال میر شرف الدین علی پیام (۱۳۲) رجوع قلم بدایع انشا

باصل ماجرا (۱۳۴ اب)

سرگزشت راقم سطور (۱۳۶)

دفعہ سوم تشریف بردن محمد شاہ بادشاہ غازی بتقریب ضیافت

در [ بمقام بودن ] شاہ عالی جناب و شاد و خورم مراجعت فرمودن

بدولت خانہ و کوچ از شاہ جہاں آباد سمت پنجاب (۱۴۸)

۱۴۔ اس عنوان کے نیچے ایک جگہ مصنف نے لکھا ہے ”تساعت تحریر کہ چار دہم بیچ اثنی

یک ہزار و یک صد و پنجاہ و دو ہجری است (ورق ۱۱۶ اب)، المیٹ کی تاریخ ہند (HISTORY OF

INDIA BY ITS OWN HISTORIANS) ج ۸ ص ۹ تا ۷۹ پر اس بیان کا ترجمہ دیا ہو کہ

بعض عبارات (فصول) تیر دیکھو ص ۸۹ س ۱۲ لے اصل: برآمدن



سعی کاک بدایع نگار بتحریر وقایع دربار (۱۲۶ اب)  
 نقل عہد نامہ ایست کہ حسب الاستدعائے امنائے شاہی  
 کارپردازان سلطنت محمد شاہی بتحریرش پرداختہ وچوں آراستگی  
 یافت حوالہ کارگزاران صاحب مملکت ایران ساختند ۱۲۶  
 ب) نقل رقم شاہ جم شاہ (۱۵۱ اب) نقل رقم شاہ ذی جاہ (۱۵۲ اب)  
 گزشتن الویہ ظفر طراز شاہی انکاب انکاب برسیل استعجال و انتظام  
 یافتن ہماقم قلمروند وند عہد حسن تدبیر شاہ ذی اقبال (۱۵۲ اب) نقل  
 رقم اشرف شاہی (۱۵۳ اب) نقل فرمان فلک شان محمد شاہی (ایضاً)  
 نزول رایت ظفر آیت شاہی بالکے زمینداری خدایار خاں بکن  
 مصدر حرکت لغو۔ و آخر رسیدنش بملازمت ہمایوں و شمشیر گردین  
 نامہ جرمش بزلال غفو (۱۵۵)

مزنہ پٹانی رسیدن نواب اعز الدولہ بہادر ہزبر جنگ در اردو کے  
 ظفر قرین و بعد تحصیل سعادت ملازمت مشمول مہم گردیدن از جانب  
 فرمان رواے ایران زمیں (۱۵۶) (تمتہ احوال خدایار خاں عباسی (۱۵۷)  
 حرکت الویہ جہاں پیماے شاہی از انکے زمینداری خدایار خاں  
 جانب قندھار بلادہ خراسان و دستوری یافتن نواب اعز الدولہ  
 بہادر بجناب نمان (۱۵۷ ب)

نامور گردیدن محمد صلح بیگ بیات پان صد ہاشی و کریم بیگ  
 افشار پان صد ہاشی از جناب شاہی بتقریب پیدا گردن کم شدگان  
 لشکر ظفر اثر دور ضمن این از قوت بفضل رسیدن مقدمات دیر (۱۵۸)

۱۔ ایسٹ کی تاریخ میں اس فصل کی چند سطور کے بعد ترجمہ ہو جاتا ہے ۲۔ اصل: نبات

نقل رقم ہماوں (۱۵۰ ب)

از پیشگاہ فضل و کرم خلافت و جہاں بانی مرحمت شدن اضافہ  
ہزاری ذات و خطاب سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ بہ نواب اعز الدولہ  
بہادر دلاز کوئے تفضل و مہربانی (۱۶۰ ب) نقل فرمان مکرمت عنوان  
فلک شان محمد شاہی متضمن عطائے اضافہ ہزاری ذات بنام اعز الدولہ  
بہادر آں منظور نظر خلیفہ الہی (۱۶۱ ب)

ارسال گردیدن زرری بسبیل نقد مصحوب پان صد باشیاں بحباب  
شاہی (و) از حضور ما مور گردیدن میر نجم الدین بہادر جہت رسانیدن  
خزانہ تابہ لاہور (۱۶۲ ب)

نقل یر بیغ قضا تبلیغ محمد شاہی کہ در مقدمہ پان صد باشیاں بنام  
سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ صدور یافتہ (۱۶۳ ل)  
نقل عرض داشت نواب سیف الدولہ بہادر دلیر جنگ، آن منظور  
نظر خلیفہ الہی، بحباب اقدس اعلیٰ محمد شاہی (۱۶۴ ب)

بتحریک یاد آور پہلے آں رونق افزای چہستان شفقت پرداری  
فرستادن شاہ جم جاہ ڈالی میوہ برائے محمد شاہ بادشاہ غازی (۱۶۴ ب)  
نقل منشور کرامت گنجور محمد شاہی بنام سیف الدولہ بہادر دلیر  
جنگ متضمن عطای الوش (۱۶۵ ب) تتمہ حوال پان صد باشیاں (بیش)  
رسیدن میر نجم الدین خان بہادر بہ لاہور و بعد چندی بخدمت  
نواب صاحب سیف الدولہ بہادر معاودت کردن بحضور (۱۶۶ ل)  
بقدرت کاملہ آفرینندہ راحت و سنج تسلط افواج شاہی  
بر بخارا و اور گنج (۱۶۸ ب)

[یہاں سے چند اوراق غائب ہیں، اس نسخے کی آخری سطر علی گڑھ کے نسخے میں ورق ۴۷ کی سطر آخر ہے۔ وہاں یہ بیان ورق ۴۹ پر ختم ہوتا ہے۔ اس نسخے میں اس بیان کے بعد عنوان ذیل ہے:-

”نسخہ سوانح احوال“ (ص ۲۹ ب تا ۶۰ ا) یہ بیان ہمارے نسخے میں آگے

آئے گا۔ دیکھو ۲۲۹ ب تا ۲۴۳ ا)

۱۷۰۔ [سیر چھڑی] اس عنوان سے مصنف نے جو فصل لکھی ہے اس کے

ابتدائی اوراق اس نسخے میں موجود نہیں۔

۱۸۰۔ احوال سیزدہ روز سفر مکتیسر اس فصل کے آخر میں ہے؛ نقل از نسخہ

اندرا مخلص)

۱۹۳۔ [احوال سفر بن گوہ] یہ عنوان اس فصل کے آخر میں مذکور ہے شروع

میں نہیں، وہاں مصنف نے لکھا ہے کہ آج ۱۲ رمضان المبارک ۱۱۵۸ھ

کو یہ چند اجزا متضمن احوال سفر بن گوہ چار گھڑی رات گزرنے پر سرما

کی آمد کے دنوں میں ”بخط فقیر اندرا مخلص“ ختم ہوئے

۹ رمضان المبارک کو دسہرے سے ایک دن بعد ”نور چشم کامگار

بابے فتح سنگھ کے ہاں لڑکا ہوا وغیرہ وغیرہ

۲۲۹ ب [نسخہ سوانح احوال] یعنی تاریخ پنجاب کے واقعات از جمادی الثانی

۱۱۵۸ھ تا جمادی الثانی ۱۱۶۱ھ)

۱۔ اس کا انگریزی ترجمہ ولیم ارون نے The INDIAN MAGAZINE ANDREVI بابت

۱۹۰۷ء میں دیا ہے (دیکھو سٹوری ص ۶۱۳) ۲۔ حماد بن گڑھ کا حال از ورن نے اپنی

کتاب THE ARMY OF THE INDIAN MOGHULS میں ص ۲۹۱ وابعاد پر دیا ہے

جو خوش مال چند کے بیانات پر مبنی ہے۔

خاتمے میں مصنف نے لکھا ہے کہ گرمیوں کی رات ایک پہر گزری تھی اور رگتی ہوا اور افراط بادِ صوم سے دم خفا ہوتا تھا کہ ابر کیا اور زور کی بارش ہوئی ہٹھڑی ہوا چلنے لگی۔ اس وقت یہ کتاب تمام ہوئی۔ ”مدتے است کہ دماغ تصنیف و تالیف تمام لیکن ازاں جا کہ دریں چند ماہ از بقوم نہاے چرخ طرفہ انقلا بہا بروے کار رسیدہ برائے عبرت و آگاہی بعض غافلان پست فطرت کہ در اندک تغیر احوال از جامے رونداں درتی چند کہ مختولیت بشرح آں بقلم آوردم۔“

### ضبطی اموال امرار متوفی

ذیل کا اقتباس جو بدائع و قلیح سے لیا گیا ہے وہ موضوع بالا پر روشنی ڈالتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ عہد مغلوں میں امرار کی موت کے بعد ان کے اموال بحق بادشاہ ضبط ہوتے تھے۔ اس کا ثبوت ذکر تاریخوں میں جا بجا ملتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں :-

عہد اکبری میں مخدوم الملک ۹۹۰ھ میں فوت ہوئے تو قاضی علی ”بجہت تحقیق اموال“ نامزد ہو کر فتح پور سے لاہور پہنچے۔ بہت سے خزانین و دفاین نکلے۔ ان میں ”چند صندوق خشت طلا“ بھی تھے جو ”گورخانہ مخدوم الملک“ سے برآمد ہوئے۔ یہ سونے کی اینٹیں مع کتاب خانے کے ”داخل خزانہ عامرہ“ ہوئیں منتخب التواریخ، بدلینی، طبع کلکتہ ۱۸۶۵ء ج ۲: ۳۱۱، دربار اکبری طبع لاہور ۱۸۹۸ء ص ۳۱۸، ان کتابوں میں سے شرح ہدایہ (دفتر ثانی) راقم سطور نے دیکھی ہے، اس کتاب کے آخر میں لکھا ہے: بابت اموال مخدوم الملک بتاریخ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۹۹۰ھ واقع شد (کننا) اس کے نیچے ایک دوسرا نوٹ ہے جو بعد میں لکھا گیا۔ اس کی عبارت یہ ہے: بتاریخ ۲۴ ماہ شہر یورد الہی ۱۰۰۰ھ از

وجہ تحویل شیخ فیضی تحویل مقصود شد۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدوم اندک کی ضبط شدہ کتابیں (رُکُل یا بعض) شیخ فیضی کی تحویل میں رہیں اور شیخ کے فوت ہونے کے بعد کسی اور شاہی تحویل دار کے حوالے ہوئیں۔ شیخ فیضی، اصفہانہ (سلسلہ جلوئی) میں فوت ہوا۔ خود شیخ فیضی کے اموال بھی ضبط ہوئے۔ آثارالامراء ج ۲ ص ۵۸۹ پر ہے: گویند از متروکہ شیخ چہار ہزار و سہ صد کتاب صحیح نفیس بسرکار بادشاہی ضبط شد۔

ملا بدایونی (۲: ۴۰۶) نے سنت اچھے کے واقعات میں لکھا ہے کہ حکیم ہام اور کمالائے صدر علی الترتیب ۶ اور ۷ ربيع الاول کو فوت ہوئے۔ وہاں اے ایں ہر دو در ساعت در حجر با قفل گردید و پیاپی کفن محتاج بودند۔۔۔۔۔ یہ واقعات عہد اکبری کے تھے۔ عہد جہانگیری کی اسی قسم کی ضبطیوں کا ذکر بہارستان غیبی (ترجمہ انگریزی طبع ۱۹۳۶ء) میں بھی بعض بعض جگہ ملتا ہے۔ عہد شاہ جہانی میں ضبطی اموال آصف خاں ابوالحسن اعتماد الدولہ برادر کلاں نور جہاں بیگم کا واقعہ پیش کیا۔ بادشاہ نامہ ج ۲، حصہ دوم ص ۲۵۹ پر اس کی تفصیل یوں دی ہے کہ آصف خاں کی علالت میں شاہ جہاں عیادت کے لیے گیا تو اس نے عرض کیا کہ "سب نفود واجناس جو اس درگاہ کی عبودیت سے حاصل ہوئے۔ سرکار والا کامال ہیں اس لیے کہ جمع اموال سے غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ اولاد اور متعلقین کو رفاہیت اور جمعیت حاصل رہے اور وہ

ملے بوجھن نے ترجمہ اکین (۱: ۴۹۱) میں اسی کو دہرایا ہے۔ دربار اکبری (ص ۳۶۸) کے بیان کا اخذ بھی غالباً یہی ہے نہ کہ ملا (عبدالقادری دہلوی) مگر دربار میں تعداد کتب چار ہزار چھ سو سی ہے جو غلط معلوم ہوتی ہے۔ ملے نیز دیکھو پاکس کا سفرنامہ انگریزی

مزیہ ناشر (۱۹۲۱ء) ص ۱۰۴ اور اکبر نقل اعظم (ارتونٹ سمٹھ) ص ۶۳

صورت مرام پادشاہی سے کمابھی حاصل ہو: آصف خاں کے مرنے کے بعد حویلی لاہور کے علاوہ جو بیس لاکھ کے خرچ سے تیار ہوئی تھی اور اب داراشکوہ کو عنایت ہوئی دو کروڑ پچاس لاکھ کی مالیت کا نقد و جنس باقی رہا جو اہرات میں لاکھ پڑکے، انٹرفیاں یا بیس لاکھ کی، رُپیہ ایک کروڑ پچیس لاکھ، طلا آلات و نقرہ آلات تیس لاکھ پڑکے، دیگر اجناس تیس لاکھ کے) گواغما الدولہ کی وصیت یہ تھی کہ اس کا نقد و جنس تمام داخل خزانہ پادشاہی ہو، بادشاہ نے بیس لاکھ روپیہ نقد و جنس) متوفی کے تین بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کو عنایت کیا اور متعلقین کو حسب لیاقت منصب دیے اور مشاہرے مقرر کیے۔ باقی سب کچھ ضبط فرمایا۔ عہد محمد شاہی میں ذکر یا خاں کے اموال ضبط ہوئے۔ اس واقعے کے متعلق جتنی تفصیل اندر مخلص نے بائع و قایع میں دی ہو راقم سطور نے اور کسی مصنف کے ہاں نہیں دیکھی تفصیل اس واقعے کی یہ ہو کہ ذکر یا خاں صوبہ دار لاہور ۱۱۵۸ھ میں فوت ہوا تو شاہی کاندے دہلی سے ضبطی جایا دے کے لیے لاہور بھیجے گئے، وہ تمام سامان نقد و جنس فیل و اسب و شتر وغیرہ وغیرہ لے کر دہلی پہنچے، زر نقد، طلا آلات، نقرہ آلات اور جواہرات داخل خزانہ پادشاہی ہوئے۔ اسب و شتر و استر کو نیلام کر کے تھوڑی سی قیمت جو وصول ہوئی وہ بھی داخل خزانہ سرکار پادشاہی ہوئی۔ بعض جواہرات کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ ان کی اصل قیمت ۳۱۸۵۰ روپیہ تھی مقیمان سرکار نے ان کی قیمت ۲۶۳ روپیہ لگائی اور یہ جواہرات بادشاہ نے رکھ لیے گویا ان کی قیمت واجب الادا تھی اور باقی مال کا معاوضہ مالکوں کو بظاہر نہ دیا گیا۔ جو مال ناقابل قبول قرار دیا گیا وہ لاہور واپس بھیج دیا گیا۔

اب اصل اقتباس نسخہ مکتبہ پنجاب سے درج کیا جاتا ہے جس کا مقابلہ نسخہ علی گڑھ سے کیا گیا۔

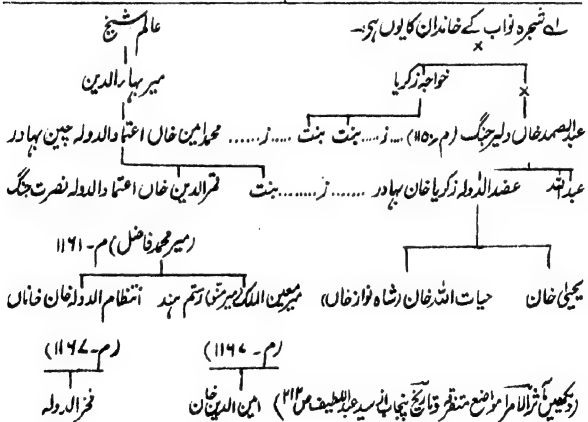
۱۱۵۸ھ دیکھو صفحہ ۱۱۰ سطر ۱۲۰، ۱۲۱ ص ۱۱۶ سطر آخر اس سے پہلی سطر میں مصنف کے الفاظ ”در ضمن این گونہ قیمت کردن غرضی ہر آئینہ نظر دارند“ سے بھی یہ گمان گزرتا ہے کہ ”غرض“ شاید یہ تھی کہ قیمت وصول شدہ گویا متوفی کے وراثت کو کسی صورت میں مجرا دینا ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صَدَقَ يَقُولُهُمْ يَا الْحَيُّ

(۲۲۹ ب)

بچوں آبادی و معموری الکہ پنجاب و آرام و آسودگی سکنتہ آں گلزمین دریام  
نظامت نواب سیف الدولہ زکریا خان بہادر ولیہ جنگ مغفور مرحوم بیایہ کمال  
رسیدہ مستعد زوال بود از نیرنگ سازی قضا و قدر در سال یک ہزار [ویک عدد]  
و پنجاہ و ہشتم [و ششم] جلوسی خلیفہ دین و دولت محمد شاہ بادشاہ  
غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ [د] و از دہم جمادی الثانی سہ شنبہ یک پہر و سہ  
گھڑی روز بلند شدہ آفتاب عمر سیف الدولہ بہادر مبرور در مغرب فنا و رفت  
یعنی بلبل رُوح پر فتوحش از قفس جسم عنصری بہ پرواز آمدہ بشاخ سدۃ المنتہی



۱۲ ایضا ۱۲ جولائی ۱۷۳۵ء

۱۳ از روئے نسخہ کلیہ علی گڑھ کہ علامتش و روحانی رح است

۱۴ اصل، المنتہای

آشیاں بست، قیامتی سزنا سہر پنجاب تجھ سے در شہر لاہور گزشت کہ تا سرشب  
 در ہیچ خانہ چہ لے روشن نگشت، ہر گاہ جنازہ آں مغفور از حویلی برآمد سواے  
 نوع مغل کہ ہنگی گریہ نہاتا دامن چاک زدہ خاک برفرق ریزاں و تباہش  
 (۲۳۰) بودند ہزاران ہزار مردم (۲۳۱) شہر لباس سیاہ پوشیدہ در کمال شور و شغب  
 نالہ و مصیبتا و احسرتا [۵] برب ہمراہ جنازہ ماہ می پیووند و اندہر جانب  
 بارش گل بر جنازہ باں افراط گردید کہ دست آخر گلی بمشت زری بہم نمی رسید  
 اگرچہ مانند گل شیرازہ اوراق عمرش زدہ از ہم گسیخت لیکن تا در قید حیات  
 بود بنا بر جود و سخا و خلق نوشی کہ داشت رنگ شخیر دل چہانے ریخت،  
 در واقع ۷

چوں صبح زندگانی روشن دلاں ہے است اما دم کہ باعث احیاء علم ہے است  
 جنازہ دایمکان حضرت ایشاں کہ باگزاشتہ معمار ہے است آں مغفور ست و در  
 سواد شہر واقع بردہ پہلوی مزار فایزالاؤار سیف الدولہ عبدالصمد خان  
 بہادر مرحوم والد بزرگوارش بساں گنج بنجاک سپردند و جمعے کشیر جہت خدمت  
 مرقد مطہر سواے آں مردے کہ بمقتضائے حق نمک و وفارخت فقر و فنا  
 پوشیدہ مجاور گردیدہ بودند مقرر نمودند۔

راقم معروف دو تاریخ متضمن این ساری غم افزا کہ یکے موزون ست  
 و دوم در شریافتہ چنانچہ مرقوم می شود ست

حضرت خان بہادر ثواب آں کہ اداد عدالت میداد  
 آں کہ او ساختہ از بس ہمت اکثر آئین سخاوت ایجاد

۱۷ اصل: نیایش راجہ تباہش، یعنی قیاسی است، ۱۸ یعنی نوبت آفر

۱۹ مع: دیگرے



ناگہاں کرد ز عالم رحلت      بگہاں شور و قیامت افتاد  
 شربند از دلِ خلق پنجاب      نالہ و شیون و داد و بیداد  
 رونقِ الٰہ لاہور افسوس      رفت چوں بادِ غزاں و بیداد  
 سال (۱۲۳۰ ب) این تم جا کا قلم      ز در تم "خانِ بہادر فریاد"  
 این چنین بود مقدر اکنوں      گلشنِ خلد مقامِ او باد  
 تاریخ دوم کہ در شریافتہ شدہ این ست : مادۃ تاریخ ہائے زکریا خاں کو چ کر د

عزیمت اغزال دولہ بہادر و حیات اللہ خان  
 بہادر جانب پنجاب از حضورِ پُر نور و متوقف  
 شدن حیات اللہ خان بہادر در دو آبہ و رسیدن  
 اغزال دولہ بہادر بہ لاہور

از اتفاقات اغزال دولہ یحییٰ خان بہادر و حیات اللہ خان بہادر ہر جنگ  
 کہ از دولتِ نادر بہ خطاب شاہ نواز خان مخاطب و اولین گلِ اول حدیقہ  
 آرزو و دومی غنچہ دوم گلبن امید آں عالی جاہ مرحوم ست در حضورِ پُر نور  
 و میر مومن خان و میر معتم خان بہتم کوہستان جموں مامور بودند، میر مومن خان  
 روز سوم از رحلت بشہر رسیدہ بمراسم تعزیت پرداخت و آں ہر دو گل

لہجہ میں اس کے نیچے لکھا ہوا: اللہ یعنی ۱۱۵۰ لہجہ درج ندارد یعنی  
 یحییٰ خان زکریا خان کا بڑا بیٹا اور حیات اللہ خان چھوٹا بیٹا تھا لہجہ درج ندارد یعنی بہت،

گلشن اقبال کہ باطلای مرضی آن مغفور در عین موسم برشکال ہر دہم جادہی ثانی  
سنہ صدر از حضور فیض گنجور دستوری حاصل کردہ جبریدہ و لیغرا حرام دریفت  
سعادت ملازمت پدر عالی قدر بہتہ بودند در اثنائے راہ خبر رحلت شنیدہ  
ہنر بر جنگ بہادر در دو آبہ تعلقہ فرج داری خود متوقف گردیدند و اعز الدولہ  
بہادر بعد کشیدن اقسام شاید سفر بلدہ لاہور رسیدند۔

## احوال کشتی

ہنگام عبور از آب بیاہ برگشتی کہ اعز الدولہ بہادر سوار بودند طر فہ  
(۱۲۳۱) حادثہ غرقت، چہ از آن جا کہ بنا بر اضطراب خاطر [۱۲۳۱] سررشتہ احتیاط  
بجی از دست رفتہ بود در کمال شتاب زدگی و سراسیمگی بے اسباب و لوازم  
امارت سپاہیانہ و [ترکانہ] قطع [راہ] مے شد، ہر گاہ پنجم رجب سنہ مرقوم  
براہ غیر متعارف بردیا مے بیاہ کہ در نہایت طغیان بود رسیدند کشتی ناکارہ با  
یک دو ملأح بیچارہ بدست افتاد، باوجود مالغبت خیر خواہان با بعضی مصاحب  
برآں سوار شدند و بمقتضای آن کہ [ع]

ہر چہ بادا باد کشتی در آب انداختیم

ارادہ عبور از دریا نمودند، ہر گاہ کشتی در وسط دریا رسید از نا تجربہ کاری  
ملأحان و آشوب باد و باران کہ آب را بتلاطم داشت اجزائش متزلزل گردید،  
اعز الدولہ بہادر کہ پیش ازین رخت از بدن برکنندہ و لگی و دگر پیچیدہ نشستہ  
حقہ می کشیدند احوال کشتی را دگرگوں یافتہ خود را بر آب زدند و چون از طفلی  
مشق شناسانیدہ اند مشرور بدست و پا زدن در آب کردند از آن جا کہ او

تعالیٰ شانہ در ہمہ حال معین و یا وراہل اقبال ست در آں حالت پیرے  
 نوزانی جبہ دو کدو بایشان دادہ گفت کہ این ہارا زیر سینہ گذاشتہ شنایند،  
 حق تعالیٰ بسلامت باحل خواہد رسانید، ایشان ہر دو کدو از دستش گرفتہ  
 موجب اشارت پربشارت بر بل عمل آوردند و در اندک سعی بفضل بکیران اوتعالیٰ  
 شانہ بخیریت باحل رسیدند، بیام بر سر احوال [۲۳۱ ب] کشتی بگرد آں کہ (۲۳۱ ب)  
 ایشان خود را بر آب زندگشتی در آب فرو نشست و قریب چہل و پنجاہ کس از  
 مقربان و نزدیکان کہ در آں جا گزیں بودند غرق بحر فنا گشتند آری  
 دریں در طہ کشتی فرو شد ہزار کہ پیدانشد تختہ بر کنار  
 سخن مختصر ایشان یک دو مقام در پر گنہ بٹالا منودہ بعد از آں کہ فوج و کاغاجات  
 رسیدند آں جا کوچیدند، و بعد رسیدن بنواح لاہور از گرد راہ زیارت مرقد  
 منور مطہر پیر عالی قدر و جد بزرگوار پر داختہ نہم رجب المرجب سنہ صدر  
 داخل شہر گردیدند، لمصنف ۷

می رسد فخر قوم مجنون را وارث شہر سبز ہا موند  
 بعد فراغ از رسمیات تعزیت با تنظیم مہام آں ضلع پر داختند و موجب  
 رسم دو دمان خود دام جود و سخا گسترہ طرح صید دلہا انداختند، حالا خانہ  
 بدایع نگار ایں ماجرا ہمیں جائے گزار دو احوال حضور پرنور، می نگارد۔

سعی خاتمہ بدایع نگار در تحریر ماجراے دربار جہان نادر

چوں از رؤے نوشتہ حاتم اباب تحریر لاہور خبر حلت سیف الدولہ  
 بہادر مغفور بشاہ جہان آبا در سید نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ  
 لہ اصل: کشیدند لہ اصل: ہا موند، لہ موند شعر کا مطلب سمجھیں نہیں آیا تھ اصل: ہوم

بہادر رام اقبالہ در تعزیت نشستند و تاسہ روز جمیع الدکان سلطنت و برگزیدہ ہائے خلافت بتقریب فاتحہ آمد شد می داشتند، من بعد بموجب حکم والا عمدۃ الملک امیر خاں بہادر نواب صاحب را از ماتم برداشتہ بحضور بردند و از [۲۳۲] جناب اقدس [۲۳۲] بعد از شاو کلمات متضمن بہ فضل دل جوئی چیرہ پیچیدہ بدست مبارک مرحمت شد و نیز دو دست خلعت تعزیر باد و منشور لامع انور مشعر تفضلات بادشاہانہ حوالہ گرداران شد کہ باغ الدولہ بہادر و ہنر جنگ برسانند، بسیت و ششم جمادی الثانی سنہ مذکور از پیشگاہ خلافت و جہان ثانی محی الدین علی خاں بہادر دیوان بیوتات برائے ضبط اموال سیف الدولہ بہادر مرحوم بہ لاہور دستور یافت۔

اگرچہ فرویت و بندگی سیف الدولہ مبرور مقتضی این معنی بود کہ لاہور و ملتان انا منتقال آں مغفور باغ الدولہ بہادر و حیات اللہ خان بہادر حرمت می گردید لیکن از آں جا کہ ع

رموز مصلحت ملک خسرواں دانند

۱۰ بخاطر اقدس گزشت کہ صوبہ بجات را بہ بندہ ہائے دگر مرحمت باید فرمود، نواب صاحب دیرالامالک بہادر نظر باین معنی کہ چون از دستہ مت صوبہ لاہور بسیف الدولہ عبدالصمد خان بہادر مرحوم و سیف الدولہ زکریا خان بہادر مغفور تعلق داشتہ ازین ممر مانند بلخ و بخارا وطن مغنیہ گردیدہ و این ہا عمارات و باغات و مقابر در آں جا دارند و در صورت مقرر شدن بدگیرے ویرانی و خرابی آں ہاست لہذا دریں باب استادگی تمام کردہ جہت تقرر صوبہ بجات بنام باغ الدولہ بہادر و ہنر جنگ بہادر بعرض اشرف

لے دیکھیں آثار الامرا س ج ۲: ۸۳۹، آٹون (فوج مغولان ہند) ص ۲۹۱، ع: تفضل

رسانیدند، واکتفا بریں معنی نکرده مبالغہ لاکہ منافی عالم بندگی ست از حد مزانید  
لیکن (۲۳۲ ب) : بعض جہات کہ قابل تحریف نیست اصلاً مزاج اشرف (۳۲ ب)  
بریں پلہ نیادہ اند بواجمی ہائے تقدیر است کہ راجا ایشور سنگھ پسر راجا دہراج بعد  
فوت پدر خود بطلے زمینداری آئیلیر و نظامت اکبر آباد و جاگیراٹھ کہ پدرش  
داشت سر بلند شود و اعزاز الدولہ بہادر و ہنر بر جنگ بہادر با وصف سرشتہ بندگی  
دگاہ آسمان جاہ و نسبت ہم شیرہ زادگی نواب صاحب محمدۃ الملک دارالمہام  
یک قلم انارث محروم باشد، بارے جاے دم زدن نیست کجائی

ہرگز دیدم و دم نمی باید زد از حد برون قدم نمی باید زد  
دنیا ہمہ مرآت جمال ازلی ست می باید دید و دم نمی باید زد  
بیایم بر سر حرف مطلب، ہر کہ نواب صاحب وزیر الممالک بہادر دریں امر  
مبالغہ و البس حد نہایت رسانیدند تجویز دیگران موقوف ماندہ مرضی اقدس  
بریں معنی آمار کہ ہر دو صوبہ مسطورہ بہ نواب صاحب وزیر الممالک بہادر مرحمت  
فرمایند، ناچار نظر برانیکہ تارک و رشیت تصرف مغلیہ آراں سر زمین پراگنہ نشود  
و بایں جانب کہ مقرر شد حقیقتاً برلے اعزاز الدولہ بہادر و ہنر بر جنگ بہادر ست  
قبول نمودند و از پیشگاہ خلافت ہم شعبان المعظم سنہ مذکور روز سہ شنبہ  
خلعت خاصہ و چیرہ پیچیدہ بدست خاص باطرہ واسطی و فیل باطلابا بت  
تقرر نظامت لاہور و ملتان بایشان مرحمت شد و برسانہ بخشی سوم عماد الملک

۱۷۴: ایشور سنگھ، برلے ایشور سنگھ پسر و حیراج، جو سنگھ رات بہ کاثر الامراء: ۲: ۸۳:

۱۷۵: اصل: انیسر، ۱۷۵: اصل: کہ چاکرائی تصحیح از روے ۱۷۴: ۱۷۵: نجدہ یعنی بزرگ و بلند

۱۷۶: ۱۷۴: نواب صاحب ناچار و بجا ناچار ۱۷۵: اصل: بتا چناب تصحیح از روے ۱۷۴: ۱۷۵: قتل

۱۷۷: ۱۷۴: غلابر لٹالی ۱۷۵: بخشی سوم کے فضائیں کے متعلق، کلمہ اردو کی کتاب دی آری، آری، دی، کلمہ

بہادر آداب بجا آورند، وہیں روز با وصف شدت بارش پیش خیمہ [۲۳۴] ۱]  
 را جانب لاہور برآورده مقرر کردند کہ غنقریب باں سمت متوجہ شوند تا یک چند  
 درآں ضلع بوده و از نظم و نسق آں جا خاطر جمع نموده باز مراجعت بجنور نمایند  
 سہ تاریخ متضمن این معنی را قلم حروف یافته، مرقوم قلم بدایع رقم می شود لمصنف

[۱] اعتماد الدولہ نواب وزیر آں محیط فضل و دریائے کرم

از جناب اقدس گیتی خدیو سایہ حق مظہر فیض اتم

یافت از راہ تفضل و دیول صوبہ لاہور و ملتان نیز ہم

زین جہت تشریف خاصی شد عطا از پڑ آں صاحب سیف و قلم

خامہ ام سال مبارک فال آں خلعت پنجاب کردا متشب رقم

[۲] وزیر الممالک مدار المہام کہ اقبال او باد ایم فزون

بجگم شہنشاہ گیتی خدیو کہ یک بندہ اوست گردون دس

کہ لاہور و ملتان بجاگیر یافت بصد مینت ہم بچنیں شگون

پڑ سال فرخندہ فالش سحر نمود سوال از دل و وفون

بفرمود ناگاہ ہ تف بگو کہ لاہور و ملتان مبارک کنوں

۵۸

[۳] و در نثر چنین یافته شد:

”بندہ نواز! لاہور و ملتان مبارک!“

ایجاز سخن، نیابت نظامت لاہور بمیر موئن خاں و دیوانی بہ لکھپت راے

مقرر شد و نیابت نظامت ملتان بخواجه اسحق خاں بدستور سابق بحال ماند

باآں کہ حرکت نواب سمت پنجاب مقرر و پیش خیمہ ہم برآمدہ بود لیکن تقدیر

لے اصل و نغ: خان بہادر اعتماد الدولہ (بجائے اعتماد الدولہ) ملے اصل میں سے

پہلے ایک مصرعہ دیا ہوگا لہذا ذرا ہمیش خود پر نہ پیرا مگر دوسرا مصرعہ نہیں دیا۔

کہ برتندیر غالب ست ورق ارادہ بنا کر گزرا

(۳۴۳) اگر محمول حال پہنیاں نہ قضاست چو محاری احوال بر خلعت رضاست  
بلے قضاست بہر نیلے بدخاکش خلق ہاں دلیل کہ تدبیر ہائے جملہ خطاست

از نیرنگیہائے این قصر دنیا فام پائے لغزیدن\*

نواب صاحب وزیر الممالک بہادر از سرزنیہ

پشت بام

بیت و ہشتم شعبان سنہ مذکور نواب صاحب وزیر الممالک بہادر  
بقاعدہ قدیم ہر شام از حویلی اجمیری دروازہ سوار شدہ در حویلی لڑکے آن نیز  
قریب بدروازہ مذکور و محاذی حویلی مسطور ست تشریف فرمودند و چون  
ذوق مفرط تماشاے تعمیر تازہ دارند بر روشنی مشعل سیر عمارت می نمودند، از  
آں جاکہ بامیر عمارت متوجہ بحرف بودند پا از سرزنیہ اولی پشت بام لغزید و  
چون پیچ جاتوانست قایم شد آسیبی سخت و صدمہ قوی در سرب و سرن چپ  
رسید، در آں حالت غش اشارہ بفضد کردند چنانچہ ہماں وقت نعل آمد، آخر  
شدت وجع و الم باعث حرارت شد، فرمایش معتبر الملوک علوی خاں و  
علی نقی خاں و معالج خاں وغیرہ حکمائے پادشاہی حسب الحکم والا حاضر شدہ  
باقسام تدبیر و معالجہ پیر و دانشمند تا بعد مدت طاققت حرکت پیدا کردند، لیکن ہنوز

لے ع: لغزیدن پائے ع: ہفتم ۱۱ اصل: سیر حج از روے ع: ۱۲ ع:

ان ۱۱ اصل: الملوک لے ع: الملکان

اثرے ازاں باقیست زیراکہ ہنگام راہ رفتن محتاج بعصا اند امید کہ از فضل الہی اس نیز رفع شود و شفاے کئی حاصل گردد

دلا معاش چناں کن کہ گر بلغز دپے فرشتہ ات بدو دست دعا نگہ دارد  
در واقع کہ اثر دعا ہاے سحری و نیم شبی خلق اللہ بود کہ حق تعالیٰ (از) اس گونہ  
بلایے ناگہانی حفظ [۲۳۴] ذات حمیدہ صفاتش نمود تا رنج کہ متضمن  
اس معنی یافتہ شد بہ قلم می آید لصفہ

جُودۃ الملک، وزیرِ اعظم	کہ خدایش بسلا مت دارد
شب کہ گلشت عمارت می کرد	بادلِ خورم و از غم آزاد
گل بدانساں کہ فتد از گلبن	از سر بام بنا گاہ افتاد
سال اس سانحہ دل جست از ن	گفتش حق ہمہ جا حافظ باد

بارے بنا بر حلت سیف الدولہ بہادر مغفور و عدم تقریر نیابت نظامت  
بنام اعز الدولہ بہادر و ہم ناخوشی ہر دو والا گہر با ہم دگر و تاخیر کوچ قلاب حب  
و ہمچنین بسبب بعض مہمات دیگر ستراسر پنجاب دارا شوب و فساد شد، و ہر طرف  
قتلہ پیرایان غارت پیشیہ و ہنگامہ آریان کوتاہ اندیشیہ کہ از روزگار دراز در  
کچ خمول و گمنامی خزیدہ بودند سراز رختہ فساد بر آوردہ در خرابی و ویرانی  
اس مملکت بمقدور تصور نمودند، شہر ہا بغارت رفت و قصبہ ہا تاراج کردند  
تا خاندان ہا پامال حوادث گشت و بدولتہا آفت رسید، غرض کہ زمانہ از مردم  
اس جا کہ بنا بر عدالت و کرم قلاب ناظم مرحوم در کمال آرام و آسودگی زندگی  
می کردند طرفہ انتقامی کشید، چنانچہ تا ساعت تحریر کہ پنجم جب و نہایت و نہم  
اصل، فرشتہ صبح از روی ج ۵ یعنی یکم خان ۵۵ ج: بتاراج شد ج:



جلوسی است و یک سال و یک ماہ و بیست و سہ روز از رحلت نواب ناظم  
مغفور گزشتہ ہنوز اہل مملکت محل فتنہ و فساد ست ۵

جہاں دار و جہاں را خراب بہانہ است کاؤس و افریاب

بعدیک چند از رسیدن اعز الدولہ بہادر بلاہور ہنر بر جنگ [۲۳۴ ب] بہادر از [۲۳۴ ب]  
دوآبہ جانب لاہور حرکت آمدہ در مکان حضرت ایشان اقامت گرفتند و باغ الدولہ  
بہادر در باب تقسیم ملک و مال پیغام کردند، آخر کار صرف بطل کشید و عاید بنا  
خوشی ہاشدہ، در افواج طرفین گو نہ زد و خوردی واقع گردید، بمن بعد پائے  
مصالحہ در میان آمد و با ہمہ گرسواری کشتی در میان دریائے راوی ملاقاتی نیز  
دست بہم داد و یک پارہ نقد و جنس از حجامہ ترکہ بطریق علی الحساب بشرط  
کوچیدن سمت دوآبہ از پنجاب حوالہ متصدیان سرکار ہنر بر جنگ بہادر شد و  
ایشان بدوآبہ کوچیدند۔

رسیدن محی الدین علی خان بہادر با اموال از  
لاہور بحضور و حوالہ گردیدن اموال لمستود اوراق  
بہ علاقہ و کالت نواب سیف الدولہ بہادر مغفور

محی الدین علی خان بہادر دیوان بیوثات کہ برائے ضبط اموال از حضور  
ماورثہ بود نہ لک نہ پین نقد و یک پارہ جواہر و طلا آلات و نقرہ آلات  
و پنج زنجیر فیل و یک عدد چہل و شش اسپ و دودھدوسی و یک شتر و

۵ اصل: فرشتہ، تصحیح اردوئے ح

و بیت استر و توشک خانہ و فراش خانہ و غیرہ کارخانہ جات کہ تفصیل اس  
 طول می خواهد ب ضبط در آورده ہر دہم ربیع الاول سنہ مذکور روانہ حضور  
 شدہ، و ہفدہم ربیع الثانی بشاہ جہاں آباد رسیدہ بر سالت عمدۃ الملک  
 بہادر شرف اندوز سعادت ملازمت اقدس گشت، و بعطائے خلعت شش پاچہ  
 (۱۳۵) و علم و نقارہ نوازش یافت و در باب اموال بسعد الدین خان بہادر (۱۳۵)  
 خانہ مان حکم شد کہ تحویل تحویلداران کارخانہ جات سرکار والا نماید، چنانچہ بر طبق  
 حکم قضا شہیم بظہور رسید یعنی نہ نقد داخل خزانہ عامرہ و جنس سپرد کارخانہ  
 داران گردید، بعد سہ روز انیس بسعدایت بعض اعزہ بیت و سوم شہر و منہ  
 مسطور اول روز کہ بندگان حضرت قدر قدرت در دیوان خاص تشریف آوردند  
 بسعد الدین خان بہادر خانہ مان ارشاد قدسی شد کہ چون اموالے کمی الدین  
 علی خان بہادر آورده قبل سرکار والا نیست سوائے زر نقد، طلا آلات، فقرہ  
 آلات و جواہرے کہ پسند شدہ دیگر ہرچہ ہست حوالہ وکیل نمایند و ہمیں امر و رسید  
 [بہر ش] اگر فتنہ از نظر انور بگذرانند، در واقع کہ چہ لازم کردہ کہ مشتی اسب و فیل  
 و شتر دانہ خورد زیادتی در سرکار والا باشد، آنچہ حیثیت پسند طبع اقدس اشرف  
 داشت و اک عبارت ست از زر نقد و طلا آلات و فقرہ آلات و جواہر خود بمقتضای  
 تفصیلات پادشاہانہ در وہدہ اول داخل خزانہ شد۔

بارے خانہ مان در کچہری آمد نشست و بکار خانہ داران تاکید ببلغ کرد  
 کہ توشک خانہ و فراش خانہ و فیل خانہ و صطبل و آہو خانہ و قوش خانہ و غیرہ  
 کارخانہ جات اموال ماندہ تحویل کارخانہ داران بادشاہی طلبیدہ ہمیں وقت

لے دیکھیں ص ۳۴ حاشیہ ۴۲۔ در اصل بعاش خان بہادر خان ۵۳ اصل و انیس صحبت

بسعادت بعض، ع، از سعایت بعض ۵۴ از روئے ع ۵۵ اس، حیثیت، ع، حیثیت، ع، بی

بجائے وکیل کہ عبارتست از اقام سطور برساند و رسید ہر کار خانہ بھرش بیارند  
 و خود تا دوپہر شب از کچہری برخاست (۲۳۵ ب) تاکاں کہ کارخانہ جات مرقوم (۲۳۵ ب)  
 را بجائے فقیر نہ فرستاد، از رنگ آمیز یہاںے نقشبندان قضا و قدر مست کہ  
 محی الدین علی خاں [دیوان] بیوتات [کہ] بنا بر ضبط اموال از جناب خلافت  
 مامور گردیدہ و اموال محضو را و ردہ بود بعلطای اضافہ و نقارہ سرافراز شود و در  
 حق بے چارہ وکیل کہ بعد حلت سیف الدولہ بہادر مرحوم باحوال خود گرفتہ و معطل  
 و بیک راست حکم شود کہ اموال را بجائے اش رسانند و دو اب پانصد روپیہ روزی  
 خرج را بگردش بر بندند و دم نقارہ خود جانی باید کہ گنجایش این ہمہ کارخانہ جات  
 داشتہ باشد، ہاے قریب بشام آمدن اموال محشر تمثال شد۔

بسم اللہ اول فیل خانہ کہ ازاں جملہ یک فیل سیہ مست خوں خواہ و بر  
 پشتش فیل بان شور پشے سوارہ بود و دہ دوازده کس با چرخ و بجالہ ہمراہ داشت  
 بر دروازہ حویلی رسید و راہ آمد و شد مردم بختی مسدود گردید، سر حلقہ فیل بانان  
 بادشاہی کہ چہرہ کھڑکی دار بر سر پیچہ خود را آدم تراشیدہ بود آمدہ نشست ۱۰  
 و مسترعی رسید گشت، گفت کہ منشی را بطلبید کہ رسید نوشتہ بدہ، منشی از خانہ خود  
 پیش فقیری آمد، فیل مست اندکی اشارت خرطوم طرف مخدوم کرد، آں بچارہ  
 برہمن ناواں کہ مشت استخوانی پیش نیست: ہاے پر میسر کیسی کی! گفت  
 و بر زمین غلطید و در آں مرتبہ جس و حرکتش مفقود شد کہ گوئی بد لوک رسید  
 بارے (۱۲۳۶) کسان فقیر بسر و قش رسیدہ ازاں مہلکہ بر آوردند، درزاں و (۱۲۳۶)  
 تر نش بر اے دیگر پیش فقیر رسانیدند، رسید اقبال نوشتہ حوالہ آں عزیز

لکھنؤ: روزی خور، قلعہ از روئے آں، اصل: آمد بے اموال محشر تمثال، آں، آمدنی اموال

محشر تمثال: شور پشے یعنی شورہ پشت ہر گاہ اصل: وادہ، آں مثل متن سے اصل: آید لکھنؤ: روزی

چیرہ کھڑکی بند کردہ رخصت نمودہ شد و بجمہ اعظم کہ اہتمام دواسپ خانہ فقیر  
 بعبہ اوست گفتیم احرار عزیز! ہر چہ بلائے نازل شدہ است لیکن انتقال  
 از دست نباید داد و کمر سعی بمیان ہمت برند، بالفعل احاطہ زمینگی کہ بر پشت  
 صہیل ست فیل داسپ و شتر را و دیگر ہر چہ بیاید در آں جاہ و او تعالی شانہ  
 آسان خواہد کرد۔

پہر شب گزشتہ صہیل و شتر خانہ و استر خانہ رسید و از شور و شتر سائیاں  
 آب بے لجاجی خورده و از شیدہ اسپاں از گرسنگی نیم مژدہ طرفہ زلزلہ در فکہ برپا  
 کردند، مردم دروازہ ہائے حویلی و اہل حرفہ دکان ہائے راستہ بانارہ بند کردہ دم  
 در نمی کشیدند و کمرہ فستقل یا الہی کل صعب بر زبان مثل بید بر غودی لرزیدند  
 بلکہ دوسرہ دکان شیرینی فروشاں بسبب شیطننت و مثلثی مردم بادشاہی تالاج  
 ہم رفت، شب تار دزد آمد آمد کارخانہ جات محشر آثار دہجوم مردم سرکار والا  
 و تکی جاعجب محبتے و طرفہ حالتے بودہ است، شب ہمہ شب و فردایش تا آں کہ  
 آفتاب غروب نمود ایں ہنگامہ بلند بود، طرفہ افیال دواسپ و شتر استادہ دستے  
 یوز و شیرچہ ہاد پارہہ [پاڑھہ] و آہوداد ہنگامہ آرا سی دادہ، جائے نفیس طوطی  
 (۲۳۶ ب) و بلبل و کوکلا و مرغ کو ہی چیدہ، و گہوشہ باز و جرہ و شاہین صید (۲۳۶ ب)  
 عقاب بے طعمگی گردیدہ، غرض کہ خانہ اناجوم مردم و کثرت از ہر نوع جانور  
 حکیم احاطہ شکار قمر غہ پیدا کردہ بود، و صحن خانہ بعینہ صفحہ تصویر فیل جادو  
 می نمود۔

مردم خود را چون مضطرب و سراسیمہ یافتہ، گفتیم چہ واقع شدہ است

لہ اصل: احتیاط، شمع از دسے رخ لہ دست برد عیالانہ و زندانہ (مرآۃ الاصطلاح)

لہ اصل: شترچہ با، رخ شتر تن لہ در رخ

کہ حواس را بر باد دادہ اید، جلے شکایت نیست بلکہ مقام شکر ست زیرا کہ حرف  
ویروز ست کہ چون تقریب سیر چھڑی ملا در میان بود فکر کرایہ نہ دہ شتر داشتہ  
امروز بفضل الہی دو صدوی ویک شتر کیے از دیگر بہتر دارم، پری شب شخصے کہ ہنس  
بلبلے از سر کوچی گزشت جہت فروختنش بجد بودم امروز نام خدا صاحب ہزاراں ملل  
وغیرہ مرغان رنگیں گفتارم، باآں کہ عاجز تر م از مور مخاطب پا دشاہ سلیمان جاوہند تارم  
دبا و صفے کہ گوشہ گزین و خانہ نشینم کلمہ بکلمہ بامراے عالیشانم، از ہوا العجیبے تقدیر ست  
کہ در حالت احتیاج، ایک سرو سامان امیر نام و در صورت قلند نشینی خداوندی و ش  
کار خانہ اگر خروج کم بجا ست کہ سواری نیل داسپ و شتر و حیمہ چندیں چکڑہ زرہ و کتر  
ونیرہ و شمشیر و سرب و باروت مہیا ست، اگر بسیر و شکار پر دازم رواست کہ ہنگی لوازم  
آں آمادہ بروفق تماست، آدمم بر فکر خوراک دواب و محافظانش ظاہر ست کہ  
کفیل روزی ہر ذی حیات رازق حقیقی است، او تعالیٰ شانہ بہر وضع خواہد [۲۳۷] (۲۳۷)  
رساند، اگر بی منی زیادہ بر مقدوم خواہد بود دیگرے را براحوال این شتی بے زبان  
[مہربان] خواہد گردانید بدیت

رزق را روزی رسان مقدار ہر یمیانہ داد

خوشہ را چندیں شکم داد و بہر یک دانہ داد

بارے چون و فقرا ہم رسیدن قریب سی صد چار صد کس سائیس و

ساربان و کبکسر و غیرہ برائے نوکری امر محال بود و عملہ و فعلہ بے رحم پادشاہی  
خود از سرو کردہ بدرزدند، نوبتے ہماں فیل مست مسی پنجہاں شکوہ از بے مہابتی

۱۶۷ دی آرمی آف دی انڈین ملازم ۱۶۷، ۱۶۸ اصل: اور ۱۶۷ از روے تج

۱۶۷ بکسر پر گنہ بھوج پور، سرکار بہتاس، صورت بہار کا ایک نصیبہ (چپرا گشن) "کبکسر" کے متعلق

دیکھو اردن کتاب مذکور ص ۱۶۸

نہنجیرما از ہم گسلانده بر سر شورش آمد کہ در تمام محلہ قیامت برپا گشت، اسپ  
 و شتر مر کرده ہر یکیں آوارہ دشت یلہ گردی شد، بلکہ بعضے اسپ خودمانند اسپ  
 اسلمید جب راجہ ہاسے ہندستان سرنامہر شہر گہ دیدند و بعد از سہ روز بحسن سعی مردم  
 کوتوالی بہم رسیدند دیوان حافظ شیراز قدس اللہ سرہ العزیز، بہ نیت این کہ مال  
 این مقدمہ حیثیت بفال کشادہم، این غزل برآمد غزل

ہاتفی از گوشہ مرغ خانہ دوش	گفت بخشنہ گنہ، می بخش
لطف الہی بکند کار بخش	مژدہ رحمت برساند سروش
فضل خدا بشیر از جرم ماست	نکتہ سر بستہ سپہ دانی نموش
گوش من و حلقہ لگیوے یار	روے من و خاک در در فروش
وادر دیں شاہ شجاع آنکہ کرد	روح قارس حلقہ امرش بکوش
از ملک العرش مرادش بدہ	وز خطر چشم بدش دار گوش
گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند	آن قدر احوال کہ توانی بکوش
رندی حافظ نہ گناہی است صعب	با کریم بادشہی [۲۴] عیب پوش

۱۰  
(۲۳۴ ب)

## مذکور قبیل مردہ

بعد از یک ہفتہ انہیں صحبت در حویلی قدیم در بنگلہ انکور کی کہ بر پشت بام  
 است فقیر و مرزا صلاح بیگ مخلص بہ آگاہ کہ ملا بہتات خانہ ممی الدین علی خان  
 دیوان بہتات براوست نشستہ بودیم، دریں منمن چو بدار سعد الدین خان بہادر

۱۵ یعنی اشومیدھیاگ = جشن قربانی اسپ، اس کے متعلق دیکھو ہیمنڈنر کا دائرہ معارف

مذہب و اخلاق ج ۲ ص ۱۶۰ ۱۵ مصنف کو انکور کی سیلوں سے بہت دل لگی تھی، دیکھو

مرآۃ الاقطار ج بذیل دار است

خانساناں با چارپائی کی کہ برسر مزدوران بود رسیدہ ادا سے پیغام کر دے دو فیل  
نروسہ مادہ فیل بابت سرکار سیف الدولہ بہادر مرحوم بضبط آئندہ بود، از آں جملہ  
چار ماخویش ازین رسانیدہ و رسید حاصل کردہ شد یک فیل کہ بسبب بیماری در  
شہر ہند ماندہ بود سقط گردیدہ چنانچہ ہر دو دندان و زخوت\* (۹) آں بریں چارپائی  
است ملاحظہ کردہ باید گرفت و رسید باید داد، گفتیم ای خانہ خرابان! شاید اگر رفتن  
رسید زنیہا تسلی نشدہ آید کہ حاضری رسید جنازہا می خواہید بروید و ہر بید، من چہ دلم  
کہ دندان و زخوت\* کہ آوردہ اید از ہماں فیل ست یا از فیل دیگر از آں قبیل۔

## کیفیت دیوان مرزا صایب علیہ الرحمۃ

شاید کہ یک ماہ پیش ازین ہنگامہ از شخصہ خبر یافتہ کہ ماے نوندہ راے  
پیشکار خالصہ دیوان مرزا صایب علیہ الرحمۃ دارد کہ قریب یک لک بیت ست  
چون از مدتے تلاش این قسم دیوان داشتہم از پیش راے مذکور طلبیدہ شیرازہ  
اجزائش واکردم و مسطر چہار مصرعی موافق صفحہ اصل ترتیب دادہ بنا بر ہر دو تن  
نقل بہ ثلث کاتب حوالہ نمودم، در عرصہ سہ ماہ و پنج روز ہشتاد و دو جز کہ شصت و ۱۰  
کم ہزار و پنجاہ و ہشت [۲۳۸] بیت دارد با تمام رسید و مبلغ یک صد و ہفدہ (۲۳۸)  
روپیہ و پنج آنہ صرف کاغذ و کتابت و جدول و جلدش کردند، حاصل این گفتگو  
روزے کہ ہنگامہ اموال بیان آمد فردائش کاتبی از جماعہ کا تبا نش جزوے تمام  
کردہ پیش فقیر آورد، بر سر ورق جزو کہ نظر کردم این بیت مرقوم بود: بیت  
در خطہ گاہی کہ سر باید گرفتن باد و دست  
می کنت این عاقلان اسباب را گرد آوری

غریب رقتی حاصل شد، در سال یک ہزار و یک صد و پنجاہ و یک، ہجری کہ شاہ  
آسمان جاہ نادر شاہ فرماں روا کے قلم رو ایران بہندوستان مسلط شد، برای ملین  
دبیدہ شد کہ ہر کہ مال و منال بیشتر داشت اور آفت بیشتر رسید  
اسباب جہاں کہ اکثرش ناچار است در صورت افراط سر سر خوار است  
بر قصر ہوسہاست بنائے آرام تشویش دے بقدر دنیا دار است

## بیایم بر مطلب

چار ہزار روپیہ معرفت راجا قابل رام متصدی سرکار نواب صاحب  
وزیر الممالک بہادر از برکتی بھان ساہو بحساب دو روپیہ سود سر صد بموجب  
تمتک قرض گرفتہ مبلغ مرقوم بالا برائے اخراجات کارخانہ جات تحویل سیام صراف  
منوم، حالانکہ ملک التجار ہندستانم چنانچہ [آں چناں در جہاں خلق شدہ گو  
بالقوہ نباشد بالفعل خود مالک انم، روزہا خانہ ام را ہر کہ می دید کاروان سر می  
پیدا شد و شبہا ہر کہ تماشا می کردش خیمہ شب بازی انگاشت، چوں مامور  
بودم بفروختن گلہ کلمہ اسپان رفتہ از کار [۲۳۰ ب] و قطار قطار شتران بے ہمار  
در ساندین وجہ قیمتش بخزانہ سرکار دوسہ تا خیمہ بشکوہی در میان چار باغ زوم  
وحسب الارشاد خداوندان دولت در باب فروخت اسب و شتر و استراحت اجازت  
داوم، مقومان مقیم سر کوچہ غرض آمدہ نشند و مال یک روپیہ را بچہا رانہ قیمت  
کردند کیست کہ متعوض احوال آں ہاشود زیرا کہ مقومان سرکارانہ و در ضمن ایں گونہ

۱۔ اصل: بسیار ۲۔ اصل: دلیل ۳۔ اصل: برکیان، سج: برکتہاں

۴۔ سج: سود سر صد و روپیہ ۵۔ اصل: طرف ۶۔ کننا

۷۔ اصل: دریں ضمن



قیمت کر دن غرضی ہر آیتہ مد نظر دارند، بارے اسب و شتر و اسر وغیرہ بچہار  
دہ ہزار دیک صد و پنجاہ و شش روپیہ و دو اودہ آٹھ فروخت گزیدہ آک چہ بعد  
اخراجات و ادائے قرض سا ہو باقی ماندہ جائے کہ مامور شدہ رسانید، چنانچہ مفصل  
در جمع خرچ مرقوم ست۔

قریب ہفتاد و ہشتاد چھکڑہ تو شک خانہ و قورخانہ و فراش خانہ وغیرہ  
کارخانہ جات از عدم دادن رسید ہنوز باہتمام مردم بیوتاتی بود، چہ آں ہا رسید  
بقیدی میخواستند و حال آں کہ بدین عرض گرفتن جنس این معنی نمی توانست، صورت  
بست، لہذا قرار یافت کہ نویسد ہاے راست قلم ہر دو طرف بنشینند و با چھکڑہا  
کشودہ صندوقہائے تو شک خانہ کہ سر بلہر ست بر شمار عدد دے آں اکتفا نمایند  
و جنسی کہ زیر مہر نیست تفصیلش بر نگارند، ششم جمادی الاول سنہ صدر مژدا  
صلاح بیگ کہ در ادواق گزشتہ اسواش مرقوم ست با نویسدہ چند از جانب  
محمی الدین علی خاں دیوان بیوتات و گزشتہ پت راے پیشکرمشرفی اتیاع خانہ ۱۰  
زادہ بود [۲۳۹] سرکار والا (با) بعض ارباب تحریر از طرف قفیر در خیمہ ہاے کہ بگزین (۲۳۹)

لواح چہار باغ دہ شدہ بود بعض گرفتن جنس کارخانہ جات پر داختند، و چہار دہم  
شہر صدر دروغ حاصل ساختند، پانزدہم، شانزدہم و ہفدہم سہ روز دیگر در مقابلہ کاغذ گرفتہ  
من بعد مردم بیوتات پادشاہی رسید بہر فقیر گرفتہ چھکڑہاے اموال یعنی امانتے را کہ  
زمین و زمان و دشت و جبال نیاسٹ تحمل آں شد تجویز اقامت سطور نمودند و شہر ظنوما  
و جہولاً از شش جہت بلند تا سما، فقیر تماشائی نقش پر واز یہاے قضا۔ شععی  
آسمان بار امانت نموانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند

۱۔ اصل: فروختہ کردن، شش تن ۱۰ اصل: تورخانہ، تصحیح از روے ج کہ در ج  
افزادہ، بلکہ ۱۰ اصل: نداشت، تصحیح قیاسی است۔

بہر تقدیر چوں آمد آمد ایام برسات بود ارادہ مصمم شد کہ زود کارخانہ جات روانہ لاہور کرد و تدبیر اس معنی در میان بود کہ درین ضمن از دیوڑھی خدمت عالیہ بیگم صاحب محل نواب سیف الدولہ مغفور پیغام رسید کہ بعضے جنس از گوشک خانہ و قرآن خانہ درکار است تعجیل در روانہ ساختن کارخانہ جات بوقوع نیاید ہر چند نظر بعضے جہات مصلحت در روانہ شدنش بود لیکن چوں خداوندان دولت چنین فرمایند غیر از قبول [علاج] نداشت صورت اینست : جواہرے کہ از لاہور ارسال حضور شدہ بود بندگان حضرت خلیفہ دین و دولت رو برو وافرمودہ دہمگی ملاحظہ نمودہ بعضے رقم کہ سی و یک ہزار و سی صد و پنجاہ روپیہ اصل قیمتش ۱۰ (۲۳۹ ب) بودین ساختہ بہ [۲۳۹ ب] قیمت ہفت ہزار و دو صد و شصت و تہ روپیہ کہ مقومان حضور مقرر کردہ بودند نگہ داشتند و بقیہ سر بہر سہالہ دین خان بہادر خانہ سامان و جواہر خاں داروغہ جواہر خانہ حوالہ را رقم صرف شد فقیر بجناب نواب صاحب وزیر الممالک بہادر (و) خدمت عالیہ التماس کردم : "کارخانہ جات کہ در محلہ گنجایش نداشت تمویل بندہ شدن مضائقہ ندارد لیکن تحمل با سنگین جواہر ہر چند بیش از یک صندوق و یک صندوق نیست عاجز نمئی تواند شد، در سرکار نگاہ باید داشت" حق تعالی در عمر و دولت خدمت عالیہ بیفزاید کہ در سرکار خود نگاہ داشتند در رسید لمہر و دستخط خود عنایت نمودند و بچنین گوشک خانہ و چینی خانہ و پھندہ خانہ و ظروف باورچی خانہ و اکبار خانہ و غیرہ کارخانہ جات را در سرکار خود نگہ داشتہ رسید مکرمت ساختند و از جنس قرآن خانہ آنچہ درکار بود بابا بختا و دراکہ پرستار مزاجدان و جواب دسوال دیوڑھی با ہتمام است در چار

لے : ساختنش لے : از دے لے : اصل، نیمہ، تسج قیاسی است لے یعنی شہنشی

کے تحفقات لے : اصل، رسید

باغ فرستادہ طلبیدند و رسید آں نیز لطف نموده در روانہ ساختن کارخانہ جات  
مختار نمودند۔

## روانہ شدن اموال از شاہ جہاں آباد بہ لاہور بموجب حکم والا بہ اہتمام راقم سطور

ہوں از جناب خداوندان دولت ارشاد شدہ بود کہ چھکڑہ اموال و  
افیاں را ہمراہ بیگ<sup>لہ</sup> نظر خان عرف حاجی نذیر و خواجہ بدیع ملازمان انوالو  
بہادر کہ یک چند پیش ازیں بتقریب مہمان داری بیگ علی وغیرہ جلوہ داسرکار  
عظمت دار [۱۲۴۰] شاہ فلک بارگاہ نادر شاہ فرماں رواے ایران (۱۲۴۰)  
بشاہ جہاں آباد رسیدہ بودند روانہ کردہ شود و از سرکار عالی تعین بسبب  
بعض جہات قرین مصلحت وقت<sup>لہ</sup> نبود، لہذا یک صد و یک کس را نوکر کردہ  
لکھی رام خدمتگار قدیم الخدمت و حکومت رام محرر را نیز ہمراہ دادہ بسیت  
و دوم جمادی الاول سنہ صدر روانہ لاہور کردہ شد و روز اول متصل بکڑہ  
نخل دارخان منزل گردید۔

و بعد دو روز بیگ<sup>لہ</sup> نظر خان و خواجہ بدیع نیز از ڈیوڑھی عالیہ خلعت و  
دو صدر و پیمہ یافتہ رخصت گردیدند و از شہر کوچیہ در کارخانہ رسیدند و حاجی کہ  
خالی از بلا تھے نیست یکے بنا بر دیگر بتافتن و حضور کہ این معنی سببے داشت و  
دوم جہت گریختن ایاز نام غلام محمود خود کہ ظاہر مال قریب بہ پنج ہزار روپیہ  
لے نیکیور، عجب از بے تعجب مرآۃ الاصطلاح (بذیل تنخواہ) لے اصل: دقت، تع مثل متن

لے اصل: آغا ہاں لے اصل: در متن، تع مثل متن

برودہ از فلک و ملک بے مزہ و ناخوش بود شروع بفرمایشہا نمود، گاہے پیغام می کند کہ این ہماں اموال ست کہ (دیوان - خط) بیوتات با پانصد سوار پیادہ آورده بود حالانے تو انہم با این مردم قلیل کرد، لازم کہ فوجی از مسرور و نواب صاحب مقرر شود، و گاہ گفتہ می فرست کہ اگر تعین فوج از سرکار دشوار باشد خود دو صد سوار و پانصد پیادہ نوکر کردہ ہمراہ بیداد و مبلغی برائے خراج من نیز باید فرستاد، ہر چند گفتہ شد کہ حالاً در اموال چہ ماندہ است غیر از چند چھکڑہ ؟

فراش خانہ نیست و معہذا از تعین مردم از سرکار عالی می توانست صورت است (۲۴۰ ب) چہ این ہمہ مردم نوکر [۲۴۰ ب] گرفتہ می شد ؟ و نیز غلام شمارا من نگر یزاندہ ام کہ از من بے دماغ باید بود، و باعث کم توجہی خداوندان دولت فقیر نشدہ ام کہ چشم از خدمت گزار یہاںے سابق پوشیدہ ہزار تکلیف مالا یطاق باید نمود، با آن کہ می دانند کہ روزی دو صد و پیرہ کم و زیادہ خراج کارخانہ است از امین دولت خواہی خداوند بعید ست کہ مقام باید کرد، روزی کہ چہت خراج راہ کارخانہ بتکلیف سرانجام یافتہ در مقامات کثرہ محل دارخان تمام باید کرد، قطع نظر از این ہاتمی پانزدہ روز در شروع برسات کہ آن عبارت ست از ماہ سادون ہندی باقیست، و در راہ از دو دریای باید گزشت، نظر باین مراتب بہتر این ست کہ دست از این ہرزہ خیالیہا باید کشید، و بسرعت ہر چہ تمام تر باید کوچید، اصلاً این حرفہا بخاطر حاجی جانکر و ویدار و مدار ششی بروزی آورد و چون دریافتہ شد کہ تاکید و تہدیدش فایدہ نمی کند احوال بجناب عالیہ گزارش کردہ شد و از جناب عالیہ سزا دلان مامور شدند کہ حاجی را بکوچانند و بگویند کہ اگر زیادہ بری توقف کردی بعزل جاگیر معاتب خواہی شد، چنانچہ سلع جمادی الاول سنہ مذکور

نور چشم کا مکار راسے کر پارام و فرزند ستودہ اطوار سے فتح سنگھ و برادر مہربان لالہ  
 لچھی رام و عزیز القدر کشمیری مل وغیرہ یاران را فرستادم کہ شما نیز رفتہ بجای  
 در باب کوچ تقدیر بلیغ نمایند، و اگر با وصف این در کوچ استادگی کند دیگر  
 معترض احوال [۲۴۱] نبودہ کارخانہ را روانہ کنند، یاران مذکور در کثرہ (۲۴۱)  
 محل دارخان رسیدہ و بجای مومکد گردیدہ سہ پہر ہماں روز پیشتر کو چانیدند  
 و خود در باغ مشفق مہربان راسے مجلس راسے پیشکار خالصہ کہ متصل بکمرۂ  
 محل دارخان و بنا برآب نہر در کمال طراوت و لطافت ست رسیدہ  
 حاضری خوردند، می گفتند باد بجان باغ کہ دست بختہ شدہ بود نیلے  
 لذت داد، چون خبر روانہ شدن کارخانہ جات یافتہ، شکر بجناب اقدس  
 الہی بجا آوردم، چہ از رونے کہ اموال تحویل را قم سطور شدہ تا روانہ  
 شدنش نصیر یہ کشیدہ شد کہ نصیب ہیچ آفریدہ مباد! و این ہرج و مرج و درو  
 سر ہر روزہ منجر بضعف دماغ گردید و مدتے خون از دماغ می آمد، تہمیر با بکار  
 رفت تا مزاج باصلاح آمد

دانہ اشکیم مارا اگر دیش چشم آسیاست

آنچہ دریافتہ شد حاجی کہ از چاشنی خواران لذت تجارتست بعضے جنس  
 سوداگری با خود داشت، چون تقریب کوچ جلو دار باشیاں در میان فوج  
 سنگینی ہمراہ شاں بود لہذا در کوچ توقف می نمود، چنانچہ از دوسہ منزے  
 دارالحلافہ بیشتر نکوچید تا آن کہ قافلہ جلو دار باشیاں نرسیدہ و کیفیت جلو دار  
 باشیاں بدیں موجب ست۔

لے اصل: بجز رمع: بچی رام

لے اصل: روا: تفصیح از دوسے ج

# احوال جلو دار باشیاں سرکار عظمت مدار شہنشاہ فلک بارگاہ

شاہ جم جاہ نادر شاہ فرماں رواے قمر وایران ہشتاد ویک راس اسپ بانامہ  
 (۲۴۱ ب) نامی برائے بندگان حضرت قدر قدرت ظل اللہ [۲۴۱ ب] محمد شاہ بادشاہ غازی  
 وئر راس اسپ جہت نواب صاحب وزیر الممالک بہادر و ہمچیں حقہ رسد برائے  
 ۱۰ بعضے امرے اعزالدولہ بہادر و ہمیں قدر ہنر برجنگ بہادر و ہمچیں حقہ رسد برائے  
 بعض امرے دیگر مصوب بیگ علی بیگ و کتاب اللہ بیگ جلو دار باشیاں ہندوستان  
 فرستادہ ہوئند، چلں بہ لاہور رسیدند و اسپان حقہ اعزالدولہ بہادر و ہنر برجنگ بہادر  
 باشیاں رسانیدند ایشاں چند روز جلو دار باشیاں رادر آں جانتوقف ساختند  
 و سب لوک و مدارا پر داختہ حاجی بیگ نظر خان و خواجہ بدیع رابعلاتہ مہمان اری  
 باسی صد سوار ہر فاقہ آں ہا مقرر کردہ روانہ حضور ساختند، و آہنشاہ جہاں  
 آباد رسیدہ بیت وکیم ربیع الثانی سنہ [۲۴۹] ملازمت اقدس حاصل نمودند  
 نامہ و اسپان از نظر انور گزرا نیدند، خلیفہ دین و دولت نامہ را بدست خاص  
 از آہنہا گرفتہ حوالہ یحیی خان میرنشی نمودند، و بعد استفسار احوال شاہ جم جاہ  
 خیلہ تعریف اسپاں فرمودند، بجلو دار باشیاں خلعت مرحمت شد و باغ محل داخل  
 برائے بودین شان معین گشتہ، اخراجات ہر روزہ از سرکار والا قرار یافت،  
 بیت و دویم جمادی الاول سنہ مذکور آہنہا از پیشگاہ خلافت ببطائے

۱۔ اصل: جلو دار بادشاہ حج مثل سن ۱۰۰۰ھ، مکفران، تصحیح از دوسرے مرآۃ المصلح

خلع و بیت ہزار روپیہ نقد کامیاب گردیدہ و ستوری انصاف یافتند و  
 یک ہزار و دودھ تو لچہ عطریات از ہر قسم علیحدہ شدہ [۲۲۲] قریا یافت کہ  
 پنجاہ و یک زنجیر فیل جواں کہ بہندی زبان پاتھ گویند نیز برسبیل ارمان  
 جہت شاہ جم جاہ فلک بارگاہ مصحوب جلو دار باشیاں مرسل شود۔

## کیفیت ارسال اخیال جہت شہنشاہ بلند اقبال

چوں اخیال جواں در فیل خانہ سرکار والا نمود بہ عمدہ ہائے خلافت  
 ارشاد قدسی شد کہ ہر قدر اخیال جواں داشتہ باشند از نظر انور نگہ ما نند و ہم  
 با ہادی علی خاں داروغہ فیل خانہ حکم شد کہ در شہر پیش ہر کس از نوع مذکور  
 فیل باشد طلبیدہ از نظر جہاں پرور بگز راند، ہر یکے از عمدہ ہائے سلطنت سے  
 فیل پیش کش کرد، و بیکر ہم می گز رانیدند و سعادت می پنداشتند لیکن چہ کنند کہ  
 بدلتند..... چوں داروغہ مردم براے نقص اخیال تعین نمود، ہر طرف در شہر رفتہ  
 سر کشید، و کہن ہنگامہ فیل و ابابیل کہ آیہ بلند پایہ اَللّٰہُ تَعَالٰی فَعَلَ سَبَّحْ  
یَا اَصْحَابِ الْاَفْنٰی دلیل آن است تازہ گردید، ہر چہ از جناب عالمیایں مآب  
 در باب تلاش اخیال جواں حکم بود ایں مشتے شرارت پیشہ و رضائے کہ سراغ  
 تصویر فیل ہم یافتند بے تحاشا سوش چوں فیل مست بشور و شدت تمام شتافتند  
 بعضے زر کی دادہ خود را از دست شاں رہائی دادند و بعضے اخیال را در پردہ  
 شب بروین شہر فرستادند، و از بعضے در سرکار والا ضبط شد، و غرضیکہ یک چند در  
 شہر دور دور فیل بانان بود و ہر فیل بان فیل ہائے زر ہائے خطیر از اہل اخیال  
 رہود، از آنفا قات را تم سطور نیز از نوع مذکور فیلے داشتیم لیکن در شہر نبود، در  
 لہ کنا، جہاں میں اضطرار ہو غالباً کچھ عبارت اس کے بعد کی نحوہ اصل سے حذف ہو گئی ہو۔  
 لہ اصل، فیل بانی، ع، فیل بابے

ہمیں آیام داروگیر (۲۲۲ سہا) روزے جو بدار داروغہ با چندیل بانان بطلب  
 آں آمدہ ابلاغ حکم والا نمود، بخاطر گزشت کہ ہر گاہ مرضی اشرف بادشاہ ہندستان  
 بریں پلہ باشد چہ بہ ازین است کہ پیشکش کردہ شود باز بخاطر سید کہ خوب تدبیر  
 خود باید کرد، چوں باداروغہ از قدیم رطبی داشتہ پیغام کردم، فیلے کہ مردم سرکار  
 بر آں چٹم سیاہ کردہ اند اگر مروت و فتوت ہمیں اقتضائی نماید حاضر است  
 لیکن چوں زمانہ ہموارہ بیک و تیرہ نمی باشد آخر رنگی خواہد گرداند و صورت ۱۰  
 این ماجراے غریب مانند تصویر فیل نقش صفحہ روزگار خواہد ماند، و از دیوہی  
 خدمتہ عالیہ نیز در باب عدم مزاحمت زبانی محمد سعید خدمتگار پیغام شد،  
 حق تعالی آں مرد بزرگ را جزاے خیر دہا د کہ بگی دست از مزاحمت برداشت و  
 من بعد اصدے را بنا بر جواب و سوال این مقدمہ نگماشت، بارے چوں از سرکار  
 بعض امراے عظام و از پیش بعضے اہل شہر مثل راجا بگل کشور وکیل ناظم بنگالہ  
 و دیوبند پسر سیتا رام افیال در سرکار والا ضبط گردید و تعدادش بہ پنجاہ و  
 یک رسید بر اے آہنا ساز ویراق نقرہ و رخت سقر لا ط زر دوز ترتیب یافتہ  
 مرسل گردید۔

حاصل کلام چوں جلو دارباشیاں کہ جمعیت سوار و پیادہ سرکار لواب  
 صاحب وزیر الممالک بہادر و دانات مرتبت صفدر جنگ بہادر ہمارہ آہنا تعین  
 بود با تحف و ہایاے صدر روانہ گردیدند، وجائے کہ حاجی بیگ نظر خان انتظار  
 (۱۲۴۳) می کشید رسیدند، حاجی بر فاقبت شان [۱۲۴۳] پیشتر روانہ شد و بیت و دوم  
 جمادی الثانی سنہ مذکورہ حاجی با چھکڑ ہاے اموال و اقوال بخیریت بہ لاہور رسید۔

لہ اصل: و دیوبند، اس شخص کا ذکر چغتای طبع لکھنؤ ۱۲۹۶ء ص ۶۶ پر دیکھیں

لہ اصل: بخیر خان، تصحیح از دوسے مرآۃ الاصطلاح ختم شد

۱۰ عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ علی رام بھٹو اور سید صاحبزادہ نے تھانی محمد الرحمن کوئیٹا  
 اردو (پریس) نے ڈبلیو سے شائع کیا۔



# خاتمہ

اصلاح اور تصحیح کی پوری کوشش کے باوجود اس کتاب میں زبان و بیان اور طباعت و کتابت کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ غلط نامہ مرتب کرنے سے اس نقص کی تلافی کی جاتی لیکن کتاب کی نوعیت ایسی ہے کہ غلطیاں پھر بھی باقی رہ جاتیں۔ اس لئے غلط نامے کو محض تکلف خیال کرتے ہوئے، ہنر پسندانہ عیب پوشی سے استدعا کرتا ہوں کہ غلطیوں کو خود درست کر لیں اور میرے لئے دُعا فرمائیں۔

مرا بہ سادہ دلی ہائے من تو ان بخشید

خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

تصویریں اور عکس چیئر مین لائبریری کمیٹی خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب کی عنایت خاص سے، پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی مملوکہ قلمی کتابوں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں۔

کارپردازان انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی اور کارکنان مطبع مفید عام لاہور بھی میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کی طباعت کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹایا۔

بیچ مدان

دامن کوہ۔ مانسہرہ ضلع ہزارہ

سید عبداللہ

۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ء



## حواشی

صفحہ ۴ - س ۶ - محمود اور البیرونی - البیرونی <sup>۱۰۸</sup> میں خوارزم کے چند امرا کے ساتھ اسیر ہو کر غزنی پہنچا۔ <sup>۱۰۸</sup> اور <sup>۱۰۸</sup> کے درمیان اس نے ہندستان کی سیاحت کی اور <sup>۱۰۸</sup> میں انتقال ہوا۔ (مگر بعض اقوال اور شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ <sup>۱۰۸</sup> میں زندہ تھا) محمود کے دربار سے اس کا کوئی تعلق تھا یا نہ تھا؟ اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ مقالے کی ایک حکایت سے اس کی تائید ہوتی ہے لیکن البیرونی کی اپنی تصنیف سے اس کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ اس کی کتاب تحقیق مالہند <sup>۱۰۸</sup> اور <sup>۱۰۸</sup> کے درمیان لکھی جاتی ہے۔ <sup>۱۰۸</sup> تک وہ سیاحت ہندستان سے واپس آچکا تھا۔ سلطان محمود کا انتقال <sup>۱۰۸</sup> میں ہوتا ہے۔ اس تمام عرصے میں البیرونی بادشاہت کے ساتھ اپنے تعلق کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ البیرونی نے محمودی فوجوں کے ساتھ ہندستان کا سفر کیا۔ لیکن اس کے لیے کوئی قطعی شواہد موجود نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ محمود کے دربار کے ساتھ البیرونی کے تعلق کے متعلق ہماری معلومات ناقص ہے۔ پس ان حالات کی روشنی میں اس کتاب کے صفحہ ۴ (س ۱) کی یہ عبارت ”لیکن محمودان کی سرپرستی سے دریغ نہیں کرتا“ قابل ترمیم ہے البتہ اس حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے کہ محمود کے زمانے میں ایک شخص غزنی میں بیٹھ کر ہندو علوم و فنون پر کتبیں لکھ رہا ہو۔ اگر عام خیال کے مطابق محمود کو ہندو علوم اور مذہب کے خلاف تعصب ہوتا تو وہ البیرونی کو ایسی کتابیں لکھنے کی اجازت نہ دیتا۔

عمود کے انتقال کے بعد مسعود اور مودود کے ساتھ ابیر ٹونی کا تعلق ثابت ہو چکا ہے۔  
 قانون مسودی اور کتاب الصيدنہ کے انتساب سے ظاہر ہے [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو  
 میرا مضمون "قدیم عربی تصانیف میں ہندستانی الفاظ" اور ٹیبل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۷۱ء]  
 صفحہ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ بدائع وقائع۔ یہ ایک طرح کی خود نوشت سوانح عمری ہے  
 اور علاوہ دل چسپ ہونے کے اہم اور نادر بھی ہے۔ ایلپیٹ نے اپنی تاریخ میں اس کو  
 تذکرہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس پر محمد جمی پرنسپل محمد شفیع صاحب نے جو مضمون  
 لکھا ہے اس کو ان کی اجازت سے اس کتاب کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کیا جاتا ہے۔  
 صفحہ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ دارستہ اور خان آرزو۔ خوش قسمتی سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری  
 میں چارغ ہدایت کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کے حاشیے پر دارستہ کے حواشی اس کے  
 اپنے قلم سے موجود ہیں۔ [ملاحظہ ہو کتاب نمبر \_\_\_\_\_] اس کے ایک صفحے کا عکس  
 اس کتاب کے صفحہ ۱۵۴ اور صفحہ ۱۵۵ کے درمیان موجود ہے۔ خان آرزو کی بعض اور  
 کتابوں پر بھی دارستہ کے تحریر کردہ حاشیے میری نظر سے گزرے ہیں۔

## مآخذ کی فہرست

[مآخذ کی یہ فہرست مکمل نہیں۔ میں نے بغرض اختصار غیر اہم مآخذ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جس باب میں کوئی کتاب استعمال کی گئی ہو۔ تو میں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہو۔ جہاں کوئی حوالہ نہیں اس کا یہ مطلب ہو کہ اس کتاب سے ہر باب میں فائدہ اٹھایا گیا ہو۔ انگریزی کتابوں کے نام بعض جگہ یہ اختصار دیے گئے ہیں۔ یہ اگرچہ اصولاً جائز نہیں مگر اردو کتاب میں انگریزی ناموں کا کھپنا مشکل کام ہو۔ میری کتاب میں جن بے شمار مصنفوں کا ذکر ہو ان کی صداقت میں میرے متقل مآخذ ہیں۔ میں نے ان سب کو پڑھ کر ان سے فائدہ اٹھایا ہو مگر اس فہرست میں ان کو شامل نہیں کیا گیا۔ فہرست کی ترتیب تہجی ہو مگر فصول میں اس کی پابندی نہیں کی گئی۔]

اُردو دے مقلی۔ غالب مبارک علی ایڈیشن (۶)

اورنیل کالج میگزین لاہور

انڈین انسٹی کویری (۶)

اسلامک کلچر (۳، ۴)

اقبال نامہ جہاں گیری۔ معتمد خان (۱)

ابن بطوطہ۔ عجائب الاسفار (۱)

اصطخری۔ مسالک الممالک (۱)

ابن حوقل۔ المسالک والممالک (۱)

ایلیٹ وڈو سن

(تاریخ ہند ۸ جلد)

آئین اکبری (۲، ۳)

اقوام کشمیر۔ محمد دین قوق (۱)

اکبر۔ دنسٹ سمٹھ (۲)

اکبر نامہ۔ ابوالفضل (۲)

ایشیا ٹک ریسرچز جلد ۱۵ (۳)

انیس الاقبا۔ مہسن لال انیس (۴)

انیس العاشقین۔ راجا رتن سنگھ زخمی (۵۰۴)

Annals۔ راجستھان۔ ٹماڈ (۴)

ایرین رؤل۔ ہیول (۶)

امراے ہنود (۲، ۱)

تہارا چند رڈا کر (انفلوئنس آف اسلام) { (۶)  
آن انڈین کلچر

تفریح العمارات۔ سیل چند (قلمی شیرانی) (۲)

تزک بہاں گیری (۲)

تذکرہ حسینی (قلمی پنجاب یونیورسٹی) (۳)

تذکرہ میر حسن (۴، ۵)

تذکرہ سرخوش رقلی پنجاب یونیورسٹی (۴)

تذکرہ کریم الدین (۵)

تذکرہ عشقی (از سپرنگ صفحہ ۱۸۳) (۵)

تذکرہ غلام حسین شورش راہ سپرنگ صفحہ ۱۸۲) (۵)

تذکرۃ النساء درگاہ پرشاد ناادر (۶)

جزل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۴ (۱)

جہاں گیر از مینی پرشاد (۳)

جزل آف انڈین ہسٹری (۶)

چہارچین۔ چند بھان بہمن { (۳، ۴)  
(قلمی پنجاب یونیورسٹی)

چینستان شعر شفیق اورنگ آبادی { (۶، ۴)  
(مطبوعہ)

خزانہ سمرہ۔ آزاد بلگرامی (۱، ۴، ۵)

خاتمۃ التواریخ سبجان رائے { (۴، ۳)  
(مطبوعہ ظفر حسن)

ایجوکیشنل رپورٹس آف گورنمنٹ  
آف انڈیا۔ شارپ درجی { (۵)  
پنجاب از آرٹنڈ

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (۳)

انسائیکلو پیڈیا برطانیکا (۱)

ابن حسن۔ سنٹرل سٹرکچر آف دی منٹل ایپار  
(دیباچہ)

بلوخن۔ ترجمہ آئین اکبری (۱، ۲، ۶)

کنٹری۔ جوئنسر رپرتیشن لفت (۶، ۴)

بابرنامہ تزک بابری (۱)

بہقی۔ تاریخ بہیقی (۱)

البیرونی (تحقیق باللہند) (۱)

برنی۔ (ضیاء برنی = تاریخ فیروز شاہی) (۱)

بساتین السلاطین۔ ابراہیم زبیری (۱)

بدایونی۔ منتخب التواریخ (۲)

بیل۔ اورینٹل بیگرافیکل ڈکشنری (۳)

براقون۔ تاریخ ادبیات ایران (۶)

پنجاب میں اردو

پروفیسر شیرانی (۱)

تاریخ شیرشاہی۔ ارادت خان { (۲)  
رازا لیلیٹ۔ - ج ۴

تذکرہ خوش ذویاں۔ غلام محمد

- خانی خان منتخب اللباب (۳)  
 ثم خانہ جاوید - سری رام (۴)  
 خورشید جہاں نما (تاریخ بنگال) (۶)  
 خلافتہ المکاتب - سجان رائے {  
 (قلی پنجاب یونیورسٹی) (۶)  
 دربار اکبری - محمد حسین آزاد (۲)  
 دستور العمل - یوسف میرک {  
 (قلی پنجاب یونیورسٹی) شاہ جہاں (۶، ۳)  
 کے زمانے میں ۱۵۴۲ء میں لکھی گئی {  
 ذکار اللہ - تاریخ ہندستان (۱)  
 زلے - پیپل آف انڈیا (۶)  
 روز روشن - صبا (مطبوعہ)  
 ریاض الشعرا - والدہ داغستانی {  
 (قلی پنجاب یونیورسٹی) (۶، ۴)  
 ریاض الوفاق - مست رازپرنگ {  
 (۵۰، ۱)  
 فہرستِ اودھ {  
 سفینہ خوش گو - قلی پنجاب یونیورسٹی {  
 و بابکی پولہ بیری {  
 سرکار (سرجا دوناتھ) شیواجی (۶، ۴)  
 " - مغل ایڈمنسٹریشن (۶)  
 " - ہسٹری آف اودنگ زریب (۳)  
 سیر المصنفین - تنہا (۵)  
 سخن دین پارس - آزاد (۶)  
 شبلی (مولانا) عالمگیر پر ایک نظر (۳)  
 شیرنگر - کاسٹر اینڈ ریسز آف انڈیا (۶)  
 شعر الہند - عبدالسلام ندوی (۴)  
 شمشیر تیز تر - مرزا غالب (۶)  
 طبقات اکبری - نظام الدین (۲)  
 ظفر نامہ رنجیت سنگھ امرناتھ اکبری {  
 (۵) { (رکھی ایڈیشن)  
 عبدالحی (مولانا) مرحوم دہلی کالج (۵)  
 " " - مرہٹی پرفارسی کا اثر (۴)  
 عبدالغنی (پروفیسر) {  
 پرشین لطیفچر (مغلوں سے پہلے) {  
 عمل صالح - محمد صالح {  
 (۳) { (قلی پنجاب یونیورسٹی)  
 عماد السعادت - آزاد بلگرامی {  
 (۴) { (قلی پنجاب یونیورسٹی)  
 فرشتہ - گل نارا براہمی (۱)  
 فال آف دی مغل ایپارٹر - کین (۳)  
 فتوحات فیروز شاہی - فیروز شاہ تغلق (۶)  
 فزینکن - تاریخ شاہ عالم (۴)

فہرستِ قلیات عجائب خانہ لندن

(مرتبہ ڈاکٹر دیو)

فہرستِ قلمیات انڈیا آفس لاہوری

فہرست بیکانیر منکرت لائبریری (۱۱)

”قلیات بانکی پورلائبریری

” باڈولین لائبریری

» - براون

” • پیرس - بلوئشے

” عجائب خانہ لندن۔ دیو

” آصفیہ لائبریری حیدرآباد

۱۰ کیو رتھلہ سٹیٹ لائبریری

” پنجاب میلک لائبریری

” اودھ لائبریری۔ سیرنگور ”

قاموس المشاہیر (اردو) (۳، ۵)

کالیستہ درین (ہندی) (۶)

کلکتہ ریلوے (۱)

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

{ محکم دغا۔ لکھی نرائین شفیق (۱۱۸۲ھ)  
(قلمی پنجاب یونیورسٹی: شیرانی)

(قلمی پنجاب یونیورسٹی: شیرانی)

محل زارا براہیم (تذکرہ) نواب علی ابراہیم خان (۳)

گڈ اولڈ ڈیز آف جان کمپنی - کیری (۵)

عمل نارِ حال۔ ولی رقلیٰ پنجاب یونیورسٹی (۶)

گر بل۔ تار پنج دکن (۱)

گر پرسن. لٹیکر آف ہندستان (۲)

لی سٹریج - لینڈ ز آف دی ایٹرن کیلیفیت (۱)

باب الالباب - عوفى (۱)

لارنس - ویلی آف کشمیر (۱)

لا - زندراناتھہ۔ پر دوش آف م

۱) جنگ انانڈیا رعبہ اسلامی،

" - " - " (برٹش) (۶)

لیں پول۔ میڈی ایول انڈیا (۱)  
{ مجمع التوارخ۔ پنڈت کاچر (۱)  
(رفعی ونور سٹی لائبریری)

{ یونیورسٹی لائبریری

مہاتمنی کشیرہ منڈل گوہد مام (۱) { (قلمی شیرانی)

(قلمی شیرانی)

ماکترا الامراء - شاه نواز خان (۴۱)

مغل پشنگز۔ یرسی براؤن (۲)

مصر بندھو و نود

(۲) { تاریخ ادب ہندی

(۳) { مجمع البحرين دار الشکوہ  
(محفوظ الحق اڈیشن)

محفوظ الحق ایڈیشن

ماثرِ عالم گیری (۳، ۴)

مرآة الخيال شیرخان (۱۳)



ممٹھائی (جارج)، ویلیج گورنمنٹ  
(۱) { ان برٹش انڈیا  
مرآۃ آفتاب ننا - شاہ نواز خان  
{ رقلی پنجاب یونیورسٹی

مرآۃ العالم - تجدد خان  
{ رقلی پنجاب یونیورسٹی

نشر عشق، تذکرہ - حسین قلی خان عشق  
{ رقلی پنجاب یونیورسٹی

نہر الفصاحت قتیل (۶)

نیکات الشعرا، میر تقی میر (۴، ۵)

نارنگ (سرگوکل چند)  
(۵) { ٹرانساریشن آف دی سکھر

نگارنامہ منشی (قلی پنجاب یونیورسٹی)  
ہمیشہ بہار (قلی)

ہنٹر - انڈین ایپار (۶)

ہٹاریکل ریکارڈز کمیشن (رپورٹ) (۵)

۱۹۲۷

منشآت برہمن (۳)

ماڈرن ریویو جلد ۲۷ (۳)

مجمع النفاس - خان آرزو

(قلی پنجاب یونیورسٹی)

مؤید برہان - آغا احمد علی (۴)

مخزن الغرائب - احمد علی سندیلوی

(قلی شیرانی)

مقالات الشعرا - قیام الدین حیرت  
(۹۴) { رازسیرنگ فہرست ادبہ (صفر ۱۰۵)

محمدن ایجوکیشن ان انڈیا  
(۵) { سید محمود، معارف اعظم گڑھ

مسلم ریویو ۱۹۲۹ (۵)

مجموعہ نفز - قدرت اللہ قاسم  
(۵) { شیرانی ایڈیشن

معلومات الافاق - امین الدین (۱۱۱۹ھ)

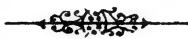
قلی پنجاب یونیورسٹی (۶)

نمبر - خان آرزو (قلی پنجاب یونیورسٹی) (۶)

مخزن الفوائد وقواعد فارسی  
(۶) { قلی پنجاب یونیورسٹی



# فہرست اسماء الرجال و اسماء الکتب



## اسماء الرجال

آرام، رائے پریم ناتھ	۲۶۳	آزاد، میر غلام علی بکرامی	۱۱۰، ۱۰۹
آرام، مندر داس	۱۷۹		۱۳۲، ۱۲۹، ۱۱۶، ۱۱۱
آزاد، سراج الدین علی خاں	۹۹		۱۸۰، ۱۸۲، ۲۴۹، ۲۵۲-
	۱۲۲، ۱۲۰، ۱۱۵، ۱۱۴	آشنا، گرسہائے ہمنشی	۲۲۶
	۱۳۲، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸	آشنا، متا شکھ	۲۲۶
	۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴	آصف جاہ	۱۴۰، ۱۳۸، ۱۱۰
	۱۵۵، ۱۵۰، ۱۴۵، ۱۴۴	آصفی،	۲۴۱
	۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۵۶	آفرین، لاہوری	۱۲۰
	۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴	آفرین، نتن لال دکاشی استت	۲۱۵
	۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۵	آیال (بہارنٹر)	۱۱۸
	۲۹۲، ۲۶۸، ۲۵۲، ۲۵۱	ابراہیم تھانیسری حاجی	۲۷
آرنلڈ صاحب	{	ابراہیم زبیری	۲۰
تعلیمی رپورٹ ۱۹۲۳ء		ابراہیم عادل شاہ	۲۰، ۱۹
آزاد، محمد حسین (شمس العلماء)	۳۵	ابراہیم ولانڈ	۲۰۵
آزاد، مقیم کشمیری	۲۴۹	ابن بطوطہ	۱۶، ۱۴

۲۶۵، ۲۶۴، ۱۶۳	احمد علی، آغا	۲	ابن حوقل
۲۲۹، ۱۷۱	اخلاص، کشن چند کھتری	۸۸	ابن ہر کرن
۲۵۸	(ہمیشہ بہار)	۲۴۱	ابن یمنی
۱۴۰	ارادت خاں	۲۴۱	ابوالعلاء عجمی
۲۲۶	ارشاد، کندن لال	۳۱، ۲۸، ۲۷	ابوالفضل، علّامی
۱۹۳	ارمان، راج ناراین دہلوی	۷۷، ۷۶، ۳۵، ۳۳، ۳۲	
۱۷۱، ۱۷۰	اسد اللہ سید (المعروف بہ)	۲۰۲، ۲۵۹، ۲۶۷	
	امیرالاولیاسیند حسین علی خاں	۳۱۸، ۳۱۳	ابوسعید، ابو نمیر
۲۴۵	اسد اللہ خاں - نواب	۲۴۲	ایشیرادمانی
۱۷۲	اسد خاں	۱۵۸	اشرف، شفیع
۲۲۶	اسد، لالہ کیرت سنگھ	۲۴۲	ایشیر خشیتی
۱۵	اسلام شاہ سہر، سلطان		اجودھیا پرشاد، (دیکھو دیوان)
۱۵۲	(سعید) آشراف		اجودھیا پرشاد
۲۴، ۱۹۷، ۹۵	آٹھکی، کندن لال راجا	۲۲۱	احسان اللہ (ممتاز)
۲۲۶، ۲۰۷	(زرتج وغیرہ)	۲۲۶	آحق، بینی رام لکھنوی، پنڈت
۲	اصطخری	۲۲۶	آحق، بلدیو پرشاد
۷۲	اعتبار خاں	۲۲۲	آحق، بابو رائے
۱۲۸، ۱۲۰	اعتماد الدولہ، نصرت جنگ	۲۰۸	احمد بخش چشتی (یک دل)
۲۲۶	آفسر، خیالی رام	۵	احمد حسن سیمندی خواجہ
۱۴۰	آفسر، معزز خاں	۱۰۳	احمد خاں، نگلش
۱۱۱، ۷۷، ۷۵، ۷۳	افضل خاں، وزیر گل	۱۸۱	احمد شاہ درانی

امانت، لاله امانت لئے {	۱۹۳	اقبال و رما، سحر
(مصنف بجگت الا وغیره)	۲۰۵	اکبر شاه ثانی
۲۶۹، ۲۶۲، ۲۴۸، ۱۷۳	۳	اکبر - جلال الدین محمد، بادشاہ
۲۱۷	۲۵، ۲۴، ۲۳، ۱۳، ۱۲	
۱۷۹	۳۱، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶	
امرت لعل، راجا {	۵۳، ۴۵، ۴۱، ۳۸، ۳۶	
۹۵ { (عوض بیگی غازی الدین حیدر)	۱۳۵، ۱۱۶، ۱۰۲، ۵۴	
۸۸	۲۳۵، ۲۳۳، ۱۹۴، ۱۵۴	
امر سنگھ، منشی (مصنف امر پکاش)	۲۶۲، ۲۳۸، ۲۳۶	
امر ناتھ اکبری (دیکھو اکبری)		
۲۶۳	۲۰۳، ۱۸۷	اکبری، دیوان امر ناتھ
۱۴۰	۲۲۶، ۲۰۹، ۲۰۸	
امیر خاں، امیر الدولہ والئی ٹونک، ۲۰۷	۲۴۷، ۲۰۹، ۲۰۸	
۱۱۸	۲۰۸	اکرم بیگ مرزا
امیر چند، منشی (منتخب الحقائق)	۲۵	اکووا (پادری)
انجام، دیکھو عمدۃ الملک	۲۰۸	الہی بخش، جرنیل
۲۶۷، ۲۶۶، ۲۴۱، ۱۴	۳	البیرونی، ابوریحان، علامہ
۷۶، ۷۳ {	۲۳۶، ۱۸	
چندر بھان برہن)		
۱۱۸	۱۷۵	الیفیت، لاله اُجاگر چند کاشیہ
اندرجیت (مصنف بہار معنی)		
۱۹۸، ۱۶۶، ۱۲۵	۱۹ - ۱۵ {	الک داس
۲۲۴، ۲۱۶		شیخ عبدالقدوس گلوہی
۲۲۶	۶۲	امان اللہ حسینی، مولانا
اُلس، لالہ بیج ناتھ		

اورنگ زیب عالمگیر ۴۹، ۵۰	اننت رام، دیوان { ۱۹۷، ۲۱۶
۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۵۸	(تحقیق التاخی)
۵۹، ۶۰، ۶۵، ۶۹	انند رام، کاسیتھ (مصنف) { ۱۲۶
۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۸	(رسالہ حساب)
۹۳، ۹۹، ۱۰۷، ۱۲۶	انند روپ، برہمن (مصنف) { ۱۰۳
۱۲۷، ۲۰۵، ۲۴۷، ۲۵۶	(میزان دانش)
ایشتر داس ناگر { ۵۷، ۵۸	انند کاہن، کاسیتھ { ۲۱۸
(فتوحات عالم گیری)	(رسالہ حساب)
ایلیٹ (مؤرخ) ۵۹، ۶۱، ۶۳	انور، کالکا پرشاد ۲۲۶
۶۴، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۷۵	انور، لالہ جگن ناتھ ۲۲۶
۱۰۸، ۱۲۳، ۲۰۶	انوری ۲۴۱
بابا لال گرو ۱۱۲	انیس، موہن لال { ۱۱۳، ۱۸۰
بابر، ظہیر الدین { ۱۴، ۱۵، ۶۵	(مصنف انیس الاجیک) { ۲۴۹، ۲۵۷
(بادشاہ ہند) { ۲۷۷، ۲۸۳	اودت ترائین، راجا ۲۲۸
بابو لال (وقائع)	اودت چند، عزیز (مصنف) { ۱۲۴
باسدیو ۳۱۱	(قصہ نور و شاہ)
باقی، راجا گرو دھارمی پرشاد	اودے بھان { ۷۳
۹۶، ۹۹، ۲۲۶، ۲۶۲	(ولد چندر بھان برہمن)
بالک رام دیکھو رائے بالک رام	اودھے راج، منشی (طالع یار ستم خانی)
۱۹۳ بانکے دیال، دہلوی	مصنف ہفت انجن { ۷۱، ۸۰
۱۷۲ بانہ، بیھوپت رائے	۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۴

۲۰۷	بساون لال، ولد منگلہ رائے کالیٹھ	۲۰۸	بخت مل، دیوان
۸۸	{ بسب رائے، بن ہری گرب اس کالیٹھ (سنگھاسن بیٹی)	۱۸۶، ۱۰۳	{ بدھ سنگھ، منشی (رسالہ نانک شاہ)
۱۸۰	{ بسمل، بھگوان داس (شاگرد فاخرکیں)	۱۹۳	{ برج موہن، دتار یہ پنڈت (کیفی)
۴۷	بشن داس (مصور)	۲۰۲	برج نراین، خیال
۱۶۵، ۱۵۸، ۱۴۳، ۱۷، ۱۲	بلوخن، ۱۷، ۱۲، ۱۴، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸	۱۹۳	برق - جوالا پرشاد
۳۳۶، ۲۷۰، ۲۶۷، ۲۶۶، ۱۶۸	بلونت سنگھ، راجا بھرت پور	۱۹۳	برق، مہاراج بہادر
۲۰۲	بنائی	۴۷	برنیر (سفرنامہ)
۲۴۱	بندرا بن داس، بہادر شاہی (بٹالوا ریج)	۲۲۱	برہان الدین، مولوی
۶۱، ۵۹، ۵۷، ۵۶	بنوالی داس، دیکھو ولی، بنولی داس	۷۸ تا ۷۱، ۵۶، ۵۵، ۷۸	برہمن، چندر بھان (چارچین وغیرہ)
۲۱۰، ۲۰۸	بوٹے شاہ، غلام محی الدین	۱۹۸ تا ۸۵ - ۸۹، ۱۰۱، ۱۰۸	
۲۷۷	(مصنف تاریخ پنجاب)	۲۴۷، ۲۴۲ تا ۲۴۰، ۲۰۸	
۱۱	بودی بٹ (کشمیری)	۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۰، ۲۵۹	
۲۰۲	بہادر سنگھ (یادگار بہادری)	۲۹۵، ۲۶۴	
	بہادر شاہ اول دیکھو محمد معظم	۸۹	برہمن حصار (تحفۃ الحکایات)
۹۹	بہار، ٹیک چند (بہار عجم)	۵۷	برڈ - جی (ڈاکٹر)
۱۴۱، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۲۷، ۱۰۱		۲۴۲	بساطی، سمرقندی
۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۴۲			بساون لال، شاداں (امیرنامہ)
		۲۲۷، ۲۰۷، ۲۰۱، ۱۹۶، ۳۱	

بھوانی داس (جد شفیق اور رنگا بای)	۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴
۱۰۹	۲۳۸، ۲۳۵، ۱۶۹، ۱۶۸
بھوپت رائے، منشی	۲۶۵، ۲۶۴
۷۶	
بھولانا تھ کھری لتانی {	بہار، اودے بھان، دہلوی ۱۷۱
۲۰۳ { (تحفۃ الہند)	بہار علی پشاد ۲۲۶
بھیم سین (دل کشا) ۵۸-۶۹	بہار امل (رائے) {
بتیاب، نرین پشاد، پنڈت ۱۹۳	۸۸-۵۹ {
بے تکلف، لالہ سدا نند، ۱۷۱	بہار امل، کھری (نگھاسن بیٹی) ۸۸
۲۶۲، ۱۷۷	بھاگ چند (جامع الانشا) ۷۱
۲۲۶ بے جان	بھاول خاں ۲۰۰
بے خود، دیکھو سیتل داس بیخود	بھاوان (پنڈت، اکبری) ۲۷
۲۲۶ بے خود، پنڈت سنت رام	بھجت، لالہ ٹیکارام ۱۸۲
۸۷ بیدار بخت، شہ زادہ	۲۲۶ بھجت، مکھن لال
۲۲۹، ۱۷۴ بیدار، منشی بساوان لال	۲۱۵ بھجت، نتھن لال، منشی
۱۲۸ بیدل، مرزا عبدالقادر	۲۳۲ بھجولال
۱۷۵، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۳۲	بھگوان داس، ہندی {
۲۶۱، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۵	۱۹۹-۱۱۳ { (سفینۂ ہندی وغیرہ)
۲۱۹ بیربل	بھگونت داس، بندہ درگاہ {
بیغم بیراگی، سوامی بھوپت رائے	۵۷ { (شاہ جہاں نامہ)
۲۶۲، ۲۳۷، ۱۷۷، ۱۷۱	بہلول لودھی، سلطان ۶۵-۲۸۱
۲۸۹ تا ۳۲۱ -	۲۵۰ بھلہ، ملک راج



پیام ، میر شرف الدین ۱۲۰ ، ۱۲۸	بگیم سمرود (دیکھو زیبا لٹا بگیم سمرود)
۱۳۴ ، ۱۳۱ ، ۱۳۸	بیل ، طاه مس ولیم ۷۳ ، ۷۴
۲۲۰	بیلی رام ، مصر ۱۸۷
۱۵۳ ، ۱۵۲	بیمار ، میدنی لال { ۱۸۰ ، ۲۲۶
۳۱	شاگرد فنا خکیں ( ۳۱ )
۱۷۹	بینی بہادر ، راجا { ۹۵
۳۳	تاج سین ( موسیقی داں )
۱۷۵	بیورج ، ایچ ۶۳ ، ۶۴ ، ۶۷
۱۹۳	بیہقی ۵ ، ۴
۲۲۶	پٹر چند ، راجا ۹۵
۲۲۶	پٹنی مل ( کاشی کنڈ ) ۲۱۷
۲۲۰ ، ۲۰۴ ، ۱۹۸	پران ناتھ ( معاصر برہمن ) ۷۶
۲۶۴ ، ۲۶۲ ، ۲۵۳ ، ۲۴۹ ، ۲۲۳	پرسانا کار ، ٹاگور ( بنگال ہیرلڈ ) ۱۹۹
۲۶	پرسی براؤن ۳۲
۷۶	پرکس ، لفٹنٹ ۱۰۵
۵	پرینسپ - ایچ ، ٹی ۲۰۷
۱۹۳	پریم چند ، منشی ۱۹۳
۱۹۳	پنڈی داس ، منشی { ۲۵۹ ، ۸۱
۲۶۱ ، ۲۱۹ ، ۱۹۷	پیارے لال رتونی ، منشی { ۱۹۳
۲۴۲ ، ۲۲۶	تلمیذ داغ ( ۱۹۳ )

۱۲۴	ثبات (فرزند ثبات)	تمیز، سری گوپال، برہن	۲۳۸، ۱۴۴
۱۷۹	ثروت، جگل کشور	(آفتاب زادہ)	
۵۵، ۵۱	جادوناٹھ سرکار (سر)	تمیز، کالی رائے	۲۵۹
۶۹، ۶۸، ۶۳، ۵۸، ۵۶		توسنی، رائے (یا مرزا) منوہر	۳۹، ۳۸، ۳۳
۲۵۸، ۱۰۸، ۸۰، ۷۰			۲۷۳، ۲۶۳، ۲۶۳، ۱۹۸، ۴۷، ۴۰
۸۸	جار اللہ، نواب، امیر الامرا	تہوری مل، تمکین (گلدرتہ فیضی)	۱۱۷
۱۸۹	جان بیلی	تیمور شاہ	۱۱۸
۱۰۵	جان شور، سر	تیج بھان (فرزند)	۷۶، ۷۳
۴۶	جدر پ، سنیا سی	چند بھان برہن	۲۰۴۰، ۷۷
۲۴۶	جرات، قلندر بخش	تیج بہادر، سپرد (سر)	۱۹۳
۱۸۷	جسا سنگھ، کلال	ٹاڈ (مصنف راجتھان)	۶
۲۴۴	جسونت رائے، رائے (کنجاوی)	ٹرمپ	۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰
۱۷۰، ۱۱۸	جسونت رائے، منشی { (سعید نامہ، گلشن بہار)	تمکیت رائے، راجا { (ہتم دیوانی آصف الدولہ)	۹۵
۵۸	جک جیون داس (منتخب التوازیخ)	ٹوڈر مل، راجا -	۱۳، ۱۷، ۲۹
۲۱۸	جگپت رائے (رسالہ سیاق)		۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۰
۲۱۹	جگت نراین (تعلیم المبتدی)		۲۰۸، ۱۹۴، ۷۷، ۶۸، ۳۷
۱۰۴	جگل کشور (تاریخ ہند)		۲۶۳، ۲۳۶، ۲۳۳
۳۱	جگن (مصور)	ٹیلر ڈاکٹر (جے۔ ٹی)	۲۱۷
۹۳	جگت، موہن لال رتوال	ثبات، محمد افضل،	۱۴۴، ۹۹
۲۰۴	جگن ناتھ پھائے		۲۴۹، ۱۵۷

۶۶	{ جوکشن داس مہرہ (غیمہ) خلاصۃ التواریخ }	۵۷	جلال حصاری (گوالیارنامہ)
		۲۲۶	جلیس، لکھنوی بن موہن لال آنیس
۲۶۱	{ جو موہن لال، کالیٹھ (مرآۃ الخیال م)	۲۴۱	جمال الدین عبدالرزاق
		۱۹۴	{ جمناداس، بھارگو (والد منشی نون کشور)
۱۰۷	{ جیون رام، منشی (والد) خونن مال چند کالیٹھ }	۱۹۳	جو الابرشاد، برق
۷۶	چاندکوی (پریھوی راج راسا)	۲۵۹	جو الابرشاد، وقار
۸۸	چتر بھوج (سنگھاسنیشی)	۲۱۸	جواہر سنگھ
۱۰۸، ۱۰۳	چتر من، لائے زادہ (چھاگلشن)	۲۶	جو تک رائے، منجم (جہاں گیری)
۱۴۱	چرن داس (مصوّر)	۲۲۷	جودت، شبنو ناتھ
۱۹۳	چلبست لکھنوی	۲۲۶	جوہر، جواہر سنگھ
۸۸	چندر من (راماین)	۷۸	جہاں دارشاہ، شہزادہ
۹۶	چندولال، ہمارا جا		جہاں گیر، نورالدین (بادشاہ ہند)
۲۲۶	چنی لال، ذرہ	۵۳، ۴۷، ۴۶، ۴۵	
	{ چھتر مل، منشی (عمارات الاکبر) }	۸۸، ۷۲، ۶۴، ۵۴	
		۱۵۵، ۱۵۴، ۱۱۲، ۹۳	
۲۰۳	چونی لال (راجپوتان بنارس)	۲۶۶، ۲۵۴	
۲۴۱، ۶۴	حافظ، خواجہ	۱۴۰	جہاں آرا بیگم
۱۴۴، ۱۴۱، ۱۳۶	حزین، شیخ محمد علی	۲۸۲	جو رام (باباننگ کا بہنوئی)
۲۶۷، ۲۴۹، ۲۲۵		۸۰، ۱۴	جو سنگھ (مرزا راجا)
۲۴۶، ۱۸۱	حسرت - جعفر علی	۱۲۶، ۹۴، ۸۱	

خاموش، منشی صاحب رام	۲۶۲، ۲۲۲، ۱۹۸	حسرت، ذوقی رام
۲۶۲، ۲۲۵، ۱۹۸، ۹۵	۲۴۱	حسن، دہلوی
خانِ جہاں (مستند فیروز تعلق)	۲۸۲، ۲۸۱	حسن، سید درویش
۲۶، ۲۵	۲۲۴، ۲۲۳	حسین قلی خاں
خانِ زمان (صوبہ دار بنگال)	۲۴۸، ۱۷۵	حضوری، گورنر بخش
خانِ عالم (سفیر جہاں گیر)	۲۵۱، ۲۵۰	حقیقت رائے
خسرو دیکھو امیر خسرو	۲۲۶	حقیر، پنڈت بینی رام
خواجہ، اندر روپ (معاصر بہمن)	۲۰۴	حکم چند
خواجو، کرمانی	۲۰۹	حکومت رائے
خواجہ، کہیم داس (معاصر بہمن)		حکیم چند، ندرت، دیکھو ندرت
خوب چند، ذکا	۸۰	حمایت یار (ولد طالع یار رستم خانی)
خود رفته، بہاری لال	۲۴۸، ۱۷۲	حیا، لالہ شیو رام کالیٹھ
خوش، اندکاہن (گیا مہاتم)	۲۶۲، ۲۶۰	(گلگشت بہار رام)
۱۸۱، ۱۲۵	۱۱۱، ۱۰۳	حیدر علی، سلطان
خوش حال چند، کالیٹھ	۲۲۶	حیران، بشن نراین
نادر الزمانی (تاریخ پنج شاہی)	۱۸۱	حیران، حیدر علی، میر
خوش حال رائے (دستور الامتیا)	۲۲۶	حیرت، منشی کنج بہاری لال
خوش دل، رائے امر سنگھ	۶۰، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۲۰	خانی خاں
(زبدۃ الاخبار)	۲۴۹، ۱۷۶	خاکستر، سرب سکھ، کالیٹھ
خوش گو، بند رابن داس	۱۵۲	خالص، عبدالغفور خاں
(سفینہ خوش گو)	۱۰۳	خالوجی، بھوشلا

۲۲۰	درگا پرشاد ، عاشق (شیخ شہستان)	۲۵۲ ، ۲۴۸ ، ۲۴۷ ، ۲۴۰	
۱۱۲	درگا داس ، عشرت (سفینہ عشرت)	۲۹۱ ، ۲۶۲ ، ۲۵۷	
۱۹۳	درگا ہمائے سرور ، منشی	۲۱۹	{ خوش وقت رائے ولد بھوپت رائے (خاص النجوم)
۳۱	دسونت (مصور)		{ خوش وقت رائے شاداب (منشی)
۲۲۶	دل ، پنڈت نراین	۲۶۳	
۱۲۵	دلارام (کرم کاند و غیرہ)		خیال ، خوش وقت رائے کھنوی
۱۲۴	دلپت رائے (ملاحت مقال)	۲۲۶	
۶۹	دلپت رائے بندیلہ		خیالی رام ، منشی (منشآت)
۱۹۳	دلورام کوثری	۲۵۹ ، ۲۲۱ ، ۱۹۸	
۱۰۲	دنی چند بابلی (کیگو ہرنامہ)	۶۴	نقیام ، حکیم
۱۹۳	دوارکا پرشاد اُفٹ	۷۳ ، ۵۵ ، ۴۹ ، ۴۸	داراشکوہ
۱۹۹	دوارکاناٹھ ٹانگور (بنگال ہیرلڈ)	۱۲۴ ، ۸۷ ، ۷۵ ، ۷۴	
۲۸۲	دولت خاں لودھی	۳۰۵ ، ۲۹۵ ، ۲۵۹ ، ۱۷۱	
۲۷۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۱ ، ۲۰۰	دولت رائے ، منشی		داس گپتا (تاریخ فلسفہ ہند)
۷۲	دھرم داس (والد برہمن)	۲۹ ، ۳۰۸	داغستانی دیکھو والہ داغستانی
۸۹	دھرم نراین (میدنی مل یا مداری مل)	۲۲۶	دبیر ، جواہر لال
۵۸	دھونکل سنگھ ، منشی (تاریخ مرہٹہ)	۱۸۰	دبیر ، لالہ دولت رام برہن پوری
۱۴۰	دیا رام ، راجا (عمق مخلص)	۲۵۹	دبیر ، لکھی نراین گنجادی
۷۶	دیال داس		{ در ، دیا رام (شیر و شکر وغیرہ)
۲۱۹	دیاناٹھ	۱۸۷	
۶۹	دیانت رائے		

۱۸۰	ذہین، لالہ روپ نرین	۱۹۳	دیبا نرین نگم (ممدیر زمانہ)
۲	رابعہ بنت کعب القصداری	۱۹۳	دیبا پرشاد
۸۹	راج کرن (کشایش نامہ)	۸۸	دیبا داس، کاسیتھ (ترجمہ رامین)
۱۹۳	راج ناتھ، پنڈت	۱۱۷	دین دیال فتح پوری (انشائی)
۷۷	راجا لعل چند		دینا ناتھ دیکھو دیوان دیناٹھ
۱۲۵	{ رادھا کنکھ ترکھا، پنڈت (پورن ناتھ پرکاش)	۱۸۸	دیوان ابو دھیا پرشاد
۱۳۶	راضی، فصاحت علی خاں		دیوان امر ناتھ اکبری دیکھو اکبری
۲۲۷	راگو، پنڈت	۱۹۷، ۱۸۷	{ دیوان اننت رام (کشمیری)
۳۱	رام (مصوّر، اکبری)	۱۹۹، ۱۸۷	{ دیوان بخت مل (خالصہ نامہ)
۲۲۶، ۲۱۹	رام پرشاد (مفتاح الناظرین)	۱۸۷	دیوان دینا ناتھ
۱۹۳	رام تیرکھ، سوامی	۱۹۷، ۱۸۷	دیوان کرپا رام
۳۳، ۲۵	رام داس کلادنت (ماہر موسیقی)	۲۱۲، ۲۰۳	
۴۸	رام داس (عہد شاہ جہانی)	۲۰۱، ۱۸۷	دیوان گنگا رام
	راج نرین، آرمان دہلوی دیکھو آرمان	۱۸۱، ۱۸۰	{ دیوانہ، لالہ سرب سنگھ (سرب سنگھ)
۹۶	رام راؤ، راجا	۲۶۲، ۲۴۶	
۲۰۴	رام ستیا سنگھ، نکرت	۱۱۳	ڈکا، خوب چند (عیار الشعرا)
۲۲۷	رام، لالہ جواہر سنگھ	۲۲۶	ڈکر، پنڈت دھرم نرین
۱۹۷، ۱۹۱	رام موہن رائے، راجا		ڈکا، خوب چند ڈکا
۲۱۶، ۲۰۰، ۱۹۹	{ تحفۃ الموحیدین وغیرہ)	۲۲۶	ذہین، جے سکھ رائے

۱۸۰	رفیق، داتا رام	۲۲۲	رام نراین (مفتاح الصفات)
۲۲۷	رفیق، لالہ لچھی نراین	۱۲۲	راؤ کرپا رام (معاصر مختص)
۲۳۱	رکن صاین	۲۲۶	راہب، کشمیری
۲۵۹، ۲۰۶	رگھوناتھ، سعد اللہ خانی	۱۴۲	راج، میر محمد علی سیال کوٹی
۱۰۶	رگھوناتھ (حالات مریدانہ)	۳۷۹، ۱۴۵	
۷۱	روپ نراین (شش جہت)	۲۲۳	رائے بالکرام، کاسیہ { (والد رتن سنگھ زخمی)
۱۲۳	مخزن العرفان		
۴۶	رودر بھٹا چارج	۲۸۳، ۲۷۹	رائے بولار
۲۱۲	رنیر سنگھ، ہمارا جا	۱۰۸، ۷۶، ۷۳	رائے بھان
۲۲۷	رنج، لالہ بھاگ مل	۶۲	رائے سنگھ (ولد بھان رائے) (بٹالوی)
۲۰۳	رنجورچی (؟ = رنجھور) (توارین خنورت)	۱۱۷	رائے سنگھ، منشی (گلشن عجائب)
۱۱۷	رنجھور (؟ = رنجھور) داس	۴۵	رائے گھنور
۲۶۰	(دقائق الانشا)		رائے منوہر، توسنی دیکھو توسنی
۱۲۴	رنجیت رائے (داستان لال پری)	۹۶	ربط، رائے بالا پرشاد
۱۸۷، ۱۱۹، ۵۸	رنجیت سنگھ، ہمارا جا	۱۴	رتن (عہد تعلق کا حساب داس)
۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۱		۸	رتنجو شاہ (کشمیری)
۲۵۸، ۲۵۰، ۲۳۵، ۲۱۱، ۲۱۰		۱۹۳	رتن ناتھ، سرشار
۲۲۷	رنگین، دیواناٹھ، پنڈت	۸۱، ۸۰	رستم خاں، فیروز جنگ
۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷	رومی، مولانا	۲۴۲	رشید، وطواط
۳۲۰، ۳۱۴، ۳۰۶، ۳۰۴، ۳۰۰		۸۵	رکنا کاشی، حکیم

۱۰۶ { ساون سنگھ ولد مہمان سنگھ (اختصار التواریخ)	رونی، پیارے لال دیکھو پیارے لال رونی زار، میڈ و لال (بہار علوم وغیرہ)
۱۸۰ سائل، دی پرشاد (آثار غرے مہود)	۲۶۱، ۲۲۲، ۲۱۸
سبحان رائے بٹالوی (خلاصۃ التواریخ)	۲۲۷ زاری، منشی منوالال
وغیرہ (۳۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۶۳)	زبردست خاں، نواب ۸۷
۱۰۱، ۷۱، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۴	زخمی، راجا رتن سنگھ (انیس عاشقین)
۲۵۷، ۲۴۳	۲۰۴، ۲۰۳، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۵
۱۱۸ سبحان رائے پوری (نیا زمانہ)	۲۴۳، ۲۴۲، ۲۲۳، ۲۱۹، ۲۱۷
سبقت، لالہ دھن راج برہان پوری	۲۶۲، ۲۶۱، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷
(کالیٹھ) ۱۷۰	۱۱۹ زمان شاہ
سبقت، لالہ مسکھ راج کالیٹھ	زور آور سنگھ (پوران ناتھ پکاش) ۱۲۵
۲۴۸، ۲۴۵، ۱۷۱	۱۱۴ زیب النساء بیگم، سمرو
ستی داس، عارف (محیط معرفت) ۱۲۵	زیب بانو بیگم (زوجہ شہ زادہ محمد غلام) ۱۷۱
تحر، دیکھو اقبال ورا تھر	۲۲۷ زیریک، گوہند رام
۱۴۰ سخا، زاہد علی خاں	۱۰، ۹، ۸ { زمین العابدین، سلطان
۴ سخاؤ، ڈاکٹر	۲۳۴، ۱۱ { (کشمیر)
۱۹۶ سدا سکھ، نیاڑ (تغیب التواریخ)	۱۵۶ سالک یزدی
۲۰۵، ۲۰۱	۱۵۲ ساطع، کشمیری
۲۲۱ { سدا سکھ بن بشن پرشاد (موقع خورشید)	۲۶۴، ۸۶، ۸۵ (محمد اسلم)
	۱۴۰ سامع، محمد احسن
۲۶۳ سدہ رائے، رائے (دخوش نویں)	۳۱ ساقولا (اکبری مصور)



۵	سندر (غزنیوں کا ہندو جرنیل)	سر خوش، محمد افضل ۱۲۲، ۱۷۷
۲۰۲	{ سندر لال، کالیستہ (مجموعہ) فیض و گل بے خزاں	۲۸۹، ۲۴۷
۴۶	سورج سنگھ، راجا (عہد جہاں گیری)	سر واپ چند، کھتری (صحیح الاخبار) ۱۰۵
۱۱	سوم (مصنف کشمیر)	سرور، دیکھو درگا بہائے
	سومن لال، سوہی (منشی) (عمدۃ التواریخ)	سرور، بہیت پرشاد ۲۲۷
۲۰۸، ۲۰۳، ۱۹۶، ۱۸۷		سری رام لال، (خم خانہ جاوید) ۱۹۳
۲۷۶، ۲۳۱		سعدی شیرازی، شیخ ۲۶۶
۲۷۸، ۲۵۰، ۲۴۶، ۲۱۰، ۲۰۹		سعید اللہ خاں (والی کرناٹک) ۱۰۲
	سیال کوٹی مل دیکھو دارستہ	سعید انشرف، ۱۳۶، ۱۵۲
۹	سیماہ بٹ (کشمیر)	سکاٹ، میجر (تاریخ دکن) ۷۱، ۷۰
۲۰۰	سیتا رام کوہلی (پروفیسر)	سکندر، سلطان (کشمیر) ۸، ۹
۲۲۰	سیتل داس، سیٹھی (انفائے دل پند)	سکندر لودھی ۷، ۸، ۱۱، ۱۳
۲۵۹	سیتل داس، منشی	۲۳۳، ۲۳۶
۲۲۱	سیتل سنگھ، بیجو	سکھ راج دیکھو سبقت
۲۵۹، ۸۱	سیتل سنگھ (عالم گیری)	سکھ رام داس (آدن نامہ) ۱۲۷
	سید حسین علی خاں رگ اسد اللہ خاں، سید	سلطان حسین، شرعی ۳۲
۸۹	سید عبداللہ، فیروز جنگ	سلیم، شہزادہ، ۳۹، ۴۰، ۱۳۶
۸۱	سید محمد فتوحی	۱۵۲
	سیل چند، منشی (توزیع العمارات)	سیلمان، سید، مولانا ۱۴۳ وغیرہ
۲۵۷، ۲۰۷، ۲۰۲، ۱۹۰		سنائی، حکیم ۲۶۸
۱۱۱	سیوا جی	سنجر کاشی ۱۵۱

۱۱۱	شاہ نواز خاں	۲۲۷	شاد، راجا کشن پرشاد
۲۳۷	شایاں، لالہ طوطا رام	۲۲۷	شاد، گنگا پرشاد
۲۲۷	شائق، بستی رام	۲۲۷	شاداب، لالہ خوش وقت رائے
۲۲۷	شائق، رامدھے کشن		شادواں رک بساؤن لال شادواں
۳۰۹	شبلی، شیخ	۲۲۷	شادواں، لالہ بدھ سنگھ
۲۹۸، ۵۱، ۳۹	شبلی نعمانی مولانا	۲۲۷	شادواں، مہاراجا چند لال
۵۸	شجاعت خاں (عالم گجرات)	۲۲۷	شاعر، لالہ متھرا داس
۲۲۱، ۱۰۳	شجاع الدولہ، ذاب		شاہ جہاں، شہاب الدین، صاحب قباہ ثانی
۲۲۷، ۱۹۸	شعلہ، امر ناتھ	۵۶، ۵۵، ۵۴، ۴۸، ۴۷	
۱۷۸، ۱۷۷	شفائی، حکیم	۷۴، ۷۳، ۶۵، ۵۹، ۵۷	
	شفیق، لچھمی نرائین، اورنگ آبادی	۸۲، ۸۱، ۷۹، ۷۶، ۷۵	
	(گل رعنا وغیرہ) ۹۶، ۱۰۰	۲۳۵، ۱۲۵، ۱۱۲، ۸۸، ۸۵	
۱۰۱، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳		۲۵۴، ۲۴۷	
۱۷۱، ۱۲۳، ۱۱۶، ۱۱۵		۸۶، ۶۹، ۶۰	شاہ عالم اول -
۲۵۲، ۲۳۹، ۱۹۸، ۱۸۲		۹۳	
۲۶۲، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۳		۱۲۳، ۱۰۳، ۹۳	شاہ عالم ثانی -
۲۹۳، ۲۹۱، ۲۶۳		۲۲۵	
۲۲۷	شکری، کنور دولت سنگھ	۴۷	شاہ عباس
۲۳۱	شمس تبریز	۱۵	شاہ محمد فرطی
۲۶۷	شمس سراج عقیف	۱۲۲	شاہ مدار
۳۱۶، ۳۱۵	شنکر اچاریہ	۲۹۵	شاہ میر لاہوری، میان

۳۶۳	شکوناجھ، پنڈت کشمیری	۳۶۳	صوفی، پنڈت سیتا رام
۳۶۳	شکونو ساری	۳۶۳	۲۲۷، ۲۰۲
۱۰۳	شوپر شاد (تاریخ فیض بخش)	۲۳۰	ضائع، چربخی لال
۱۰۲	شوداس (شاہ نامہ منور کلام)	۲۲۷	ضمیر، پنڈت نراین داس
۲۲۶	شوہاے، رائے	۲۲۷	ضمیر، جانکی پرشاد
۱۷۸	شوق، لالہ بن سکھ رائے	۲۲۷	ضمیر، سکھ رائے
۲۴۹، ۱۲۹	شہرت، حکیم حسین	۲۲۷، ۲۲۲	ضمیر، لالہ ہیرالال
۱۷۵	شہود، بابو بال مکند	۲۶۷	ضیاء الدین برنی
۲۴۸، ۲۵۱			ضیاء الدین خاں، نواب ۱۰۵، ۱۲۳
۱۸۰	شوکت بخاری	۱۵۴، ۱۵۱	طغرا، شہدی، قلا
۲۴۵	شیخ محمد، مولانا	۱۳۶، ۶۸	ظفر حسن، خان بہادر
	شیدا، امر ناتھ پنڈت	۲۲۷	ظفر، لالہ نکا رام
	(خیالات شیدا)	۲۲۷، ۲۲۰	ظہوری
۲۶۶	شیدا، ملا (ہندی)	۱۵۲	ظہیر فارابی
	شیرانی، دیکھو محمود خاں شیرانی	۲۳۱	عابد، خواجہ
۲۳۳، ۶۵، ۱۳	شیر شاہ	۱۱۰	عاجز، نراین کول
۶۸، ۶۴	شیر علی افسوس	۷۵، ۵۸، ۷۰	(تاریخ کشمیر)
۲۲۷، ۲۱۸	صادق، جی موہن لال کالیٹھ	۷۰	عارف خاں (صوبہ دار کشمیر)
۱۵۱، ۱۴۰، ۱۳۶، ۸۲	صائب مرزا	۲۲۷	عاشق، آتما رام
۲۲۷	صبا، جی رام	۲۲۷	عاشق، بابو متر بخت سنگھ
۲۲۷	صوری، رائے بالک	۲۲۷	عاشق، بھولاناٹھ

عاشق، درگاہ پرشاد	۲۲۷	عبدالرحمن، امیر (والی کابل) ۱۹۵
عاشق، رائے بیج ناتھ	۲۲۷	عبدالصمد (مصور) ۳۲
عاشق، رائے سوہن لال	۲۲۷	عبدالعزیز، شیخ، اکبر آبادی ۱۰۷
عاشق، شیورام	۱۷۹	عبدالقادر بدایونی، شیخ
عاشق، سوہن لال	۲۲۷	۱۰۹، ۳۸، ۲۷، ۲۶، ۱۸
عاشق، مہاراجا کلیان سنگھ	۲۲۷	عبدالقدوس گنگوہی، شیخ، ۱۵، ۱۹
عادل، خان، رازی (میرعسکری)		عبدالکریم، امیر (میر عمارت) ۷۳
عادل، منشی بھگوان داس	۱۲۳، ۷۳	عبدالمقتدر خان بہادر {
عالم، پرشاد رائے	۲۲۷	(دہلی پور لاٹیری) ۶۶
عالم گیر، ابوالمظفر محی الدین اورنگزیب	۲۲۷	عبدالواسع جبلی ۲۴۱
۸۷، ۸۱، ۸۰، ۷۹		عبدالوہاب، قاضی ۵۷
۲۴۵، ۱۷۲، ۱۳۸، ۱۰۲		عبید زاکانی ۲۴۲
۲۵۴		عثمان غنیمت ۲۴۱
عالی، نعمت خان - ۱۳۶، ۱۵۳		عونی ۲۶۶
۱۶۳، ۱۵۸		عزت، سنگھ لال ۱۷۹
عبداللہ، مولانا (سیال کوٹی)		عزیز، رائے زور اور سنگھ ۲۲۷
۲۴۷، ۱۳۵		عزیز، شباب رائے ۱۸۰-۲۲۷
عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی ۱۱۶		عزیز الدین، حکیم انصاری ۱۸۷
عبدالحکیم، سیال کوٹی، ملا		عزیز الدین، فقیر ۲۰۹
۲۴۷، ۲۴۶، ۱۳۵، ۷۲		عسجدی ۲۴۱
		عشرت، جوگشن ۱۷۶، ۲۴۸، ۲۵۲

۱۸۰-۱۱۳	فاخر مکیں، مرزا	۱۱۲	عشرت، درگا داس
۱۰۳	فتح چند، منشی (قصہ دریائے گومتی)	۲۲۷	عشرت، لالہ ہندو پت
۱۸۰	فتح چند، برہان پوری منشی { (مثنویات)	۲۰۴	عظمت علی، مولوی
۱۲۲	فتح سنگھ (معاصر مخلص)	۱۲	علامہ الدین خلجی، سلطان
۱۶۴	فتح علی حسینی گردیزی	۱۰۶	علامہ الدین غوری
۲۶۵	فدا، محمد عبدالصمد	۲۰	علی عادل شاہ
۲۲۷	فراتی، پریم کشن	۱۱۴	عمدۃ الملک امیر خاں انجام
۱۸۹	فرانسس گلیڈوون	۲۴۱	عمیق بخاری
۲۱۷	فرانسس ہائکس	۷۷	عنایت اللہ، کنبوہ
۱۰۴	فرحہ، کرنل	۱۳۶	عنایت خاں
۱۷۴	فرحت، لالہ خوش حال چند	۲۴۱	عنصری
۲۲۷	فرحت، لالہ دین دیال	۵	عونہ
	فرخ سیر، بادشاہ ہند	۱۰۸، ۱۰۳	غازی الدین حیدر
۱۰۲، ۱۰۱، ۴۵		۲۲۳، ۲۰۴	غالب، اسد اللہ خاں
۲۴۱	فرخی	۲۶۴، ۲۵۳، ۲۴۹، ۲۴۷	
۲۴۱	فردوسی	۲۶۷، ۲۶۵	
۵۳، ۱۳، ۱۱، ۷، ۴	فرشتہ	۲۲۷	غالب، لالہ موہن لال
۱۰۴، ۶۷، ۶۵، ۶۱، ۶۰		۲۲۷	غریب، رائے رتن لال
- ۱۱۰			غلام حیدر، شیخ (دیارام در)
۲۴۱	فرید الدین عطار، شیخ	۲۰۱ {	کاشاد)
			غیوری دیکھو لمچن سنگھ

۲۲۷	فرید، کاتب	۲۲۷	فریب، رائے چنی لال
۱۸۹	فشر، صاحب (تعلیمی رپورٹ)	۱۹	قطبن
۲۲۷	فصیح، بدھیا دھر	۵۶	قوسی
۲۲۷	فضا، گوبند پرشاد	۲۰۳، ۱۸۷، ۱۸۹	کاچر، ہیرویل پنڈت (مجمع التواریع)
۲۲۷	فطرت، پنڈت بدھیا دھر	۱۲۷	کاسی (کاشی)، (ہفت اختر)
۲۲۱	فغانی، بابا	۲۲۱	کاکا پرشاد، ناداں (نشے بے نقاط)
۲۰۱، ۱۹۷	فلسفی، منو لال	۲۲۲	کامتا پرشاد، ناداں (ہفت گل)
۲۲۲، ۲۱۹، ۲۰۷		۵۸	کام راج (اعظم الحرب)
۳۰۲، ۲۶۱، ۲۴۳		۱۰۳	کانجھی، دیوان (خزانۃ العلم وغیرہ)
۲۲۷	ہفیم، موہن لال	۲۶۱، ۲۴۲، ۲۲۷، ۲۱۷، ۱۹۷	کبیر
۲۲۷	فیض اللہ خاں، نواب ہیل کھنڈ	۲۹۵، ۱۹، ۱۳	کرپا دیال (رنگیں بہار)
۲۶۶، ۲۷	فیضی، شیخ	۱۲۴	کرپا رام، دیوان (گلزار کشمیر)
۲۲۷، ۲۱۵	قابل، رام داس (رام نامہ)	۲۵۷، ۱۹۶	کرپا رام، کایٹھ، (رسالہ)
۲۱۹	قاضی اختر	۱۲۵	کرشنا داس، اکبری
	قبول، عبدالغنی بیگ (کشمیری)	۲۱۷، ۴۱	کرشنا ند، کایٹھ (دیوراج ساگر)
۲۲۹، ۱۷۱، ۱۴۱		۱۸۹	کرک پیٹرک، ولیم
قتیل مرزا محمد حسن ۱۶۱، ۱۹۷		۲۲۱	کشن جی، پنڈت (نادارالانشا)
۱۹۸، ۲۴۳، ۲۲۹، ۲۶۴، ۲۶۵			
۱۸	قدرت، لالہ مشتاق رائے کھتری		
۱۳۶، ۷۶	قدسی، مہدی		

۶۷	گارساں دتاسی	۱۱۲	کشن چند، اخلاص (ہمیشہ بہار)
۵۳ ، ۱۵	گکانگو برہمن		کشن داس ابن ملوک چند تنبولی
۱۹۰	گرانتھ، چارلس	۸۸	(سنگھاسن شیشی)
۲۲۲ ، ۲۱۷	گرو دھاری لال { (چشمہ فیض)	۲۰۲	کشن دیال (انشرن التوارنخ)
۱۷۲	گرو دھر بہادر، راجا (گجراتی)	۱۲۵	کشن سنگھ، نشاط (عین الظہور)
۸۸	گرو دھر داس، کایستھ (ترجمہ رامین)	۲۶۳	کشور، کنور، پریم ناتھ
۱۵	گرہیل صاحب (مصنف تاریخ دکن)		کلیان سنگھ، ہماراجا، انتظام الملک
	گلاب رام زونو (مہاتمنی کشمیر منڈل)		(داردات قاسمی وغیرہ)
۲۱۲	گلاب سنگھ، ہماراجا (کشمیر)	۲۰۴ ، ۲۰۱ ، ۱۹۶ ، ۱۰۶	
۲۳۹	گلشن، سعد اللہ خاں	۱۳۶	کلیم، ابوطاہ
	گنگا پرشاد بن دولت چند { (دریائے عقل)	۲۴۱	کمال اسماعیل
	گنگا رام، دیکھو دیوان گنگا رام	۱۴۵	کمال الدین، حسین، مولانا
۱۱۹ ، ۱۱۸	گنیش داس، منشی { (منشیات منشی)	۱۴۱	کمال خجندی
۲۶۱ ، ۲۰۳		۲۱۹	کندن لال اشکی (زنج اشکی)
۹۶	گوبند بخش بہادر، راجا	۲۷۹	کننگم، صاحب
۲۵۹	گوبند چند (منشی)	۲۱۲ ، ۲۱۱	کنھیا لال، ہندی
۲۱۷	گوبند رام (شرح گل گشتی)	۲۱۴	کوڑا مل (قیصہ کام روپ)
۲۲۲	نصاب شدت	۳۱	کھیم کرن (مصور)
۵۳	گوبند سنگھ، گرو	۳۱	کیسو (مصور)
			کیول رام (تذکرۃ الامرا)
		۲۲۳ ، ۲۱۹ ، ۱۰۲	

۱۱۸	لجھی نراین، منشی (رقعات)	۷۶	گوپال داس، منشی (معاصر بہمن)
۷۵	لشکر خاں	۲۸۲، ۲۸۰	گوپال، پنڈت
۲۰۷	لشنگٹن، جیمز	۱۴۱	گوردھن (مصور)
۲۴۶	لطف اللہ، مولانا مفتی	۲۱۰، ۱۸۶، ۱۳، ۱۲	گورونانک
۲۴۲	لطف اللہ، حلوائی	۳۱۹، ۲۹۵، ۲۸۹	تا ۲۷۷
۷۸	{ لطف اللہ خاں (نائب) صوبہ دار لاہور }	۲۵۰، ۱۹۳ (سر)	گوگل چند، نازنگ
۲۲۷	لطفی، پرکاش داس	۲۸۷، ۲۸۲، ۲۸۰	
۳۰۵	لعل بابا	۲۲۷	گویا، نند لال
	لعل چند، راجا دیکھو راجا لعل چند	۱۲۶	گھاسی رام (مجمع الحساب)
۷۹	لعل چند ملتان		لال جی داس (احوال بابا لال گرو)
۲۱۵	{ لکشمی نراین سرور (بھگوت پُرن)	۱۲۵، ۱۱۲	
۲۱۵	لکشمی نراین (حدائق المعرف)	۲۱۹	لال چند، پنڈت (کمل الابصار)
۳۱	مادھو (مصور)	۱۰۲	لال رام، (تحفۃ الہند)
۷۷، ۷۸، ۷۹	مادھو رام (انشا)	۱۲۴	لالہ رنجیت (پردتی نردتی)
۲۵۹		۲۲۲	لائق، گنیش داس (عنخہ بے خار)
۱۲۴	مادھو سنگھ، ہاراجا	۷	لائل، سرچارلس
۲۰۲، ۱۹۰	{ مانک چند (احوال) شہر اکبر آباد }	۲۲۷، ۲۴۳، ۲۵۹	لجھمن سنگھ، غوری
۱۸۰	مائل، سٹھو لال	۲۵۹، ۱۱۹	لجھی رائے، دہوی
		۲۲۰، ۸۱	لجھی نراین، پنڈت
		۲۴۲، ۲۲۱	



۲۰۴، ۱۲۳	۲۱۵	مہرانا تھ، مالوی، پنڈت
۲۹۷، ۲۹۵، ۲۸۹	۲۲۷	متین، راجا کابھی سہائے
محمد صادق (علی صالح) ۷۶-۲۴۷		مٹھولال مرشد دیکھو مرشد
محمد عابد، میان ۲۴۰		محرّم دیکھو تلوک جید
محمد علی شاہ (بادشاہ اودھ) ۲۱۹	۱۳۱	محزوں، ہاشم خاں
محمد فیض بخش ۱۱۸	۱۵۳، ۸۵	محسن فانی، ملا
محمد قلی خاں، (محاصر مخلص) ۱۲۲	۲۹	محفوظ الحق (پردیسر)
محمد لطیف، سید ۲۱۰	۴	محمد غزنوی، سلطان
محمد معظم (بہادر شاہ اول)	۶۹، ۵۸، ۵۲	محمد اعظم شاہ
۶۹، ۵۹، ۵۸، ۵۳، ۵۲	۸۶	
۱۰۷، ۸۶، ۷۹		محمد امیر خاں، امیر الدولہ، دیکھو
محمد منوہر توسنی دیکھو توسنی		امیر خاں
محمود خاں، شیرانی، حافظ	۱	محمد بن قاسم
۱۳۴، ۱۱۹، ۲۰، ۷	۱۴	محمد تعلق
۲۶۷، ۲۰۸، ۱۵۵	۲۲-۱۹	محمد جالسی
محمود غزنوی، سلطان ۳، ۳		محمد حسن قتیل، مرزا دیکھو قتیل
محیط، رام جس، منشی ۲۲۵، ۱۹۸	۱۳۱	محمد خاں دیوانہ، ایفونی
۲۶۲ (منشیات)	۹۴، ۹۳	محمد شاہ (بادشاہ دہلی)
مختار، سیٹل داس ۱۸۰	۱۲۶، ۱۲۱، ۱۱۲، ۱۰۷، ۱۰۲	
محقّر، اندرجیت ۱۱۷	۲۳۳، ۱۳۴، ۱۲۸	
مخلص، انبے داس اردو ۱۷۵	۶۳	محمد شفیع، پرنسپل (خان بہادر)

۲۲۷	مشتاق، مادھو رام، پنڈت	۱۰۵، ۱۰۱، ۹۹	مخلص، اندرام
۱۸۰	مشرقی، بھورے سنگھ اکبر آبادی	۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۷	
۲۲۷	متصرف، لالہ بلند سنگھ	۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۳	
۲۲۷	مضطرب، منشی کنور سین	۱۳۴، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰	
۲۴۳، ۲۲۷	مضطرب، لالہ درگا پرشاد	۱۳۹، ۱۳۷، ۱۳۱، ۱۳۰	
۱۸۰	مطیع، رام بخش	۱۹۸، ۱۸۲، ۱۷۶، ۱۵۷	
۳۵	منظر خاں (اکبری)	۲۶۲، ۲۵۹، ۲۵۲، ۲۴۸	
۲۴۹	منظر جانِ جاں	۲۶۹	
۵۷	معتمد خاں	۱۴۱	مخلص کاشی
۱۲۲	معنی یاب خاں	۱۷۲، ۸۷	{ مخلص، گلاب رائے ولد گورداس }
۱۵۸	معزی، امیر		
۱۷۹	معنی، رائے بجو مل	۲۲۷	مدہوش، کنور جی، منشی
۲۲۷	مفتوں، موتی رام	۲۶۱	مرزا، راجا جو سنگھ
	مکیں، مرزا فاخر، دیکھو فاخر مکیں، مرزا	۲۲۷، ۲۱۵	مرشد، لالہ مٹھو لال
۲۴۱	مٹا جامی	۲۸۳	مردانہ، ربابی
۲۴۱	مٹا رودکی	۲۱۰	مڑے
۲۴۱، ۱۷۳	مٹا روم	۲۲۷	مسرور، گنگا بش
۲۹۵، ۲۴۷	مٹا شاہ، بدخشی	۵، ۴	مسعود، امیر غزنوی
۲۹۷، ۲۹۶		۲۴۱	مسعود بک
۲۴۱	مٹا عماد	۶	مستعود، سعد سلیمان
۷۱	ملک حیدر، (تلمارنخ کشمیر)	۲۲۷	مشتاق، بیج ناتھ

۱۷۹	کالیستھ	ملک زادہ، منشی (نگارنامہ)
۱۷۵	موزوں، راجا رام نراین	۲۵۹، ۸۹، ۷۹، ۷۱
۲۶۲، ۲۴۹، ۱۷۹		۲۰۰
۱۸۸	موزا، لارڈ	۲۲۷
۲۱۶	موہر سنگھ (راماین)	ممتاز، احسان اللہ دیکھو احسان اللہ
۲۰۰	موہن سنگھ { (دقاع ہکر)	مثال، رائے، ۹۶، { (تاریخ شاہ عالم)
	موہن لال، انیس دیکھو انیس،	۲۵۷، ۱۰۴
	موہن لال	منڈو، لارڈ ۱۹۵، ۱۸۸
۴۸	مہا پاتر (موسیقی دان)	منسارام، منشی { (آثار نظامی)
	مہان سنگھ، کرنل (کشمیرنامہ)	منشی اودھ راج، طالع یار
۲۰۴، ۱۸۷		دیکھو اودھ راج
۲۰۲	مہتاب سنگھ، کالیستھ { (تاریخ ہزارہ)	منعم، موہن لال ۲۲۷
۲۱۹	مہتاب نراین، منشی { ضروری الطب	منوہر توستنی - دیکھو توستنی
۱۸۲، ۱۰۹	مہربان، میر عبدالقادر	منیر، کنھیا لال ۲۲۷
۲۶۱	میدنی مل (بدائع الفنون)	منی رام ٹھاکر (شمس الاخبار) ۱۹۹
	میڈولال، زار دیکھو زار -	موبد، پنڈت زندہ رام (دیوان) ۱۷۸
۱۶۵ - ۱۱۶	میر تقی، تمیر	موتی رام (احوال گوالیار) ۱۰۴
۱۶۵	میر حسن	موتی لال ہنرو، پنڈت ۱۹۳
		موحد، سکھن لال ۲۲۷
		موزوں، راجا مدن سنگھ اٹاوی

میر سید علی	۳۲	نرائین پرشاد، بے تاب دیکھو بے تاب
میر علی	۱۲۰	نرائین چند ۲۹۷، ۲۹۵، ۲۹۱
میر عماد	۱۲۰	نرائین داس پشاور
میر قاسم خاں	۲۰۵	{ (کشف اللغات افغانیہ)
میر معصوم، مشرب	۱۷۵	نرسنگہ (قاتل ابوالفضل) ۲۰۲
میکاکلف - ۲۸۷، ۲۸۲، ۲۷۸		نزد رانا تھ لا ۳۲، ۲۸، ۲۵
میکالے، لارڈ	۲۳۹، ۱۹۱	نزد رہبہادر، راجا ۹۶
میڈولال، منشی	۲۱۸	نزد رانا تھ، راجہ دیوان بہادر
نادر، دُرگا پرشاد	۲۳۳	۲۰۸، ۲۰۰، ۱۹۳
نادر شاہ، دُرانی	۱۳۴، ۱۰۵	نساؤ لیز، میجر ۶۳، ۶۴، ۶۶
نادر، شکرنا تھ	۲۲۸، ۲۰۲	نسیم، دیاشنکر ۲۲۸
{ نصرت و ظفر بھرت پٹنا		نسیم، غلام علی، سید ۱۲۹
ناصر بخاری	۲۳۱	نشاط، (شاگرد)
ناصر خسرو	۲۳۱	{ عبد الغنی بیگ قبول) ۲۴۹
نامی، لالہ مٹھن لال	۲۲۸	نشاط، رائے ٹھکنی مل
نامر (غزنویوں کا ایک ہندو افسر)	۴	{ (یا بھگتی مل) ۱۷۹
نقین لال، بھجت، دیکھو بھجت		نشاط، کشن سنگھ
نخیف، رائے چنی لال	۲۲۷	{ (غریب الانشا) ۱۱۷
نذرت، حکیم چند، لالہ		نشاط، منشی دُرگا پرشاد ۲۲۷
۲۴۲، ۲۳۸، ۲۳۰		نصیر الدین حیدر، شاہ اودھ ۲۰۴
نذرت، لالہ عالم چند	۱۷۵	نظام الملک آصف جاہ ۱۰۲، ۱۰۹

نظر، نوبت رائے	۱۹۳	وارستہ، سیال کوٹی مل (مصطلحات وغیرہ)
نظمی، لالہ مول راج	۲۲۸	۱۳۵، ۱۲۷، ۱۱۸، ۱۰۱، ۹۹
نعمت اللہ خاں	۱۳۱	۱۴۱ تا ۱۶۹، ۲۴۳، ۲۴۹
نند رام، ۲۰۱، ۲۶۰، ۲۶۳		۲۶۵، ۲۶۴
نند کشور (رقعات فیض آگیں)	۲۲۱	دارن ہیٹنگنز ۱۸۹، ۲۰۴، ۲۳۹
نوبت رائے، نظر دیکھو نظر		واقف، نورالعین، بٹالوی، ۱۷۹، ۲۴۹
نور الدین، فقیر	۱۸۷	والہ، داغستانی ۱۳۴، ۲۶۶
نول رائے (بخشی صفدر جنگ)		وامق، کھتر جی ۸۱، ۸۷، ۲۵۹
	۱۰۳، ۹۵	وقائی، ابوالخیر خیر اللہ ۱۶۴
نول رائے (ملازم احمد خاں نگلش)	۱۰۳	وقار، رائے جوالا پشاد
نول کشن	۹۵	{ منشی، نصیر الدین حیدر } ۲۲۸
نول کشور، منشی، ۱۹۴، ۱۹۵		وقار، نوبت رائے ۲۲۸
	۲۲۱، ۱۹۶	ولزلی، لارڈ ۱۸۹
نول کشور، نزاکت		ولی، بنوالی داس { ۵۲، ۸۱، ۸۷
{ طلسمات خیال }	۱۱۸	{ مصنف گلزار حلال } ۸۹، ۲۴۷
نوندہ رائے (دستور الصبیان)	۲۲۱	ولی، پنجاب رائے ۱۸۰
نونیٹ رام (بھگت کالا)	۱۱۲	ولی، منشی ولی سام ۲۹۵
نیاز، سدا سکھ (عجائب الہند وغیرہ)		ولیم پیرٹک ۱۱۰
	۲۰۳، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۲۸	ولیم جونز (سر) ۱۸۹
نیہ نرلین پرسوری (گلشن اسرار)	۱۰۱	ولیم ڈنکن ۱۸۹، ۲۳۹
واجد علی، شاہ اودھ	۲۲۱	ولیم فرنیکلن ۱۰۴

۲۳	ہمایوں، نصیر الدین (بادشاہ ہند)	۲۰۹، ۲۱۰	ویڈ، کیپٹن
۲۰۴	ہمت سنگھ، کالیستہ { (جد کلیان سنگھ)	۱۷۱	ہاتف، رائے رام جی
۲۲۸	ہمت، بنی دھر	۲۰۴	ہارڈنگ، لارڈ
۲۲۸	ہندو (عہد شاہجہانی کا شاعر)	۵۰	ہاشمی، سید
۲۲۸	ہندو، لالہ گوکل چند	۱۴۰، ۱۳۷	ہدایت اللہ، خوش نویس
۲۲۸	ہندی، بھگوان داس، دیکھو بھگوان داس	۱۰۴	ہرچن داس، کالیستہ { (چار گلزار شجاعی)
۲۲۸	ہندی، رائے کھنیا لال	۱۴۰، ۱۲۷	ہردے رام، راجا { (والدہ غص)
۱۲۶	ہنٹر، ڈاکٹر	۱۲۶، ۱۰۶	ہرسکھ رائے، منشی { (جمع الاخبار وغیرہ)
۱۸۰	ہنٹر، گیان رائے (آزاد) بلگرامی کا شاگرد	۱۹۵، ۱۹۴	۲۶۱
۱۰۴	ہنی رام (راج سوہادی)	۲۲۰	ہر سہائے (انشائے فیض پیرا)
۵۷	ہیرامن، منشی ولد گرو دھر داس (گوالیار نامہ)	۲۶۰، ۲۵۹، ۱۰۱، ۷۲، ۷۱	ہر کرن، ولد متھرا داس کنبوہ ملتانی (انشا)
۶۷	ہیروڈ وٹس		ہرگوپال، تفتہ دیکھو تفتہ
۱۵۱	یجی کاشی	۷۶	ہرناتھ برہمن (معاصر برہمن)
	یک دل، دیکھو احمد بخش چشتی	۲۲۱	ہرنز این دہلوی (خیالات نادرا)
۲۰، ۱۹	یوسف عادل شاہ	۳۱	ہری بنس (مصوّر)
		۱۰۴	ہلکر، راجا

## اسماء الکُتُب

۲۱۱	اخلاقِ ہندی	۸۹ ، ۷۵	آتم بلاس
۲۵۴ ، ۲۵۳ ، ۲۰۴	اُردوئے مُعلّیٰ	۱۲	آدی گرنٹھ
۲۱۲	ارمغان	۱۶۴ ، ۱۶۳	آصف اللغات
۵۰	اسلامک کلچر	۱۷۰ ، ۱۶۸	
۲۰۲	اشرف التوارِیح	۱۲۷	آدم نامہ
۵۸	اعظم الحرب	۱۴۹ ، ۶۸ ، ۳۱	آئین اکبری
۲۴۲	اقلیدس، شرح	۲۴۶ ، ۲۳۸	
۲۴۱ ، ۶۵ ، ۶۰	اکبر نامہ	۱۶۵	ابطالِ ضرورت
- ۲۷۷		۴۸	اُپنشد
۲۸۸	الہی نامہ	۳۸ ، ۲۷	اتھروید
۱۳۷	امثال مرزا محمد قزوینی	۲۰۷ ، ۲۰۲	احوالِ اکبر آباد
۸۸	امر پرکاش	۱۱۲	احوالِ بابا لال گرو
۲۰۷ ، ۲۰۱ ، ۱۹۶	امیر نامہ	۲۰۲	احوالِ عمارات مستقر الخلافہ
۲۷۹	انسائیکلو پیڈیا آف ایٹھکس	۱۰۳	احوالِ گوالیار
۶۳	انسائیکلو پیڈیا آف اسلام	۶۸	اخبارِ محبت
۲۲۱	انشائے بے نقاط	۱۰۶	اختصار التوارِیح
۲۴۳ ، ۲۳۹	انشائے خلیفہ	۲۴۱ ، ۲۴۰	اخلاقِ جلالی
۲۲۰	انشائے دل پسند	۲۳۹	اخلاقِ مُحسنی
۲۲۱	انشائے دولت رام	۲۴۱ ، ۲۴۰ ، ۲۳۹	اخلاقِ ناصری

۱۱۰ ، ۱۱۰ ، ۱۱۰	بساط الغنائم	۱۱۷	انشائے دین دیال
۲۱۱	بندگی نامہ	۲۲۰	انشائے فیض پیرا
۱۹۹	بنگال ہیرلٹ		انشائے مادھو رام
۲۳۹	بہارِ دانش	۲۴۰ ، ۲۳۹ ، ۷۷	
۱۴۱ ، ۱۲۷ ، ۹۹	بہارِ عجم	۲۴۰	انشائے ہر کرن
۱۵۷ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷		۲۳۹ ، ۲۲۶	انوارِ ہسیلی
۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۴ تا		۱۸۰ ، ۱۱۳ ، ۱۰۰	انیس الاجبہ
۱۷۰ ، ۲۴۸ ، ۲۶۲		۲۵۷ ، ۲۴۹	
۲۲۲	بہارِ علوم	۲۲۳ ، ۲۰۴ ، ۴۰	انیس العاشقین
۱۱۸	بہارِ معنی	۲۵۸	
۱۱۸	بہارِ نثر	۱۷۶	اورنٹیل کالج میگزین
۱۷۳ ، ۱۲۵ ، ۱۷۳	بھگت مالا	۲۳۷	ایرین ردل ان انڈیا
۲۱۵ ، ۲۶۹		۲۸۳ ، ۲۷۷	بابر نامہ
۱۸۱ ، ۱۰۱ ، ۴۹	بھگت گیتا	۲۶۱	بدائع القنون
۱۷۵	بھگت منظوم	۱۰۶	بزم خیال
۱۷۳	بھگت یا جلوة ذات	۸۷	بحر عرفان
۲۴۱ ، ۲۴۰ ، ۲۳۹	بوستان	۳۲۲ ، ۱۲۳	بدائع وقائع
۲۱۶	پادشہ اسلام	۳۶۰ تا	
۲۱۹	پاکا ہوئے کالی	۸۹	بدیع القنون
۲۷۱	پران	۱۲۵	برج ہاتم
۲۴۱	پر بودہ چندرنامک	۲۰	بساتین السلاطین



۳۰۸	تاریخ فلسفہ ہند (داس گپتا)	۱۲۲	پروردتی نزد رتی
۱۰۳	تاریخ فیض بخش	۱۳۴ ، ۱۲۱ ، ۱۲۰	پری خانہ
۵۹ ، ۵۸ ، ۲۷	تاریخ کشمیر	۲۸۲ ، ۲۸۰	پنہ پرکاش
۷۱		۱۲۵	پنجاست کائے
۲۳۱	تاریخ گزیدہ	۲۳۹	پنج رقعہ
۲۱۱ ، ۲۱۰	تاریخ لاہور	۲۳۹	پندنامہ عطار
۱۰۷ ، ۱۰۲	تاریخ محمد شاہی	۱۲۵	پوران نامہ پرکاش
۵۸	تاریخ مرہٹہ	۱۴۹	تاج المصادر
۲۲۵	تاریخ منطقی	۲۷	تاجک
۲۰۲	تاریخ ہزارہ	۱۰۳	تاریخ احمد خانی
۶۱	تاریخ ہند	۵۱	تاریخ اورنگ زیب (سرکار)
۱۰۵ وغیرہ	تاریخ ہند (ایلیٹ)	۲۱۱ ، ۲۱۰ ، ۱۱۹	تاریخ پنجاب
۱۱۳	تحفۃ الاحباب	۲۸۳ ، ۲۷۷	
۲۱۶	تحفۃ الاسلام	۱۰۳	تاریخ جنگل کشور
۷۵	تحفۃ الانوار	۲۰۳	تاریخ جتوں یا راج درشنی
۸۹	تحفۃ الحکایات	۶۱ ، ۱۵	تاریخ دکن
۲۱۶ ، ۱۹۷	تحفۃ الموحدین	۲۰۳	تاریخ سورت
۷۵	تحفۃ الفصحا	۲۵۷ ، ۱۰۳	تاریخ شاہ عالم
۲۱۶ ، ۲۰۳ ، ۱۰۲	تحفۃ الہند	۲۳۱	تاریخ طبری
۱۳۷	تحفۃ سامی	۱۴۹	تاریخ عالم آرائے عباسی
۲۱۶	تحقیق التناخ	۲۰۶	تاریخ فرشتہ

تنبیه الغافلین ۱۴۵، ۱۶۶، ۲۱۵	تذکرہ اندرام، مخلص { ۱۰۵، ۱۳۴
تنقیح الاخبار ۲۰۱، ۲۰۶	(= بدائع وقائق)
توزکِ جہاں گیری ۳۹، ۴۶، ۲۷۷	تذکرۃ الامرا ۱۰۲
ٹوڈر اند (۹-خازن اسرار)	تذکرۃ المعاصرین از خوش گو ۱۱۲، ۱۱۵
۳۶، ۳۷	تذکرۃ النساء ۲۲۳
ٹرانسفارمیشن آف دی سکھز	تذکرۃ حدیثی ہندی ۱۱۳
۲۵۰، ۲۸۰	تذکرۃ حسینی ۷۲، ۷۶، ۲۶۷
جامع اللغات ۷۱	تذکرۃ خوش نویساں ۳۵، ۳۶۳
جامِ جہاں نما ۱۹۹	تذکرۃ دولت شاہ سمرقندی ۱۴۹
جنگ رنگارنگ یا تذکرۃ دارستہ ۱۴۷	تذکرۃ روز روشن ۲۹۲
جنم ساکھی ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۳	تذکرۃ سرخوش ۱۴۲، ۱۷۷
جواہر الترتیب ۱۶۵	تذکرۃ صوفیا ۲۰۴
جواہر الافلاک ۲۱۸	تذکرۃ طاہر نصیر آبادی ۱۳۷
جواہر المحروف ۱۶۵	تذکرۃ گرو نانک ۱۱۳
جواہر منظومہ ۲۲۲	تذکرۃ گلزار ابراہیم ۱۶۵
جہان ظفر ۲۰۴	تذکرۃ لباب الالباب ۶
جہاں گیر نامہ ۶۰	تذکرۃ شعراے دکن لمکا پوری ۱۱۱
چارچین ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۲۰۰	تذکرۃ وارستہ ۱۴۷
۲۴۰، ۲۴۲، ۲۶۰	تضمین گلستان ۲۲۰، ۲۲۴
چراغ ہدایت ۱۳۷، ۱۵۰ تا ۱۵۵	تعلیم المبتدی ۲۱۹
چشمہ فیض ۲۱۷	تفریح العمارات ۱۹۰، ۲۰۷، ۲۵۷

۲۶۱، ۲۱۷، ۱۹۷	خزانۃ العلم	۱۲۸، ۱۲۲، ۱۲۱	چنستان (مخلص)
۱۰۴	خطِ ہلکر	۱۳۴، ۱۳۱، ۱۳۰	
۵۹، ۵۷، ۳۵	خلاصۃ التواریخ	۱۱۳، ۱۰۰	چنستان شعرا (شفیق)
۶۶، ۶۴، ۶۳، ۶۲		۱۱۶	
۱۰۶، ۱۰۰، ۷۵، ۶۹		۱۰۴	چار گلزار شجاعی
۲۴۷، ۲۰۱، ۱۹۶		۲۷۸، ۱۰۸، ۱۰۳	چار گلشن
۲۵۷		۱۲۶	چھتر مہاتم
۱۱۹، ۷۱	خلاصۃ الانشا	۱۱۰	حالاتِ حیدر آباد
۷۱، ۶۲	خلاصۃ المکاتیب	۱۰۶	حالاتِ مرہٹہ
۲۲۰	خیالاتِ شیدا	۲۴۱	حبیب السیر
۲۲۰	خیالاتِ ضائع	۱۳۷	حجّت ساطع
۲۲۱	خیالاتِ نادر	۲۱۹	حدائقُ النجوم
۲۲۱	خیالِ بے خودی	۱۹۷	حدیقہ ہندی دیکھو تذکرہ حدیقہ ہندی
۱۲۴	داستانِ لال پری	۲۰۴	حقیقتِ تاریخ
۲۷۷	دبستانِ مذاہب	۱۱۰	حقیقتہائے بے خود
۳۵	دریاوارِ اکبری	۳۷، ۳۶	خازنِ اسرار (= ٹوڈر رائڈ)
۲۲۲	دریاے عقل	۲۱۹	خاص النجوم
۲۰۴	دستورِ عشق	۱۹۹	حاجبہ نامہ
۱۲۵	دستورِ الحساب	۲۱۵	حدائقِ المعرفۃ
۲۳۹، ۲۲۱، ۱۹۸	دستورِ الصبیان	۲۶	خرد افزا
۲۶۰		۱۴۲، ۱۲۹	خزانۃ عامرہ

رسالہ حساب ، ۳۷ ، ۱۲۶ ، ۲۱۲	۱۱۹	دستور الامتياز
۲۱۸	۲۲۱	دستور المكتوبات
رسالہ در مدح شوجی ۱۲۵	۲۶۰ ، ۱۱۷	دقائق الانشا
۲۱۸	۲۸۸	دل طلب
۲۱۸	۵۹ ، ۵۸	دل کشا ، تاریخ
۲۲۲	۲۵۷ ، ۷۰ ، ۶۹	
رسالہ ضمیر		
۱۲۵	۳۷	دھرم شاستر
۱۶۶	۸۲ ، ۷۵	دیوان برہمن
۱۶۶	۲۶۰ ، ۲۱۸	دیوان پسند
۱۰۳	۱۲۳	دیوان حافظ
۲۱۹ ، ۱۴۹	۲۲۰	دیو راج ساگر
رقعات انند رام مخلص ۱۱۷	۵۷	راجا دلی
۱۳۴ ، ۱۲۸ ، ۱۲۱ ، ۱۱۹	۷۱	راج ترنگنی
۱۱۷	۱۰۴	راج سوہادی
۱۱۷	۲۰۳	راجپوتان بنارس
۲۲۳	۱۷۳ ، ۱۰۱ ، ۸۹	راماین منظوم
۲۲۱	۲۱۶	
۲۴۱	۱۸۱ ، ۲۷ ، ۲۶	رام چتر مانس
۲۲۱	۲۱۵	رام نامہ
۱۲۴	۱۴۷ ، ۱۴۵	رجم الشیاطین
۲۰۸	۲۶	رحیم ست سئی
روضة الازہار		

۱۱۴ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۲۷	۲۴۱	روضۃ السلاطین
۱۴۸ ، ۲۵۲ ، ۲۵۷ ، ۲۶۶	۲۴۱	روضۃ الصفا
۲۹۱	۲۱۵	ریاض المذاہب
۱۱۲ سفینۂ عشرت	۲۲۵	ریاض الوفاق
۱۱۳ سفینۂ ہندی	۱۰۷ ، ۱۰۷	زبدۃ الاخبار
۲۳۹ سکندرنامہ	۲۱۷	زبدۃ الرمل
۲۲۴ ، ۲۰۳ سلطان التوارخ	۲۶۱ ، ۱۲۵	زبدۃ القوانین
۲۵۷	۱۱۴	زیب التوارخ
۲۰۴ منبستان	۲۱۹	زریج اشکی
۸۸ ، ۶۶ سنگھاسن بیتی	۱۲۶	زریج محمد شاہی
۲۹۸ سوانح مولانا روم	۱۱	زین چتر
۱۱۴ سوانح النبوة	۱۷۵	ساقی نامہ حاکم چند ندرت
۲۶۰ سیاق نامہ	۲۰۰	سدا ماچرتر
۲۸۲ ، ۲۶۸ سیر المتأخرین	۲۶۱ ، ۲۱۸	سراج السیاق
۲۵۸ ، ۱۱۶ ، ۱۱۳ شام غریباں	۱۵۵ ، ۱۴۹ ، ۱۳۷	سراج اللغات
۶۵ ، ۵۷ شاہ جہاں نامہ	۱۵۶	
۲۳۹ ، ۸۷ ، ۱۱ شاہ نامہ	۴۸	سر اکبر یا سر الاسرار
۱۰۲ شاہ نامہ منور کلام	۲۰۴ ، ۱۷۹ ، ۱۷۰	سستی پتوں
۲۱۴ شبتان عشرت	۱۰۲	سعید نامہ
۱۳۹ شرح دیوان خاقانی	۴۸	سفینۃ الادلیا
۱۴۹ شرح قصائد النوری	۱۱۲ ، ۱۰۰ ، ۸۷	سفینۂ خوش گو

۵۱	عالم گیر پر ایک نظر	۲۱۷	شرح گل کشتی
۵۸	عبرت نامہ	۷۱	شش جہت
۲۰۳	عجائب الہند	۱۹۹	شمس الاخبار
۲۰۴	عجیب القصص	۲۲۰	شمع شبستان
۲۰۰ ، ۱۹۰	عمارات الاکبر	۱۲۳	شمع و پروانہ
۲۰۳ ، ۱۹۶ ، ۱۸۷	عمدة التواریخ	۲۲۱	شیر و شکر
۲۵۰ ، ۲۱۰ ، ۲۰۹		۲۰۳	صاحب نامہ یا صاحب نثر
۲۷۸ ، ۲۵۷		۱۰۵	صیغ الاخبار
۱۲۵	عین الطہور	۱۴۹	صراح
۱۱۷	غریب الانشا	۱۴۶ ، ۱۱۸	صفات کائنات - ۱۱۸
۲۲۲	غنچہ بے خار	۱۴۷	
۵۷	فتوحات عالم گیری	۲۱۹	ضروری الطب
۲۰۲ ، ۱۲۳	فرح بخش	۳۹	طبقات اکبری
۸۹	فرس نامہ	۱۱۷	طراز الانشا
۱۶۴	فرمان روایان ہنود	۱۱۸	طلسمات خیال
۱۴۹ ، ۱۳۷	فرہنگ جہاں گیری	۲۰۹ ، ۲۰۸	ظفر نامہ اکبری
۱۶۰ ، ۱۵۹		۲۱۱ ، ۲۰۳	ظفر نامہ رنجیت سنگھ
۲۶۴	قاطع برہان	۲۷۰ ، ۲۴۹	
۱۴۹	قاموس		ظفر نامہ شرف الدین یزدی
۲۰۴	قاموس المشاہیر	۲۴۱ ، ۱۴۹	
۱۴	قران السعیدین	۱۸۶	ظفر نامہ گورو گوبند سنگھ

۲۷۹، ۱۸۶، ۱۳، ۱۲	گرنه صاحب	۲۷۰، ۲۱۶، ۲۰۹، ۳۶	قرآن مجید
۲۸۸ تا ۲۸۰		۲۰۴	قصه بهمن و مرزبان
۱۱۲، ۲۰۴	گلاب نامه	۲۱۴	قصه کام رُوپ
۷۵	گلدسته برهن	۱۲۴	قصه ملک محمد و شهر بانو
۱۱۷	گلدسته فیض	۱۲۴	قصه نوروز شاه
۱۱۳، ۱۱۰، ۱۰۰، ۸۵	گل رعنا	۸۹	کارنامه
۱۷۱، ۱۴۳، ۱۱۶، ۱۱۵		۱۳۴، ۱۲۳	کارنامه عشق
۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۳		۲۱۹	کاشف الدقائق
۲۹۱، ۲۹۴		۲۱۷	کاشی کنده
۸۹	گلزار حال	۲۱۹	کحل الابصار
۲۱۲، ۲۰۴، ۱۹۶	گلزار کشمیر	۲۰۴	کرشنا ساگر
۲۵۷		۱۲۵	کرم کاند
۲۱۱	گلزار بهندی	۲۳۹	کریما
۲۳۹، ۱۵۶، ۷۷	گلستان	۲۱۵، ۸۹	کشایش نامه
۲۴۱، ۲۴۰		۲۲۲، ۱۴۹	کشف اللغات
۱۰۱	گلشن اسرار	۲۰۴	کشمیر نامه
۱۷۰، ۱۱۸	گلشن بهار	۲۰۴	کشمیر نامه (دکرا پارام)
۱۱۷	گلشن عجائب	۲۸۹، ۲۴۷، ۷۶	کلمات الشعرا
۱۷۲، ۲۶	گلشن بهار ارم	۱۵۸، ۱۴۳	کنزری بیوشنر (بلوچن)
۲۲۲	گنج اللغات		
۸۶	گنج معانی	۱۰۲	کیگوهر نامه

۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۳	مثنوی بے غم	۲۲۱	گنجینہ خیال
۳۰۵، ۲۹۸، ۲۹۷		۵۷	گوایار نامہ
۱۷۵	مثنوی ذرہ و خورشید	۱۲۵	گیا ہاتم
۲۹۷	مثنوی ردی	۳۱۱	گیتا
	مثنوی قصص فقراے ہند	۶۰، ۵۹، ۵۷	لب التوارخ
۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۱		۲۵۷، ۱۰۶، ۶۱	
۲۱۹	مُجربات تمکین	۱۳۹	{ لطائف مثنوی معنوی (= لطائف المعنوی)
۱۰۷	مجمع الاخبار		
۲۹۵، ۳۹	مجمع البحرین	۱۳۹	لغت ترکی
۲۰۳، ۹	مجمع التوارخ	۸۵	یلی و مجنون (مثنوی)
۱۲۶	مجمع الحساب	۲۷	یللاوتی
۲۱۵	مجمع الصفات	۱۱۰	ماثر آصفی
۱۳۱، ۱۲۸، ۱۱۴	مجمع النفائس	۳۰، ۳۴، ۲۳	ماثر الامرا
۲۳۳، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۳۲		۲۳۴، ۱۱۱، ۱۰۲، ۸۱	
۲۹۲، ۲۵۱، ۲۴۸		۱۱۱، ۱۰۱	ماثر حیدری
۱۳۹	مجموعہ ابراہیم شاہی	۷۰، ۵۲	ماثر عالم گیری
۷۵	مجموعۃ الفقرا	۱۰۹	ماثر نظامی
۲۰۲	مجموعہ فیض و گل بے خزاں	۷۰	ماڈرن دیویلو
۲۲۶	محیط دانش	۲۳۹	ما مقیمان
۱۲۵	محیط معرفت	۲۶۸، ۲۴۸	مُشمیر آرزو
۲۰۴	مخبر بہت	۸۶	مثنوی اعظم شاہ



۲۲۲	مفتاح الصفات	۶۳	مختصر التواریخ
۲۱۹	مفتاح الناظرین	۲۱۱	مخزن التوحید
۲۱۹	مفردات طب	۱۲۴	مخزن العرفان
۲۲۱	مکاتیب بجاگ چند	۱۳۲، ۱۲۸، ۴۰	مخزن الغرائب - ۴۰
۲۲۱	مکاتیب ہرجس رائے	۲۸۹، ۲۴۲، ۱۷۱	
۷۵	مکالمات بابا لال	۱۹۹	مخزن الفتوح
۱۲۴	ملاحضت مقال	۱۴۹	مدار الاناضل
مناجات در بحر طویل (منسوب بہ نانک)		۲۱۶، ۲۱۲، ۱۹۷	مدینۃ التحقيق
۲۸۸		۲۰۰	مرآة دولت عباسیہ
۲۱۱	مناجات ہندی	۱۹۹	مرآة الاخبار
۱۴۹، ۱۱۹، ۲۰	منتخب اللغات	۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۲، ۹۹	مرآة الاصطلاح
۲۰۵، ۲۰۱، ۱۹۶، ۵۸	منتخب التواریخ	۱۴۰، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۴، ۱۳۰	
۶۰	منتخب اللباب (خانی خاں)	۲۶۲، ۱۷۶، ۱۴۹	
۱۲۱	منشورات اندرام	۲۶۱، ۲۱۸، ۸۴	مرآة النیال
۲۲۱	منشآت امر لال	۲۲۱	مرصع خورشید
۲۵۹، ۷۵	منشآت برہمن	۱۳۴	مرقع (مخلص)
۲۲۱	منشآت کالی رائے تمیز	۱۱۷	مسودات کیول رام
۲۰۳، ۱۹۸، ۱۱۹	منشآت خیالی رام -	۱۶۶، ۱۴۹، ۱۴۸	مصطلحات الشعرا
۲۶۱، ۲۶۰		۱۴۲، ۱۲۷، ۹۹	مصطلحات وارسہ
۲۲۰	منشآت ہنگولال	۲۶۲، ۱۶۷، ۱۶۴	تہما
۲۲۱	منشآت ہیرالال	۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵	مطلع السعیدین
۲۲۰	مفید الانشا	معارف، رسالہ ۲۸۷، ۱۴۳ وغیرہ	
۱۴۹	موید الفضلا	۲۱۹	معیار الامراض

۲۱۷	وثیقہ یادگار فارسی	۱۶۳	مؤید برہان
۱۸۸	وقائع جنگ سبکھاں	۱۰۱ ، ۲۷	مہاجارت
۲۰۲	وقائع شورش افغانیہ	۲۰۴ ، ۱۰	مہاتمنی کشمیرہ منڈل
۲۰۲	وقائع معین الدینؒ، چشتی	۱۰۳	میزان دانش
۲۰۰	وقائع ہلکر	۲۲۱	نادر الانشا
۲۷۹	ہسٹری آف دی سکھسز	۸۹	نازک خیالات
۱۲۷	ہفت اختر	۲۱۱	نام حق
۲۶۰ ، ۸۰	ہفت انجمن	۱۲۴	نخلستان
۱۶۴	ہفت قلزم	۱۱۵ ، ۸۲ ، ۴۱	نشر عشق (تذکرہ)
۲۲۲	ہفت گل	۱۷۵ ، ۱۷۲ ، ۱۳۲ ، ۱۳۱	
۱۷۱ ، ۱۱۲ ، ۱۰۰	ہمیشہ بہار (تذکرہ)	۲۳۵ ، ۲۲۴ ، ۲۲۳ ، ۱۷۹	
۲۹۱ ، ۲۵۸ ، ۱۷۲		۲۳۹	نصاب الصبیان
”ہند عہد اور نگ زیب“		۲۲۲	نصاب شلت
۶۳ (فاروقی میں)		۲۰۲	(رسالہ) نصرت و ظفر بھرت پور
”ہندستان کی کہانی اپنے مورخوں کی“		۲۰۳	نظارۃ السندھ
۶۲ زبانی (ایلٹ وغیرہ)		۱۱۶	نکات الشعرا
۱۳۴ ، ۱۲۲	ہنگامہ عشق	۲۵۹ ، ۷۵	نگار نامہ
۱۲۴	ہیر و رانجھا	۲۱۱	نگارین نامہ
۲۰۲	یادگار بہادری	۲۷	نل دمن
۲۱۱	یادگار ہندی	۱۶۵	نوادر المصادر
۲۳۹	یوسف زلیخا	۱۱۸	نیاز نامہ
۴۹	یوگ و ششتا	۲۰۵ ، ۲۰۱ ، ۱۰۶	واردات قاسمی
		۱۳۹ ، ۱۳۷	واقعات بابری

# ہماری زبان انجمن ترقی اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولہویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔  
چند سالانہ صرف ایک نمبر فی ہرچہ پانچ پیسے

## اُردو

### انجمن ترقی اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص اختیار رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محمول ڈاک وغیرہ کمرات پڑ سکے انگریزی (اکٹھ پڑ سکے عثمانیہ) نوٹے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو روپے سکھائیہ)

## رسالہ سائنس

### انجمن ترقی اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے شائع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو زبان میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات و ترقیاں ہوتے ہیں، یا کمپنیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں اور اگر لے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد ہلکے بھی شائع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپے سکے انگریزی (چھ روپے سکے عثمانیہ) خط و کتابت کا پتہ: معتمد مجلس ادارت رسالہ سائنس۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔ دکن

### انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

## عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شائع کی جائیں۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا، جو اس سلسلے کی پہلی کتاب ہماری قلمی زبان، جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کے صدر جناب ٹاکٹر سرتیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ قاضی عام پسند ثابت ہوگا۔ اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸۔

## ہمارا رسم الخط

از جناب عبد القدوس صاحب لاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔ گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

مینہراجن ترقی اُردو (ہند نمبر ۱) دریا گنج، دہلی



## Osmania University Library

Call No. A915209

Accession No. P < 10

Author L.S.

2725

Title J. P.

This book should be returned on or before the date last marked below











